

13

اموال زکاۃ کی سرمایہ کاری

www.KitaboSunnat.com



ایفا پبلکیشنز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربعہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری

[غریبوں کو زکوٰۃ کے ذریعہ فائدہ پہنچانے کے لئے کیا اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے؟ اس اہم مسئلہ پر ۱۳-۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء کو جامعہ سید احمد شہید کٹولی بلچ آباد لکھنؤ میں منعقد ہونے والے تیرہویں فقہی سمینار کے علمی مقالات، اہل علم کے مناقشات اور اجتماعی طور پر طے پانے والے تجاویز کا مجموعہ]

www.KitaboSunnat.com

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ صفحوں پر جمعاً نام محفوظ

۲۸۱
۱۰۰ روپے

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری	:	نام کتاب
۲۸۱	:	صفحات
۱۰۰ روپے	:	قیمت
جولائی ۲۰۱۰ء	:	سن طباعت



ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، ٹیسٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

فون: 011-26983728, 26981327

ای میل: ifapublications@gmail.com

جلس اولیٰ

- ۱- مولانا مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی
- ۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
- ۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
- ۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
- ۵- مولانا عتیق احمد بستوی
- ۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی



فہرست مضامین

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری

۹	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	ابتدائیہ
پہلا باب (تعمیراتی امور)		
۱۳		اکیڑی کا فیصلہ
۱۵		سوالنامہ
۱۸	مولانا عتیق احمد بستوی	عرض مسئلہ
دوسرا باب (تفصیلی مقالات)		
۳۵	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری اور تملیک کی بعض صورتیں
۵۰	مولانا عتیق احمد بستوی	اموال زکوٰۃ سے سرمایہ کاری - غور و فکر کے چند پہلو
۶۳	مولانا انیس الرحمن قاسمی	اموال زکوٰۃ سے سرمایہ کاری
۷۰	مولانا خورشید انور اعظمی	جدید مسائل و مشکلات کی روشنی میں زکوٰۃ سے سرمایہ کاری
۷۵	مفتی جنید عالم ندوی قاسمی	استثمار زکوٰۃ کے مسائل
۸۲	مولانا خورشید احمد اعظمی	زکوٰۃ کے نئے مسائل
۸۷	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	زکوٰۃ کی بچی ہوئی رقم میں سرمایہ کاری
۹۲	مولانا ابوالعاصم وحیدی	اموال زکوٰۃ کا استثمار اور تملیک کی بعض صورتیں
۹۷	مولانا راشد حسین ندوی	مال زکوٰۃ کا استثمار
۱۰۶	مولانا سید اسرار الحق سہیلی	اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری
۱۱۱	مولانا محمد ابو بکر قاسمی	اموال زکوٰۃ کا استثمار
۱۱۷	مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی	مال زکوٰۃ سے سرمایہ کاری
۱۲۲	مولانا حفیظ الرحمن عمری	زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

۱۳۷	مولانا محمد اعظمی	اموال زکوٰۃ کا استعمار، تملیک کی بعض صورتیں
۱۳۴	مولانا عبدالغفار	زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک کی شرط
۱۳۷	مفتی عبدالرحیم کشمیری	استعمار یا اموال زکوٰۃ کی شرعی حیثیت
۱۳۴	مولانا محمد اقبال قاسمی	اموال زکوٰۃ کا استعمار
۱۳۷	مولانا ارشاد احمد اعظمی	تملیک زکوٰۃ کی بعض صورتیں
۱۵۲	مولانا عبدالرشید قاسمی	موجودہ حالات میں اموال زکوٰۃ کا استعمار
۱۶۰	قاضی محمد کامل قاسمی	ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک کی شرط
۱۶۶	مولانا محمد نور القاسمی	تملیک زکوٰۃ کی بعض صورتیں
۱۷۱	مولانا ابرار خان ندوی	نظام زکوٰۃ اور اس کے مقاصد
۱۸۱	مولانا محی الدین غازی	اموال زکوٰۃ کا استعمار
۱۸۷	مولانا ثناء احمد قاسمی	زکوٰۃ کے اموال کا استعمار

تیسرا باب (منتصر تحریریں)

۱۹۵	مولانا محمد برہان الدین سنبللی	زکوٰۃ کی سرمایہ کاری
۱۹۷	مفتی محمد عبید اللہ اسعدی	مال زکوٰۃ کا استعمار
۱۹۸	مولانا زبیر احمد قاسمی	استعمار یا اموال الزکاۃ
۲۰۱	مولانا قاضی عبدالخلیل قاسمی	اموال زکوٰۃ کا استعمار
۲۰۳	مفتی جمیل احمد زبیری	اموال زکوٰۃ کو آمدنی کا ذریعہ بنانا
۲۰۷	مولانا ڈاکٹر محمد عبداللہ جو لم عمری	اموال زکوٰۃ کا استعمار
۲۰۹	مفتی انور علی اعظمی	ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کا مسئلہ
۲۱۱	مولانا سلطان احمد اصلاحی	زکوٰۃ سے سرمایہ کاری کے مسائل
۲۱۳	مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی	زکوٰۃ کے نئے مسائل
۲۱۶	مولانا ابوسفیان مفتاحی	اموال زکوٰۃ کا استعمار اور تملیک کی بعض صورتیں
۲۲۰	مفتی نسیم احمد قاسمی	اموال زکوٰۃ کا استعمار - شرعی ضوابط کی روشنی میں
۲۲۳	مولانا نعمت اللہ قاسمی	استعمار یا اموال زکوٰۃ کی شکلیں
۲۲۷	ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی	زکوٰۃ کے نئے مسائل
۲۲۹	مولانا تاجزاد احمد عبدالحمید	زکوٰۃ سے سرمایہ کاری
۲۳۰	مولانا فضل الرحمن	اموال زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

۲۳۲	مفتی عبدالرحیم قاسمی (بھوپال)	اموال زکوٰۃ کا استعمار اور تملیک زکوٰۃ
۲۳۵	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری	زکوٰۃ کے مال کا استعمار
۲۳۸	مولانا عطاء اللہ قاسمی	رقوم زکوٰۃ کا استعمار اور مسئلہ تملیک
۲۴۰	مولانا محمد صادق مبارکپوری	اموال زکوٰۃ کا استعمار
۲۴۲	مولانا محمد یعقوب قاسمی	زکوٰۃ کے نئے مسائل
۲۴۳	مولانا نعیم اختر قاسمی	اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری
۲۴۷	مولانا شوکت صبا قاسمی	استعمار یا اموال زکوٰۃ کا شرعی جواز
۲۵۱	مولانا فلاح الدین قاسمی	اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کا شرعی حکم
۲۵۳	حکیم ظل الرحمن	استعمار یا اموال زکوٰۃ
۲۵۷	مولانا تنویر عالم قاسمی	اموال زکوٰۃ کا استعمار
۲۵۹	مولانا مجیب الرحمن محمودی	اموال زکوٰۃ کا استعمار
۲۶۲	مولانا مظہر الدین شمشیری	اموال زکوٰۃ کے مصارف اور سرمایہ کاری
۲۶۵	شفیع مشہدی	زکوٰۃ کے نئے مسائل
۲۶۶	عمر افضل (امریکہ)	زکوٰۃ سے متعلق نئے مسائل

چوتھا باب اختتامی امور

۲۷۱

مناقشہ



ابتدائیہ

اسلام کے نظام معیشت کی بنیادی خصوصیت انفرادی ملکیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ دولت کی زیادہ سے زیادہ تقسیم اور اس کو ارتکاز سے بچانا ہے، اسی کی ایک عملی مثال زکوٰۃ کا نظام ہے۔ زکوٰۃ کا واجب قرار دیا جانا ایک طرف اس بات کی دلیل ہے کہ سرمایہ دار خود اپنی دولت کا مالک ہے اور وہ جائز راستہ میں اسے صرف کر سکتا ہے، دوسری طرف اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ انسان کی دولت میں سماج کے غریب لوگوں کا بھی حق ہے، یہ حق متعین طور پر ڈھائی فیصد سے لے کر بیس فیصد تک ہے، جو مختلف اموال میں زکوٰۃ کی مقررہ شرح ہے، اور بطور نفل اپنی ضروریات کے بعد غرباء پر جتنا خرچ کرے اتنا ہی بہتر ہے۔

زکوٰۃ کا بنیادی مقصد غرباء کی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے، اسی لئے زکوٰۃ کے زیادہ تر مصارف اسی طبقہ سے متعلق ہیں، افسوس کہ زکوٰۃ نکالنے کا جو اہتمام ہونا چاہئے وہ مفقود ہے، اس لئے امت میں بکبت و افلاس، معاشی پسماندگی اور گداگری کھلے عام نظر آتی ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر تمام لوگ زکوٰۃ ادا کریں تو کوئی بھوکا نہیں رہے گا، آپ ﷺ کے اس ارشاد کو عصر حاضر کے بعض اہل علم نے حسابی تخمینوں کے ذریعہ بھی ثابت کیا ہے۔

اس پس منظر میں ایک رجحان یہ ہے کہ اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی جائے تاکہ زیادہ عرصہ تک اور زیادہ سے زیادہ فقراء کو اس سے استفادہ کا موقع ملے نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار اس کے مصارف اور اس کی ادائیگی سے متعلق قواعد و ضوابط عام طور پر قرآن و

حدیث میں صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں، اس میں قیاس و اجتہاد کی بہت کم گنجائش ہے اور فقہاء نے اپنے اجتہادات میں بھی اس کو پیش نظر رکھا ہے، اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی انہی حدود کے اندر کی جائے۔

چنانچہ موضوع کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اکیڈمی نے اپنے تیرہویں فقہی سمینار منعقدہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملخ آباد لکھنؤ بتاریخ ۱۳-۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء میں اس کو بھی غور و فکر کا موضوع بنایا، یہ مجموعہ اسی سمینار میں پیش ہونے والے مقالات پر مشتمل ہے جس کو چار ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے: پہلا باب تمہیدی امور کا ہے، دوسرے باب میں تفصیلی مقالات ہیں، تیسرے باب میں مختصر تحریریں ہیں اور چوتھے باب میں سمینار کے درمیان ہونے والے مناقشات ہیں، قارئین انشاء اللہ محسوس کریں گے کہ شرعی اصولوں کے دائرہ میں رہتے ہوئے زکوٰۃ کو غربت اور بے روزگاری کے دور کرنے کے لئے کس طرح استعمال کیا جائے؟ اس پر بڑی احتیاط اور دور بینی کے ساتھ فیصلے کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جناب مفتی احمد نادر القاسمی صاحب (رفیق شعبہ علمی) کو جزا خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے توجہ اور خوش سیلیفگی کے ساتھ اس کی ترتیب و تصحیح کا کام انجام دیا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اس علمی کاوش کو اس بات کا ذریعہ بنائے کہ امت فقر اور افلاس کے اس دلدل سے نکل سکے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فقر انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

خالد سیف اللہ رحمانی

جزل سکرٹری

۲ جون ۲۰۰۹ء

۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ

جدید فقہی تحقیقات

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیتہم کا فیصلہ:

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری

زکوٰۃ کے نئے مسائل (استثمار وغیرہ) کی بابت تجاویز مرتب کرنے کے لئے تیرہویں فقہی سمینار (منعقدہ ۱۳ تا ۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء مطابق ۱۸ تا ۲۱ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ) میں جو کمیٹی تشکیل دی گئی اس کے ارکان نے اس موضوع پر اکیڈمی کو موصول ہونے والے مقالات اور تحریروں، سمینار کے دوران ہونے والی بحثوں اور بعض علمی مجامع کے فیصلوں کو سامنے رکھتے ہوئے درج ذیل تجاویز با اتفاق آراء مرتب کیں:

۱- بہت سے ممالک اور علاقوں میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی ناقابل بیان ہے، مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت اور اقتصادی بد حالی کا استحصال کرتے ہوئے غیر مسلم مشنریاں اور قادیانی مبلغین سرگرم عمل ہیں، اور غریب اور نادار واقف مسلمانوں کی امداد کر کے اور انہیں اپنے قریب لا کر ان کے ایمان و عقیدہ کو بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ محتاج و نادار مسلمانوں کی معاشی بد حالی کا فوری طور پر مداوا کیا جائے، انہیں فقر و فاقہ کے اس چنگل سے نکالا جائے جس نے ان کے دین و ایمان کو خطرہ میں ڈال دیا ہے، ایسے مسلمان اموال زکوٰۃ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، ہر ملک اور علاقہ کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے نادار اور محتاج مسلمانوں کو خاص طور پر اموال زکوٰۃ دیں اور اگر اموال زکوٰۃ اس کے لئے کفایت نہ کریں تو دوسری مدات خیر سے ان کا تعاون کریں۔

۲- فقراء و مساکین کو زکاۃ کا جو مال دے دیا نہیں اس مال پر تمام مالکانہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر کسی فقیر و مسکین یا چند فقراء نے زکاۃ لینے کے بعد اسے استثمار یا تجارت وغیرہ میں لگا دیا تاکہ زکاۃ کی اس رقم سے آئندہ بھی فائدہ پہنچتا رہے تو ایسا کرنا جائز ہے، اس سے زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

۳- زکاۃ دینے والے شخص یا زکاۃ دینے والوں کی جماعت کی طرف سے زکاۃ میں نکالی ہوئی رقم کو کسی نفع بخش کاروبار میں لگا دینا تاکہ مستقبل میں اس کا نفع فقراء و مساکین اور دیگر مستحقین زکاۃ پر تقسیم کی جاتی رہے، جائز نہیں، اس طرح زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

۴- فقراء کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کے لئے اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ فقیر جس پیشے اور صنعت سے وابستہ ہے، یا جس پیشے کو شروع کر سکتا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کوئی مشین یا آلات صنعت و حرفت زکاۃ کی رقم سے خرید کر بطور ملکیت دے دئے جائیں یا فقیر کی تجارتی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی دوکان اسے مالکانہ طور پر زکاۃ کی رقم سے بنا کر دے دی جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے، اس سے زکاۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

۵- اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکاۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۶- ادائے زکاۃ کے وقت اس کو بہر حال ملحوظ رکھا جائے کہ مقامی محتاج و مستحقین محروم نہ رہ جائیں۔



سوالنامہ

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری

دور حاضر میں دنیا کے اکثر ممالک میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی ناقابل بیان ہے، افریقہ اور ایشیا کے بہت سے ممالک میں مسلمانوں کی جہالت اور اقتصادی بد حالی کا استحصال کرتے ہوئے عیسائی مشنریاں سرگرم عمل ہیں اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کر رہی ہیں، قادیانی اور بعض دوسرے گمراہ فرقے بھی مسلمانوں کے فقر و فاقہ کا فائدہ اٹھا کر اقتصادی امداد کے نام پر پہلے غریب و ناخواندہ مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانتے ہیں اور پھر ان میں اپنے باطل اذکار و عقائد کا پرچار کرتے ہیں، مسلمانان عالم کے لئے حد درجہ شرم و افسوس کی بات یہ ہے کہ انڈونیشیا، بنگلہ دیش اور افغانستان جیسے مسلم اکثریتی ممالک میں بھی کرچین مشنریاں کامیابی کے ساتھ اپنا کام کر رہی ہیں اور غریب و بد حال مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ پر ڈاکے ڈال رہی ہیں، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ مسلمانوں کی معاشی بد حالی کا فوری طور پر مدد کیا جائے، انہیں فقر و فاقہ کے اس چنگل سے رہائی دلائی جائے جس نے ان کے دین و ایمان کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے اور بے شمار مسلمان خطرہ ارتداد کی زد میں ہیں۔

اس صورت حال کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے دین سے آشنا ہوں اور ان کے پاس وہ علوم و فنون ہوں جن کے ذریعہ وہ اپنا رزق کما سکیں۔

فقرو فاقہ زدہ مسلم ممالک اور مسلم اقوام کی مالی و اقتصادی امداد کے لئے خود مسلمانوں کی طرف سے کی جانے والی کوششیں مطلوبہ معیار و مقدار سے بہت کم ہیں، اسی لئے دوسرے مذاہب اور گمراہ فرقوں کے لوگوں کو ان غریب مسلمانوں کو رجھانے اور اپنے باطل مذاہب و افکار کی طرف بلانے کا بہترین موقع ہاتھ آیا ہے۔

الحمد للہ کچھ افراد اور جماعتوں نے اس صورت حال کے تذکرہ کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور اہل خیر کے تعاون سے بڑا فنڈ جمع کر کے فلاکت زدہ مسلمانوں کی فوری ضرورت پورا کرنے، ان کی اقتصادی حالت بہتر بنانے اور انہیں اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے۔

لیکن اس مقصد کے لئے حاصل ہونے والی رقوم کا بہت بڑا حصہ مذکاتہ کا ہوتا ہے، اس لئے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ زکاتہ کی رقوم اس طور پر خرچ کی جائیں کہ زکاتہ دہندگان کی زکاتہ ادا ہو جائے۔

کچھ افراد اور جماعتوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ زکاتہ کی رقوم حاجت مندوں پر تھوڑی تھوڑی مقدار میں تقسیم کرنے کے بجائے ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ اس رقم سے کوئی کارخانہ یا فیکٹری قائم کر دی جائے یا اسے کسی اور نفع آور کاروبار میں لگا دیا جائے اور اس کارخانہ، فیکٹری اور کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع کو فقراء میں تقسیم کیا جائے تاکہ ہر سال کی زکاتہ کھاپی کر برابر نہ ہو جائے، بلکہ اس سے آمدنی کے ایسے مستقل ذرائع پیدا ہوں جو مستقل طور پر فقراء کی ضرورت پوری کریں اور زکاتہ کی رقوم سے وجود میں آنے والے کارخانوں اور فیکٹریوں میں حتی الامکان مستحقین زکاتہ ہی کو ملازم رکھا جائے تاکہ وہ فقر و فاقہ کے دلدل سے نکل سکیں، بعض افراد اور جماعتوں نے ایسی بعض اسکیموں پر عمل بھی شروع کر دیا ہے، اس سلسلہ میں چند سوالات ہیں جو آپ ارباب علم و تحقیق کی خدمت میں پیش ہیں:

سوال نمبر (۱):

(الف) دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکاۃ کی رقوم کا استثمار درست ہے یا نہیں؟ یعنی زکاۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے اور فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکاۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے گا، شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اموال زکاۃ کے استثمار کے جائز ہونے کے دلائل اور اسباب و وجوہ پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کی زحمت کریں۔

(ج) اس ذیل میں یہ بھی وضاحت کریں کہ زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک (مستحق زکاۃ کو مالک بنانا) ضروری ہے یا نہیں؟ اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری ہو رہی ہے یا نہیں؟

سوال نمبر (۲):

زکاۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں مکانات، دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکاۃ کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

سوال نمبر (۳):

فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکاۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس میں اگر کوئی شرعی قباحت ہو تو اس کی وضاحت فرمائیں۔



عرض مسئلہ:

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری

مولانا متین احمد ہستوی ☆

”استثمار باموال الزکوٰۃ“ کا سوال نامہ آپ حضرات کے پیش نظر ہوگا، اس سوال نامہ کے جواب میں فقہ اکیڈمی کو اکتیس تحریریں موصول ہوئی ہیں، کچھ تحریریں تفصیلی ہیں اور بعض مختصر ہیں۔

”المعهد العالمی الاسلامی حیدرآباد“ کے زیر تربیت فضلاء کی تحریریں بھی اس موضوع پر موصول ہوئیں۔

اس سوال نامہ میں تین سوالات اٹھائے گئے ہیں:

سوال نمبر ۱: (الف) میں دریافت کیا گیا ہے: زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار درست ہے یا نہیں، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہوئے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۲ کے جزء (ب) میں استثمار کے جائز یا ناجائز ہونے کے دلائل اور اسباب و وجوہ پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا گیا ہے، اور جزء (ج) میں دریافت کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی

کے لئے تملیک ضروری ہے یا نہیں؟ اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری ہو رہی ہے یا نہیں؟ سوال نمبر ۱ کے مرکزی سوال (جزء الف) کے جواب میں مقالہ نگاروں کی غالب اکثریت نے بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اموال زکوٰۃ کے استثمار کی شرعاً گنجائش نہیں ہے، ان حضرات کے نام یہ ہیں:

- ۱- مولانا محمد برہان الدین سنہسلی، ۲- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، ۳- مولانا محمد ارشاد قاسمی، ۴- مولانا جمیل احمد ندیری، ۵- مولانا عبدالرحیم بارہ مولہ کشمیر، ۶- راقم سطور عتیق احمد قاسمی، ۷- مولانا عبدالقادر عبد اللہ قادری کیرالا، ۹- مولانا راشد حسین ندوی رائے بریلی، ۱۰- مولانا مصطفیٰ قاسمی درہنگہ، ۱۱- مولانا محمد اقبال قاسمی درہنگہ، ۱۲- مولانا محمد کامل قاسمی دہلی، ۱۳- مولانا عبدالرشید قاسمی جونپور، ۱۴- مولانا ابرار خاں ندوی جے پور، ۱۵- مولانا عطاء اللہ قاسمی کوپا گنج، ۱۶- مولانا نیاز احمد عبدالحمید ڈومریا گنج، ۱۷- مولانا محمد نور قاسمی جے پور، ۱۸- مولانا محمد صادق مبارکپور، ۱۹- استاذ جامعۃ الفلاح بلریا گنج، ۲۰- ایک مقالہ نگار جن کا نام وپتہ غائب ہے۔

غیر علماء میں سے حکیم ظل الرحمن اور شوکت صبا صاحب کی رائے بھی استثمار کے ناجائز ہونے کی ہے۔

درج ذیل علماء نے تفصیلات اور شرائط میں کافی اختلاف کے ساتھ فی نفسہ استثمار کے جواز کی رائے ظاہر کی ہے، پھر ان میں سے بعض نے فی نفسہ جائز ہونے کے بعد سد ذرائع کے طور پر اس کے ممنوع ہونے کا رجحان ظاہر کیا ہے۔

- ۱- مولانا ارشاد احمد اعظمی بھوپال، ۲- مولانا ابوالعاص وحیدی، ۳- مولانا حفیظ الرحمن عمری، ۴- مولانا اسرار الحق سمیلی، ۵- مولانا ابوسفیان مقتاچی، ۶- مولانا سلطان احمد اصلاحی، ۷- مولانا محمد اعظمی، ۸- مولانا قدرت اللہ باتوی۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی کی رائے میں اموال زکوٰۃ کا استثمار اس وقت درست ہوگا، جبکہ زکوٰۃ دہندگان خود استثمار نہ کریں، بلکہ اسلامی حکومت یا جماعت مسلمین اجتماعی طور پر زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کریں، اسلامی حکومت کے عامل یا زکوٰۃ کا اجتماعی نظم کرنے والی تنظیموں، یا اداروں کے نمائندوں کے ہاتھ میں زکوٰۃ دینے سے تملیک کا تقاضا پورا ہو گیا، مسلم حکومت یا زکوٰۃ کے اجتماعی اداروں کو اختیار ہے کہ اگر وہ مناسب اور مفید سمجھیں تو اموال زکوٰۃ کا استثمار کریں۔

مولانا اسرار الحق سبیلی نے استثمار کو جائز قرار دیتے ہوئے کچھ دلائل دئے ہیں، پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تملیک کی شرط صرف حنفیہ کے یہاں ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نہیں ہے، اور اگر ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری بھی ہو، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں تو استثمار والی صورت میں تملیک پائی جا رہی ہے، موصوف لکھتے ہیں: ”تملیک کے لئے فقیر ہونا ضروری نہیں ہے، عامل، محصل یا فقیر کے سرپرست کو بھی مالک بنانا درست ہے“، لیکن مولانا سبیلی یہ اہتہا بھی دیتے ہیں: ”اموال زکوٰۃ کے استثمار اور دوسرے منصوبوں پر عمل آوری اسی وقت ممکن ہے جبکہ قوم کے مخلص، ہمدرد، مستعد، بیدار مغز اور تجربہ کار حضرات قوم کو معاشی ترقی دلانے کے جذبہ کے تحت کام شروع کریں اور اس کی سختی سے نگرانی کریں، ورنہ زکوٰۃ کی جائداد کا وہی حال ہو سکتا ہے جو اب پورے ملک میں اوقافی جائیدادوں کا ہے۔“

مولانا ابوالعاص و حیدری کی رائے میں ”اگر زکوٰۃ کا اجتماعی نظام ہو تو زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار درست ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ذاتی ضروری نہیں ہے“ بلکہ فقراء اور دوسرے مستحقین زکوٰۃ کی نفع رسانی اور بہبود کا کوئی بھی کام اس سے کیا جاسکتا ہے۔

مولانا حفیظ الرحمن عمری کی رائے ہے کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا تو اموال زکوٰۃ کو اکتناز و احتکار کے لئے نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ اس کے استثمار کی مفید صورتیں ضرور عمل میں لائی جائیں گی، جن سے زکوٰۃ کا مقصد پورا ہوتا رہے گا، یعنی مستقبل میں فقر و فاقہ کا ازالہ اور بے روزگاری

کا خاتمہ، لیکن مولانا کی تحریر کے اگلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک استثمار کے جواز کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ہو، بلکہ ان کی رائے میں فقراء و مساکین کے زیادہ مستحکم تعاون کی صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم سے نفع بخش کارخانے اور صنعتی مراکز قائم کئے جائیں، خواہ اس میں نفع کم ہو، مگر نقصان کا امکان نہ ہو، فقراء اور مساکین کو ان کی قابلیت کے مطابق فرائض تقسیم کر کے انہیں شیئر ہولڈر بنا دیا جائے، اس طرح تملیک کی شرط پوری ہو جائے گی۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کی رائے میں اگر زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے درمیان وقفہ ہو تو اس وقفہ میں زکوٰۃ کی رقوم سے قصیر المدت سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے، فوری ضرورتوں کی تکمیل سے فاضل سرمایہ کو طویل المدت سرمایہ کاری میں بھی لگایا جاسکتا ہے، مگر اس کا فیصلہ اور انتظام افراد پر نہیں چھوڑا جاسکتا، بلکہ اولوا الامر (مسلمانوں کے ارباب حل و عقد) اور مجلس شوریٰ کے طے کرنے اور انجام دینے کا ہے، یا زکوٰۃ کے ایسے ادارے جنہیں عامۃ المسلمین کے منتخب نمائندے چلاتے ہوں، یا وہی مشورے سے فقراء المسلمین کی صلاح و فلاح کے لئے مختلف مشارع میں سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔

اصلاحی صاحب کے خیال میں تملیک ضروری ہونے کے دلائل قطعی اور مسکت نہیں ہیں، اور اگر تملیک ضروری ہو تو تملیک انفرادی کے بجائے تملیک اجتماعی کافی ہے جو استثمار میں پائی جا رہی ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی رقوم سے کارخانہ، فیکٹری جو قائم ہوگی وہ فقراء، مساکین اور دوسرے مستحقین زکوٰۃ کے لئے ہوگی، اس کا نفع انہیں پر خرچ ہوگا، اور ان کارخانوں کے خاتمہ پر جو کچھ حاصل ہوگا وہ فقراء و مساکین میں تقسیم ہوگا، ان استثمارات میں اگر اس بات کی صراحت نہ ہو تو ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا۔

مولانا محمد اعظمی منو نے استثمار کو جائز قرار دیتے ہوئے قرضادوی صاحب کی متعدد عبارتیں پیش کی ہیں اور بعض اقوال صحابہ سے استیناس کیا ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب نے بھی استثمار کو جائز قرار دیا ہے، لیکن مزید لکھا ہے: البتہ توازن کا دھیان رکھا جائے، امت کی سطح پر زکوٰۃ کا ایک حصہ ہی اس مد پر صرف ہو، جس سے کہ مصارف زکوٰۃ کی فوری زکوٰۃ کے فوری تقاضے مجروح نہ ہوں۔

تملیک کے تعلق سے لکھتے ہیں: عام حالات میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک بہتر ہے، صورتِ مسئلہ میں استحساناً بالواسطہ تملیک کی شرط پوری ہو جاتی ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے صورتِ مسئلہ کو جائز قرار دیا ہے، اسباب جواز میں فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی، ان کو کام سے لگانا وغیرہ کو ذکر کیا ہے، اور تملیک کے تعلق سے لکھا ہے: زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط یوں پوری ہوگی کہ مسلم تنظیم کو یا ایک دیندار شخص کو ان فقراء کا وکیل بنا دیا جائے، وہ زکوٰۃ کی رقوم کو اپنے قبضہ میں لے کر ان فقراء کے لئے صورتِ مذکورہ کو انجام دے، چونکہ وکیل کا قبضہ شرعاً موکل کا قبضہ متصور ہوتا ہے۔

اموال زکوٰۃ کے استثمار کو ناجائز قرار دینے والے تمام ہی حضرات نے یہ بات لکھی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحق زکوٰۃ یا اس کے وکیل و نائب کو مالک بنانا ضروری ہے، اور استثمار میں تملیک مستحق نہیں پائی جاتی، اس لئے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، ان میں سے کچھ حضرات نے تملیک کے شرط اور لازم ہونے پر کتاب و سنت، اجماع امت، تعامل عہد نبوی و عہد خلافت نبوی سے تفصیلی دلائل پیش کئے ہیں، ان دلائل کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کچھ دیر بعد کیا جائے گا، سردست عدم جواز کے دوسرے دلائل و اسباب پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱- زکوٰۃ کی رقوم سے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنے میں اموال زکوٰۃ کی بہت بڑی مقدار محبوس ہو جائے گی، اور براہ راست زکوٰۃ کے مستحقین تک نہیں پہنچے گی، حالانکہ شریعت کو یہ بات مطلوب ہے کہ زکوٰۃ کے اموال جس قدر ممکن ہو ان کے مستحقین تک پہنچائے جائیں، اموال زکوٰۃ کو روکے نہ رکھا جائے، خود رسول اکرم ﷺ مال زکوٰۃ کو لا روکنا پسند نہیں فرماتے تھے، حتیٰ کہ آپ کو ایک رات بھی مال زکوٰۃ روکنا گوارا نہیں تھا، بخاری کی روایت ہے:

”عن عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ قال: صلی بنا النبی ﷺ العصر فأسرع ثم دخل البيت، فلم يلبث أن خرج فقلت أو قيل له، فقال: كنت خلفت في البيت تبراً من الصدقة فكرهت أن أبيتہ فقسمتہ“ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب من أحب تعجيل الزکوٰۃ)۔

اسی لئے ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو الحسن کرنی نے فی الفور ادائیگی زکوٰۃ کی شرط لگائی ہے، جو استثمار کی صورت میں بہر حال نہیں پائی جاتی، ائمہ احناف نے اگرچہ زکوٰۃ کو واجب علی التراخی قرار دیا ہے، لیکن انہوں نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ مستحقین تک زکوٰۃ پہنچانے میں تاخیر نہ کی جائے۔

”فتاویٰ ہندیہ“ میں ہے:

”والواجب علی الأئمة أن يوصلوا الحقوق إلى أربابها ولا يحبسونها عنهم“ (فتاویٰ ہندیہ ۹۱/۱)۔

(ائمہ پر واجب ہے کہ حقوق اصحاب حقوق کو پہنچائیں اور اصحاب حقوق سے حقوق نہ روک رکھیں)۔

اور استثمار کی شکل میں ظاہر بات ہے کہ زکوٰۃ کا اصل سرمایہ محبوس ہو جائے گا، اور جب امام اور اس کے اعوان کے لئے ان رقوم کا جس جائز نہیں، حالانکہ وہ مستحقین کے نائب ہوتے ہیں اور زکوٰۃ ان کو دے دینے سے بالاتفاق ادا ہو جاتی ہے تو غیر امام کو بدرجہ اولیٰ جس زکوٰۃ کی اجازت نہ ہوگی۔

۲- زکوٰۃ کا مال اس طور پر صرف کرنا ضروری ہے کہ لازمی طور پر وہ مال مصارف زکوٰۃ میں صرف ہو جائے، اموال زکوٰۃ سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنے میں اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کلی یا جزوی طور پر مصارف زکوٰۃ میں صرف ہی نہ ہو سکے، کیونکہ اگر یہ کام امانت دار اور تجربہ کار ہاتھوں سے انجام پائے تو بھی کارخانہ اور فیکٹری میں اس کا امکان تو

بہر حال ہے کہ فیکٹری خسارے میں چلی جائے، نجی اور شخصی کارخانوں اور فیکٹریوں کو بھی یہ صورت حال پیش آتی رہتی ہے تو اموالِ زکوٰۃ سے قائم ہونے والے کارخانوں میں ایسی صورت حال کا پیش آنا زیادہ قرین قیاس ہے، اس طرح زکوٰۃ کی بڑی بڑی رقمیں مستحقین زکوٰۃ تک نہیں پہنچ پائیں گی۔

استثمار کو ناجائز قرار دینے والے بعض حضرات نے سدذرائع کے اصول کے تحت بھی استثمار کو ناجائز قرار دینے کی بات کہی ہے، لکھتے ہیں: موجودہ حالات میں جبکہ اوقاف کی حالت خود بدتر ہے، سرمایہ کاری کے نام پر چلنے والے مسلم ادارے ناکام اور کرپٹ قرار پانے لگے ہیں، اور اس طرح کا عمدہ تصور اپنا وقار کھو چکا ہے، مسلمانوں کی اخلاقی حالت تشویش ناک ہے، سرمایہ دارانہ ذہنیت مذہبی تقدس کو داؤ پر لگائے ہوئے ہے، قاعدہ ”مسد الذرائع“ اور قاعدہ ”دفع الضرر اولیٰ من جلب المنافع“ کے تحت ضروری ہے کہ اس خیال کو فتویٰ شرعی کی تائید حاصل نہ ہو۔

ورنہ اندیشہ ہے کہ غلط قسم کے لوگ اس سے غلط فائدہ اٹھائیں گے، زکوٰۃ کے استثمار کے نام سے اسکیمیں آئیں گی، لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اور بالآخر غریب لوگ اس سے محروم ہی رہ جائیں گے۔

لزوم تملیک کے دلائل:

جمہور فقہاء نے ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک کے ضروری ہونے کے بہت سے دلائل ذکر کئے ہیں، انہیں دلائل کا اعادہ استثمار کو ناجائز قرار دینے والے اکثر مقالہ نگاروں نے کیا ہے، چند اہم دلائل کو مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے:

۱- قرآن کریم کی متعدد آیات میں ادائیگی زکوٰۃ کا حکم لفظ ”اتاء“ کے ساتھ دیا گیا ہے، ارشاد ہے: ”أَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ“ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو)۔

امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

”والإيتاء الإعطاء وخص وضع الصدقة في القرآن بالإيتاء۔“

(ایتاء کا معنی اعطاء (دینا) ہے، قرآن میں زکوٰۃ کی ادائیگی کو خاص طور پر ایتاء سے

تعبیر کیا ہے)۔

قرآن کے بے شمار استعمالات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب ایتاء کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت چیز سے ہو تو اس سے مالک بنا نامراد ہوتا ہے، الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی واضح قرینہ موجود ہو، چند آیات ملاحظہ ہوں:

”ومنهم من عاهد الله لئن آتانا من فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين، فلما آتاهم من فضله بخلوا به وتولوا وهم معرضون“ (توبہ/۷۵، ۷۶)۔

”ياأيها النبي إنا أحللتنا لك أزواجك التي آتيت أجورهن“ (سورہ

احزاب/۵۰، نیز ملاحظہ ہو: بقرہ/۲۲۹، نساء/۳، نور/۳۳، نمل/۳۶)۔

امام کاسانی ”بدائع الصنائع“ میں لکھتے ہیں:

”وقد أمر الله تعالى الملاك بإيتاء الزكاة لقوله تعالى ”وآتوا

الزكاة“ والإيتاء، هو التملك“ (بدائع الصنائع/۳۹۲)۔

۲۔ اللہ تعالیٰ مصارف زکوٰۃ کی تحدید فرماتے ہیں: ”إنما الصدقات للفقراء

الغنى“، (سورہ توبہ: ۶۰) اور صدقہ تملیک ہے، ابن ہمام لکھتے ہیں: ”التملیک هو الرکن فإن

الله تعالى سماها صدقة وحقيقة الصدقة تملیک المال من الفقير“ (فتح القدیر)۔

ابو بکر صاص رازی اور سرخسی نے بھی اسی طرح کی صراحتیں کی ہیں۔

ادائیگی زکوٰۃ میں مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانے کے لزوم پر کتاب و سنت کے اہم دلائل کو

علامہ ابو بکر کاسانی صاحب ”بدائع الصنائع“ بڑے اختصار کے ساتھ یکجا کرتے ہیں، موصوف

لکھتے ہیں:

”وَأَمَّا رُكْنُ الزَّكَاةِ فَرُكْنُ الزَّكَاةِ هُوَ إِخْرَاجُ جُزْءٍ مِنَ النَّصَابِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَتَسْلِيمُهُ ذَلِكَ إِلَيْهِ، يَقْطَعُ الْمَالِكُ يَدَهُ عَنْهُ بِتَمْلِيكِهِ مِنَ الْفَقِيرِ، وَتَسْلِيمُهُ إِلَيْهِ أَوْ إِلَى يَدٍ مِنْهُ نَائِبٍ عَنْهُ وَهُوَ الْمَصْدُوقُ، وَالْمَلِكُ يَثْبِتُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَصَاحِبَ الْمَالِ نَائِبًا عَنِ اللَّهِ تَعَالَى فِي التَّمْلِيكِ وَالتَّسْلِيمِ إِلَى الْفَقِيرِ، وَالِدَلِيلُ عَلَى ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ، وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ: الصَّدَقَةُ تَقَعُ فِي يَدِ الرَّحْمَنِ قَبْلَ أَنْ تَقَعُ فِي يَدِ الْفَقِيرِ“ وَقَدْ أَمَرَ اللَّهُ الْمَلَائِكَةَ بِإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ”وَأَتُوا الزَّكَاةَ“ وَالْإِيْتَاءُ هُوَ التَّمْلِيكُ، وَلِذَا سَمَى اللَّهُ تَعَالَى الزَّكَاةَ صَدَقَةً بِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ ”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ“ وَالتَّصَدَّقُ تَمْلِيكُ، فَيَصِيرُ الْمَالِكُ مَخْرُجًا قَدْرَ الزَّكَاةِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِمَقْتَضَى التَّمْلِيكِ سَابِقًا عَلَيْهِ، وَلِأَنَّ الزَّكَاةَ عِبَادَةٌ عَلَى أَصْلَانَا وَالْعِبَادَةُ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ بِكَلِيَّتِهِ لِلَّهِ تَعَالَى وَذَلِكَ فِيمَا قُلْنَا: إِنْ عِنْدَ التَّسْلِيمِ إِلَى الْفَقِيرِ تَنْقَطِعُ نِسْبَةُ قَدْرِ الزَّكَاةِ عَنْهُ بِالْكَلِيَّةِ وَتَصِيرُ خَالِصَةً لِلَّهِ تَعَالَى، وَيَكُونُ مَعْنَى الْقُرْبَةِ فِي الْإِخْرَاجِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِإِبْطَالِ مَلِكِهِ عَنْهُ لَا فِي التَّمْلِيكِ مِنَ الْفَقِيرِ، بَلِ التَّمْلِيكُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْحَقِيقَةِ، وَصَاحِبُ الْمَالِ نَائِبٌ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى“ (بدائع الصنائع ۳۹۷۲)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الْخ“ (سورۃ توبہ: ۶۰) دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ”وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلْمَسْكِينِ وَالمَحْرُومِ“ (سورۃ ذاریات: ۱۹) اور لام براہ راست (جیسا کہ شافعیہ کا خیال ہے کہ وہ اسے لام تملیک مانتے ہیں) یا بالواسطہ (جیسا کہ مالکیہ کا خیال ہے کہ لام حیرت ہے، یا احناف کا خیال ہے کہ لام عاقبت ہے) تملیک کا فائدہ

دیتا ہے، یعنی انجام کار مقبوض ملک فقیر بن جاتا ہے، خصوصاً ”إنما الصدقات للفقراء“ میں حصر اور قصر کے معنی نے تسلیم کو مزید پختہ کر دیا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تسلیم کے ضروری ہونے کی ایک قوی دلیل حضرت معاذ بن جبل سے مروی وہ حدیث ہے جس کو شہرت و استفاضہ کا مقام حاصل ہے، بخاری سمیت تمام کتب حدیث میں وہ حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ پائی جاتی ہے، رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

”إنک تأتي قوما من أهل الكتاب فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، فإن هم أطاعوك لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في اليوم والليلة، فإن هم أطاعوك لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنياءهم فترد على فقراءهم...“ (صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب اول، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا...)۔

تسلیم کے تعلق سے اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صدقہ فخر (زکوٰۃ) کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اغنیاء سے اس کا ”اخذ“ (لینا) ہوگا، اور فقراء پر اس کا ”رد“ (واپس کرنا) دینا ہوگا، ”اخذ“ اور ”رد“ دونوں مقابل الفاظ ہیں، اغنیاء سے جس چیز کا اخذ ہوگا فقراء پر اسی کا رد ہوگا، ظاہر ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے میں اغنیاء سے صرف مال زکوٰۃ کے منافع نہیں لئے جاتے، بلکہ اس کی ملکیت بھی لی جاتی ہے، لہذا فقراء پر رد صرف منافع کا نہیں، بلکہ ملکیت کا بھی ہوگا، یعنی فقراء کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے گا، جس پر فقہاء نے زور دیا ہے۔

”اخذ و رد“ کا یہ عمل اسلامی حکومت کرے گی اور اس کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کے ارباب حل و عقد کر سکتے ہیں، اخذ و رد کے اس عمل میں اسلامی حکومت ایک واسطہ کا کام دیتی ہے، حکومت کو یہ اختیار نہیں کہ فقراء کی طرف ملکیت منتقل کرنے کے بجائے مال زکوٰۃ پر اپنی ملکیت قائم کرے اور فقراء کو صرف اس کے منافع سے بہرہ ور کرے، کیونکہ ایسی صورت میں اس نے

اغنیاء سے جس چیز کا اخذ کیا اسے فقراء کی طرف واپس نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر آخری صدیوں تک زکوٰۃ کی ادائیگی اور تقسیم کا یہی طریقہ رائج تھا، زکوٰۃ فقراء، مساکین اور دوسرے مستحقین کو بہ طور ملکیت دے دی جاتی تھی، تاریخ اسلام میں ایک نظیر بھی ایسی نہیں ملتی کہ زکوٰۃ کو فقراء میں تقسیم کرنے کے بجائے کسی ایسی رفاہی اور فلاحی اسکیم میں لگائی گئی ہو جس کا نفع فقراء کو پہنچتا ہو اور ملکیت ان کی طرف منتقل نہ ہوتی ہو، یا اموال زکوٰۃ کا استثمار کر کے اس کا نفع مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا گیا ہو۔

اموال زکوٰۃ کے استثمار کو ناجائز قرار دینے والے حضرات نے لزوم تملیک کے اوپر ذکر کردہ دلائل کے علاوہ مختلف فقہی مسالک سے تعلق رکھنے والے فقہاء کی تصریحات بھی لزوم تملیک کے لئے پیش کی ہیں اور یہ غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ تملیک کی شرط صرف فقہاء احناف کے یہاں ہے، دوسرے مسالک کے فقہاء کے یہاں نہیں ہے، ان میں سے چند غیر حنفی فقہاء کی تصریحات نقل کی جاتی ہیں۔

امام نووی شافعی ”المجموع شرح المہذب“ میں زکوٰۃ کے پانچویں مصرف ”فہی الرقاب“ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قال الشافعي والأصحاب: يصرف سهم الرقاب إلى المكاتبين، هذا مذهبنا، وبه قال أكثر العلماء... واحتج أصحابنا بأن قوله عز وجل: (وفي الرقاب) كقوله تبارك وتعالى: (وفي سبيل الله) وهناك يجب الدفع إلى المجاهدين، فكذا يجب هنا الدفع إلى الرقاب، ولا يكون دفعاً إليهم إلا على مذهبنا. وأما من قال يشتري به عبيد فليس بدفع إليهم، وإنما هو دفع إلى ساداتهم، ولأن في جميع الأحناف يسلم السهم إلى المستحق وبملكه إياه، فينبغي هنا أن يكون لذلك، لأن الشرع لم يخصهم بقيد يخالف غيرهم“
(المجموع شرح المہذب ۱۳۶/۶)۔

مشہور حنبلی فقیہ علامہ شمس الدین مقدسی (محمد بن صالح ۷۸۳ھ) ”کتاب الفروع“ میں لکھتے ہیں:

”ويشترط في إخراج الزكوة تملك المعطي فلا يجوز أن يغدي الفقراء والمساكين ويعشيهم ولا يقضى منها دين ميت غرمة لمصلحة نفسه أو غيره، حكاه أبو عبيد وابن عبد البر لعدم أهليته لقبولها كما لو كفتها منها“ (کتاب الفرد ۶۱۹/۲)۔

اسی طرح کی صراحت صاحب ”کشاف القناع“ علامہ بہوتی حنبلی نے بھی کی ہے۔
حافظ ابن رجب حنبلی فی اور زکوٰۃ کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وأيضاً فالزكوة يعتبر فيها المستحق ولا يجوز صرفها إلى من لا يملك، بخلاف مال الفئ، فإنه يصرف في المصالح العامة كسد البشوق وكري الأتهار وعماراة القناطر“ (الاستخراج لاحكام الخراج ص ۱۱۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے دلائل، عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ وغیرہ کے مسلسل تعامل اور مختلف مسالک کے فقہاء کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ کے مستحقین (خصوصاً ابتدائی چار مصارف) کو مالک بنائے بغیر زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی، اور سوال نامہ میں درج استثمار کی صورت میں مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا نہیں پایا جا رہا ہے، اس لئے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

سوال نامہ میں درج استثمار کی صورت کو جائز قرار دینے والے حضرات نے جو دلائل و اسباب بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱- اموال زکوٰۃ کے استثمار کو جائز قرار دینے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ فکر و تصور ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک مستحق لازم ہے اور استثمار میں تملیک نہیں پائی جا رہی ہے، جبکہ تملیک کا رکن یا شرط ہونا خود محل نظر ہے، اس کے دلائل مندرجہ ہیں، کیا ضروری ہے کہ ”إنما

الصدقات للفقراء والمساكين“ میں لام کو تملیک ہی کے لئے مانا جائے، اسے اختصاص یا انتفاع کے لئے کیوں نہ مانا جائے؟

۲- ادائیگی زکوٰۃ کے واسطے تملیک لازم نہ ہونے پر مولانا اسرار الحق سیلی نے امام نووی کی اس عبارت سے بھی استدلال کیا ہے:

”الإمام بالخيار إن شاء سلم الفرس والسلاح والآلات إلى الغازي أو ثمن ذلك تملكاً له، فيملكه وإن شاء استاجر ذلك له وإن شاء اشترى من سهم سبيل الله سبحانه وتعالى افراساً وآلات الحرب وجعلها وقفاً في سبيل الله ويعطيهم عند الحاجة ما يحتاجون إليه، ثم يردونه إذا انقضت حاجتهم“ (المجموع شرح المہذب ۲۱۳/۶-۲۱۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک تملیک شخصی کی اہمیت نہیں ہے، علامہ جزیری کی ”فقہ علی المذاهب الاربعہ“ کے حوالہ سے مالکیہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔

۳- اگر تملیک ضروری ہی قرار دی جائے تو کیا ضروری ہے کہ تملیک شخصی اور انفرادی ہی ہو، سلطان یا اس کے عامل کی طرف سے یا ارباب حل و عقد کے متعین کردہ مخلصین کی طرف سے قبضہ کرنا تملیک ہو جانا چاہئے، کیونکہ یہ لوگ فقراء کے نائب اور نمائندے ہیں، ان کا قبضہ مستحقین زکوٰۃ کا قبضہ ہے، اس طرح تملیک کا تقاضا پورا ہو گیا۔

۴- بعض حضرات نے استثمار کے جواز پر خلافت راشدہ کے دور کے بعض ایسے واقعات سے استدلال کیا ہے کہ بعض لوگوں کو بیت المال سے کچھ رقم بہ طور قرض تجارت وغیرہ کرنے کے لئے دی گئی، مولانا محمد اعظمی مونی نے بخاری کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے:

”إن عائشة قالت لما استخلف أبو بكر الصديق قال: لقد علم قومي إن حرفتي لم تكن تعجز عن مؤنة أهلي وشغلت بأمر المسلمين فسيأكل آل أبي بكر من هذا المال ويحترف للمسلمين فيه“ (صحیح بخاری ۲۷۸/۱)۔

استدلال اس طرح کیا ہے: اس حدیث میں ”مکترف“ کا لفظ بہت جامع ہے جو بیت المال کو کثیر المنافع اور زیادہ بار آور بنانے کے لئے اضافہ زکوٰۃ کی تدبیر، تجارت، حرفت، صنعت، زراعت اور دوسرے ذرائع استعمال کرنے پر دلیل صریح ہے۔

استدلال کرنے والے نے ”مکترف للمسلمین“ کا مفہوم ابن حجر کے حوالہ سے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بیت المال کا مال لوگوں کو تجارت کرنے کے لئے دیتے تھے اور اس کا نفع مسلمانوں پر صرف کرتے تھے، اور بیت المال کا ایک بڑا ذریعہ آمدنی زکوٰۃ کے اموال تھے وہ بھی تجارت میں لگاتے ہوں گے۔

۵۔ بعض حضرات نے اس حدیث نبوی سے استدلال کیا ہے:

”إن النبي خطب الناس فقال: ألا من ولي يتيماً له مال فليتجر فيه ولا يترکہ حتى تأكله الصدقة“ (سنن الترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب ما جاء فی زکوٰۃ مال الیتیم)۔

طرز استدلال یہ ہے: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی بے سہارا کے پاس اگر سرمایہ چھوڑ دیا جائے تو وہ چند دنوں میں اسے ختم کر کے پھر دست سوال دراز کرے گا، اگر اس کے موجودہ مال کو تجارت میں لگا دیا جائے تو یہ اس کے لئے مستقل روزگار کا ذریعہ بن جائے گا، مسکینوں کے اموال زکوٰۃ میں تجارت کرنے سے بھی ان کے لئے مستقل روزگار کا ذریعہ بن جائے گا اور ان کی مالی حالت بہتر ہو جائے گی۔

اس حدیث سے استدلال مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا اسرار الحق سیلی نے کیا ہے۔

ترجیح:

اموال زکوٰۃ کے استثمار کو ناجائز اور جائز قرار دینے والوں کے دلائل کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے بعد عرض ہے کہ میرے نزدیک ناجائز قرار دینے والوں کے دلائل کا وزن بہت زیادہ ہے، یہ واقعہ ہے کہ استثمار کی صورت میں مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانے کی شرط جو ایک متفق علیہ اور بنیادی شرط ہے، پوری نہیں ہوگی، اموال زکوٰۃ کا مستحقین زکوٰۃ سے جس لازم

آئے گا، اس بات کا قوی اندیشہ ہوگا کہ استثمار کردہ مال زکوٰۃ کئی یا جزئی طور پر ہلاک ہو جائے، اسے نقصان لاحق ہو جائے اور وہ مال مستحقین تک نہ پہنچ سکے، اس دور میں جبکہ مسلمان اجتماعیت کھوتے جا رہے ہیں اور دیانت و تقویٰ کا فقدان ہوتا جا رہا ہے اس بات کا پورا خطرہ ہے کہ استثمار کو جائز قرار دینے کی صورت میں بہت سے ”حوصلہ مند افراد“ مستحقین زکوٰۃ کی فلاح و بہبود کے نام پر استثمار کی خوبصورت اسکیمیں تیار کریں اور مسلمان اہل ثروت کو اپنی طرف مائل کر لیں، اس طرح اموال زکوٰۃ کا ایک بڑا حصہ فقراء و مساکین کے فقر و مسکنت کا مداوا بننے کے بجائے اہل ثروت کی تجوریاں بھر دے اور اس کے ذریعہ وہ لوگ اپنا کاروبار چکانے کی کوشش کریں۔

اس ترجیح کے بعد استثمار کو جائز قرار دینے والوں کے دلائل کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۲،۱۔ دلیل نمبر ۱، ۲ کا حاصل یہ ہے کہ تملیک کا ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط ہونا محل نظر ہے، کیونکہ کیا ضروری ہے کہ ”إنما الصدقات للفقراء و المساکین“ میں لام کو ملک کے لئے مانا جائے، اسے انتفاع یا اختصاص کے لئے بھی مانا جاسکتا ہے، پھر فقہاء شافعیہ اور مالکیہ کی بعض تصریحات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا ضروری نہیں ہے۔

ان دونوں استدلالوں کا جواب یہ ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک کے لازم ہونے کی بنیاد صرف ”إنما الصدقات للفقراء“ کے ”لام“ پر نہیں ہے، بلکہ تملیک لازم ہونے کے بہت سے دلائل ہیں، اسی لئے وہ فقہاء بھی تملیک ضروری قرار دیتے ہیں جو ”إنما الصدقات للفقراء...“ میں لام کو ملک کے لئے نہیں مانتے (مثلاً حنفیہ مالکیہ)، تملیک کے دلائل کتاب و سنت وغیرہ سے گزر چکے ہیں۔

جہاں تک ”فی سبیل اللہ“ کے حصہ کے بارے میں مالکیہ اور شافعیہ کی بعض عبارتوں کا

مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں عرض ہیں:

۱- تمام مسالک کے فقہاء کی عبارتیں تملیک کے ضروری ہونے کے بارے میں گزر چکی ہیں، خصوصاً اولین چار مصارفِ زکوٰۃ (فقراء، مساکین، عاملین، مولفہ قلوب) کے بارے میں فقہاء اسلام کے یہاں کوئی ایسی عبارت اور صراحت نہیں ملتی جو لزومِ تملیک کے نظریہ سے ٹکراتی ہو، اسی لئے ڈاکٹر یوسف القرضاوی بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدائی چار مصارف میں تملیک کے لزوم پر اتفاق ہے۔

اور اموالِ زکوٰۃ کے استثماری گفتگو خصوصاً فقراء اور مساکین کے تعلق سے کی جا رہی ہے جن کے حصوں میں تملیک کا لزوم متفق علیہ ہے۔

۲- آخری چار مصارف جن کا ذکر ”فی“ کے ساتھ ہے، ان کے بارے میں حنفیہ اور باقی تینوں مسالک کے فقہاء کے نقطہ نظر میں ایک بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ ان چاروں مصارف (رقاب، غارمین، سمیل اللہ، ابن السبیل) کو بھی حنفیہ ابتدائی چار مصارف کی طرح قرار دیتے ہوئے یہ نقطہ نظر رکھتے ہیں کہ جس طرح فقراء، مساکین کو زکوٰۃ کا مال دے دینے سے زکوٰۃ کی ادا ہو جاتی ہے، خواہ فقراء اس مال کو کسی بھی طرح خرچ کریں، فقراء اس مال کے پورے طور پر مالک ہو جاتے ہیں، ان سے وہ مال کسی حال میں واپس نہیں لیا جائے گا، اسی طرح مکاتب، مقروض، مجاہد اور مسافر کو زکوٰۃ کا جو مال دے دیا گیا، یہ لوگ اس کے پورے مالک ہو جاتے ہیں، جہاں چاہیں اس کو صرف کر سکتے ہیں، اگر ان لوگوں نے زکوٰۃ کا مال بدل کتابت، قرض کی ادائیگی، جہاد اور سفر کے اخراجات میں صرف نہیں کیا تو بھی زکوٰۃ کی ادا ہو جائے گی اور ان سے زکوٰۃ کا مال واپس نہیں لیا جائے گا۔

اس کے برخلاف مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک آخری چار مصارف کو زکوٰۃ کا مال کامل مالکانہ اختیارات کے ساتھ نہیں دیا جاتا کہ وہ لوگ اس مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، بلکہ خاص کاموں کے لئے زکوٰۃ کی رقم ان کو دی جاتی ہے، مکاتب کو بدل کتابت کی

ادائیگی کے لئے، مقروض کو قرض ادا کرنے کے لئے، مجاہد اور مسافر کو جہاد اور سفر کے اخراجات کے لئے، لہذا اگر ان چاروں مصارف کے لوگوں نے زکوٰۃ کا مال اس کام میں صرف نہیں کیا جس کے لئے انہیں وہ مال دیا گیا تو انہیں زکوٰۃ کا مال واپس کرنا ہوگا، اس نقطہ نظر کی تعبیر بعض فقہاء نے غیر مستحکم ملکیت سے کی ہے، اور بعض نے اس کی تعبیر یوں کی ہے کہ آخر کے چار مصارف کو مالک نہیں بنایا گیا ہے، بلکہ انہیں ان کے ایک خاص کام کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا گیا ہے۔

منصور بن یونس بہوتی حنبلی ”کشاف القناع“ میں لکھتے ہیں:

”قاعدة المذهب كما ذكره المجد وتبعه في الفروع وغيره أن من أخذ بسبب يستقر الأخذ به وهو الفقر والمسكنة والعمالة والتألف صرفه فيما شاء كسائر ماله، لأن الله تعالى أضاف إليهم الزكوة بلام الملك، وإن لم يستقر الأخذ بذلك السبب صرفه أي المأخوذ فيما أخذه له خاصة لعدم ثبوت ملكه عليه من كل وجه، وإنما يملكه مرعاً فإن صرفه في الجهة التي استحق الأخذ بها، وإلا استرجع منه، كالذي يأخذه المكاتب والغارم والغازي وابن السبيل“ (كشاف القناع ۲/۲۸۲)۔

تفسیر کشاف کے مشہور ناقد، بلند پایہ مالکی عالم احمد بن محمد بن منصور اسکندری (متوفی ۶۸۳ھ) معروف بہ ابن الممیر ”الانتصاف من الکشاف“ میں آخری چار مصارف پر ”لام“ کے بجائے ”فی“ داخل کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وتم سر آخر وهو أظهر وأقرب، وذلك، أن الأوصاف الأربعة الأوائل ملاك لما عساه يدفع إليهم، وإنما يأخذونه ملكا، فكان دخول اللام لاحقا بهم، وأما الأربعة الأواخر فلا يملكون ما يصرف نحوهم بل لا يصرف إليهم ولكن في مصالح تتعلق بهم“ (الانتصاف من الكشاف برحاشية كشاف ۲/۱۵۸، ۱۵۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں ملکیت یا ملکیت تامہ لازم نہ ہونے کا اگر کچھ تصور

ہے تو وہ آخری چار مصارف میں ہے، پہلے چار مصارف میں تملیک لازم ہونے پر تمام فقہاء متفق ہیں۔

پھر ساتویں مصرف ”فی سبیل اللہ“ کے بارے میں یہ جو رائے نقل کی گئی ہے کہ امام المسلمین کو یہ بھی اختیار ہے کہ اس مد سے جہاد کے آلات خرید لے اور مجاہدین کو ان کا مالک نہ بنائے، بلکہ انہیں استعمال کے لئے دے، پھر ان آلات کو واپس لے لے، یہ اور اس طرح کی چیزیں فقہ شافعی اور فقہ مالکی کی راجح اور طے شدہ رائے نہیں ہے، امام نووی جن کی عبارت کا حوالہ اس سلسلہ میں دیا جاتا ہے، ان کی صراحت پہلے گزر چکی ہے کہ تمام مصارف میں مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا اور زکوٰۃ ان مصارف کے حوالہ کرنا ضروری ہے، نووی کی جو عبارت مولانا اسرار الحق سیلی نے پیش کی ہے اس میں انہوں نے اپنی رائے اور ترجیح ذکر نہیں کی ہے، بلکہ مشائخ خراسان کے حوالہ سے وہ بات نقل کی ہے۔

فقہ مالکی میں بھی وہ ایک قول ہے، ابن عبدالحکم کی رائے ہے کہ فقہ مالکی کا مذہب مختار نہیں، جیسا کہ علامہ قرانی مالکی کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے۔

”الصف السابع سبیل اللہ تعالیٰ، وفي الجواهر هو الجهاد دون الحج، خلافا لابن حنبل ... قال ابن عبد الحكم: ويشترى الإمام منها المساحي والجمال والمراكب وكراء النواتية للغزو، وكذلك الجواسيس وإن كانوا نصارى، ويبني منها حصن على المسلمين ويصالح منها العدو، وقال أبو طاهر: في ذلك قولان: المشهور، المنع؛ لأنهم فهموا من السبيل الجهاد نفسه“ (الذخيرة للقرآني ۱۳۸/۳)۔

۳۔ استعمار کو جائز قرار دینے والوں کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر تملیک کو لازم بھی مان لیا جائے تو سلطان یا اس کے عامل یا ارباب حل و عقد کے متعین کردہ محصلین کی طرف سے قبضہ کر لینے سے تملیک کا تقاضا پورا ہو گیا، کیونکہ یہ لوگ فقراء کے نائب اور نمائندے ہیں، ان کا

قبضہ مستحقین زکوٰۃ کا قبضہ ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ سلطان یا اس کے عامل کو شریعت نے اسی حد تک مستحقین زکوٰۃ کا نائب مانا ہے کہ انہیں زکوٰۃ حوالہ کر دینے سے زکوٰۃ نکالنے والے کا ذمہ فارغ ہو چکا، اب اسے یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ میری دی ہوئی زکوٰۃ کہاں خرچ کی گئی، مصرف میں لگائی گئی یا نہیں، سلطان یا عامل صدقہ کے نائب ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب تملیک کا تقاضا پورا ہو گیا، حکومت کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مال حوالہ کر کے انہیں اس کا مالک بنا دے، بلکہ وہ حاصل کردہ اموال زکوٰۃ کو جس طرح چاہے مستحقین زکوٰۃ کے مفاد میں استعمال کرے، ان کی فلاح و بہبود کے منصوبے بنائے۔

آیت مصارف (سورہ توبہ ۶۰) کی اولین مخاطب اسلامی حکومت ہے کہ وہ اموال زکوٰۃ کن مصارف پر صرف کرے اور کیسے صرف کرے، بہت سے حضرات نے اس آیت سے تملیک کا تصور لیا ہے تو گویا زکوٰۃ کو تملیک کا صرف کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، نیز حدیث معاذؓ میں ”اخذ“ و ”رد“ کا عمل جس کا تعلق اصلاً اسلامی حکومت سے ہے، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حکومت نے اغنیاء سے جو ملکیت لی ہے اسے فقراء کے حوالہ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

فقہاء کی صراحتیں تو اس بارے میں بے شمار ہیں کہ حکومت زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد جب مستحقین پر اس کی تقسیم کرے گی تو اس کے لئے ضروری ہے کہ فقراء و مساکین وغیرہ کو اس کا مالک بنا دے تاکہ وہ لوگ اپنی ضرورت اور منشاء کے مطابق اسے صرف کر سکیں۔

۴۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مولانا عبدالعظیم اصلاحی نے استعمار کے جواز پر عہد خلافت راشدہ کے بعض ایسے واقعات سے استدلال کیا جن میں بیت المال سے کوئی رقم بہ طور قرض تجارت کرنے کے لئے دی گئی، مثلاً مولانا سلطان اصلاحی نے طبری اور ابن اثیر کے حوالہ سے یہ روایت درج کی: ”إن هند بنت عتبة قامت إلى عمر بن الخطاب، فاستقرضته من بيت المال أربعة آلاف درهم تتجر فيها وتضمنها فاقترضها“۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بیت المال کے لئے مدینہ منورہ کوئی رقم بھیجی تھی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے دو فرزندوں کو اجازت دی کہ اسے مدینہ لے جاتے ہوئے راستہ میں اس سے تجارت کر سکتے ہیں، وہاں پہنچ کر جب انہوں نے صرف اصل رقم بیت المال میں جمع کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے پورا نفع بھی جمع کرنے کو کہا، اور آخر میں اس معاملہ کو مضاربہ قرار دے کر صرف آدھے نفع پر اکتفا کی۔

یہ استدلال کئی جہتوں سے مخدوش اور غیر مکمل ہے، ہند بنت عتبہ کا واقعہ بیت المال سے قرض لینے اور دینے کا ہے، تجارت اور استثمار کا نہیں ہے، روایت میں صراحت ہے کہ حضرت ہند بنت عتبہ کو قرض کے طور پر مال دیا گیا ہے کہ ان کی تجارت میں نفع ہو یا نقصان انہیں بیت المال کی پوری رقم واپس کرنی ہوگی، پھر روایت میں ایسی بھی کوئی صراحت یا دلالت نہیں ہے کہ وہ قرض زکوٰۃ کے مال میں سے دیا گیا، اسلام کے مالیاتی نظام پر لکھی کتابوں اور فقہ کی مبسوط کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال کی آمدنی کے چار بڑے ذرائع تھے: (۱) خمس، (۲) زکوٰۃ و عشر، (۳) خراج وغیرہ، (۴) الضوائع۔

ان مدات سے حاصل ہونے والے اموال کا الگ الگ حساب و کتاب ہوتا تھا، ان کے مصارف بھی متعین تھے، ایسا نہیں تھا کہ بیت المال کے تمام مدات کی آمدنی کو ایک دوسرے میں خلط ملط کر دیا جاتا ہو، ہر ایک کا علیحدہ حساب و کتاب نہ رہتا ہو، اس لئے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی کو بیت المال سے کچھ مال دیا گیا تو ہم یقین کر لیں کہ اس میں زکوٰۃ کا مال ضرور شامل ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کا واقعہ بھی اصلاً قرض کا مسئلہ ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کے صاحبزادگان کو وہ رقم مضاربت پر نہیں دی، ورنہ یہ ضرور طے کرتے کہ نفع کی صورت میں کتنے فیصد نفع بیت المال کا ہوگا، اور یہ پابندی عائد نہ کرتے کہ بہر صورت پوری رقم (جو قرض لی ہے) بیت المال میں جمع کرنی ہوگی، حضرت عمرؓ کا نفع کا بھی

مطالبہ کرنا کسی عقد کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ اس لئے تھا کہ ان کے بیٹے بیت المال کی رقم سے اس طرح فائدہ نہ اٹھائیں، وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری پر خفا بھی ہوئے کہ انہوں نے ان دونوں کے میرے بیٹا ہونے کی بنا پر یہ مروت اور رعایت روارکھی ہے، یہ کوئی عقد مضاربت کا معاملہ نہیں تھا کہ اس سے استعمار کے مسئلہ پر استدلال کیا جائے، پھر جبکہ یہ ثبوت بھی نہ ہو کہ حضرت ابو موسیٰ نے یہ رقم زکوٰۃ کی مد سے دی، ہو سکتا ہے بلکہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ خراج یا خمس وغیرہ کی مد سے یہ رقم دی ہو۔

اسی طرح اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المال کی کچھ رقم تاجروں کو مضاربت کے طور پر دیتے تھے اور حاصل ہونے والے نفع کو بیت المال میں جمع کرتے تھے، تو اس سے بھی اموال زکوٰۃ کے استعمار کے جواز پر استدلال درست نہ ہوگا، کیونکہ بیت المال میں زکوٰۃ کے علاوہ خراج و جز یہ اور خمس وغیرہ کی رقمیں بڑی تعداد میں ہوتی تھیں، ہر مد کی آمدنی کا حساب الگ الگ رہتا تھا، اس لئے عین ممکن ہے کہ خراج وغیرہ کی آمدنی میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ عمل کیا ہو، کیونکہ خراج وغیرہ کی رقم میں خلیفہ المسلمین کے اختیارات کچھ زیادہ ہی وسیع ہیں۔

۵- حدیث نبوی: ”ألا من ولي يتيما له مال فليتجر فيه ولا يتركه حتى تاكله الصدقة“ سے استعمار باموال الزکوٰۃ کے جواز پر استدلال انتہائی کمزور ہے۔
اس حدیث کو اگر من و عن تسلیم کر لیا جائے اور اس کی سند اور معنی پر کوئی بحث و گفتگو نہ کی جائے تو بھی اس حدیث سے زیر بحث مسئلہ پر نہ استدلال درست ہوگا، نہ استنباس۔

یتیم چونکہ نابالغ اور ناتجربہ کار ہونے کی بنا پر اپنے مال میں مناسب تصرف کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لئے جس شخص کو اس کا وصی مقرر کیا گیا اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ یتیم کے مال کو خمد چھوڑنے کے بجائے اس میں افزائش اور نمو کی فکر کرے، زکوٰۃ کے مستحقین تو خود عاقل و بالغ افراد ہیں، وہ اپنے مفادات اور اپنی ضرورت کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں، لہذا زکوٰۃ

کے اموال ان کی ملکیت و تحویل میں دے دینا ہی ان کے مفاد میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ”استثمار باموال الزکوٰۃ“ کے جواز کے تمام دلائل مخدوش اور کمزور ہیں، اس کے مقابلہ میں عدم جواز کے دلائل قوی اور مضبوط ہیں، لہذا سوال نمبر ۱ میں درج استثمار کی صورت شرعاً ناجائز ہے۔

ہاں بعض مقالہ نگاروں نے استثمار کی بعض شکلیں تجویز کی ہیں، ان کے جواز پر غور کیا جاسکتا ہے، مثلاً مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی لکھتے ہیں: ”مستحقین زکوٰۃ کو معاشی اعتبار سے خود ملٹھی بنانے کے لئے یہ صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں:

(الف) کمپنی کے شیئرز بنائے جائیں اور ان شیئرز کا مالک مستحق زکوٰۃ کو بنا دیا جائے، اس طرح فقراء کو مالک بنانے کی شرط بھی پوری ہو جائے گی، ہر پارٹنر کو اس کے شیئرز کا نفع بھی ملتا رہے گا، اور اگر کمپنی کے کاروبار میں فقراء کو ملازم رکھا جائے تو ان کے لئے روزگار کے مواقع بھی پیدا ہو سکیں گے۔

(ب) زکوٰۃ کی حاصل شدہ رقم کسی ذمہ دار ادارہ کو متعین مدت کے لئے بطور قرض دی جائے، جو اس رقم کو واپس کرنے کا پابند ہو، یہ ادارہ کمپنی قائم کرے، اور اولاً اس کے نفع سے زکوٰۃ ادا کرے، پھر اس کو فقراء پر وقف کر دیا جائے کہ اس طرح اس کا نفع فقراء کو ملتا رہے گا، اور اگر اس میں مستحق زکوٰۃ اشخاص کو حسب صلاحیت ملازمت دی جائے تو روزگار کے اعتبار سے خود ملٹھی کرنے کا مقصد بھی حاصل ہوگا، یہ حل اس پس منظر میں ہے کہ فقہاء نے بیت المال کے ایک صندوق سے دوسرے صندوق کو قرض دینے کی اجازت دی ہے، زکوٰۃ کی رقم سے اس مقصد کے لئے قرض دینا اسی قبیل سے ہے۔“

مولانا راشد حسین ندوی لکھتے ہیں:

”البتہ جواز کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مال زکوٰۃ اور دوسری مدوں کے مشترکہ سرمایہ سے کارخانہ قائم کیا جائے، اس میں جتنا حصہ مال زکوٰۃ کا ہو اس کے مناسب مقدار میں

حصص کر کے مستحقین کو باقاعدہ ان کا مالک بنا دیا جائے۔“

اگر واقعہً استثماری ضرورت ہے اور مصالح اس کا تقاضا کرتے ہیں تو اس طرح کی متبادل اسکیموں پر غور و خوض کر کے انہیں قطعی شکل دی جاسکتی ہے۔

۲- سوال نامہ کا دوسرا سوال ہے۔

زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دیا جائے اور انہیں مکانات، دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام ہی حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوگی، حتیٰ کہ وہ حضرات بھی جنہوں نے سوال نمبر ۱ کے جواب میں استثماری کو جائز قرار دیا تھا، ان حضرات نے بھی اس صورت کو ناجائز کہا ہے، صرف دو حضرات نے جواز کی بات لکھی ہے: (۱) مولانا ابوالعاص وحیدی، (۲) مولانا قدرت اللہ باقوی۔

مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب کی دلیل یہ ہے: آیت ”انما الصدقات للفقراء“ میں ”لام“ تملیک کے لئے نہیں ہے، بلکہ منفعت کے لئے ہے۔ تو جب اموال زکوٰۃ مستحقین کی فلاح و بہبود میں خرچ ہو رہے ہیں اور یہی نظام زکوٰۃ کی اصل روح ہے، لہذا زکوٰۃ کی ادائیگی ہوگی۔ سوال نمبر ۱ کے تحت تملیک پر قدرے مفصل گفتگو کے بعد یہاں کسی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا ارشاد اعظمی صاحب نے اس صورت کو اس شرط کے ساتھ جائز کہا ہے کہ مکانات اور دوکانوں کی تعمیر زکوٰۃ دہندگان نہ کریں بلکہ اسلامی حکومت یا اس کام پر مامور اسلامی تنظیم کرے۔

سوال نمبر ۳:

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس میں اگر کوئی شرعی قباحت ہو تو اس کی وضاحت فرمائیں۔

اس صورت کو تقریباً تمام ہی حضرات نے جائز قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں تملیک (مالک بنانے) کی شرط پائی جا رہی ہے۔

بعض حضرات نے جواز کے لئے کچھ شرطیں لگائی ہیں، مولانا عطاء اللہ قاسمی لکھتے ہیں: ”بہ شرطیکہ مکانات یا دوکانوں کی مالیت مقدار نصاب کو نہ پہنچتی ہو“۔ مولانا کامل قاسمی کا کہنا ہے: ”اس مستحق کے لئے تعمیر کر کے دینا درست ہے جو مقروض نہ ہو یا اس کے ذمہ کوئی دوسری ذمہ داری نہ ہو“۔

صورت مسئلہ میں ہمیں دو جہتوں سے غور کرنا ہے: ایک جہت ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد) کے نقطہ نظر سے ہے، اور دوسری جہت حنفیہ کے نقطہ نظر سے، ائمہ ثلاثہ کے نقطہ نظر سے غور کرنے کا پہلو یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں اصل مذہب میں چند مواضع ضرورت کو چھوڑ کر اصل مال زکوٰۃ کو مستحقین کے حوالہ کرنا ضروری ہے، مال زکوٰۃ کی قیمت یا مالیت نکالنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور اموال زکوٰۃ سے مکان یا دوکان تعمیر کر کے فقیر کو دینے میں اصل مال زکوٰۃ کی حوالگی نہیں ہوگی، بلکہ اس کی مالیت کی سپردگی ہوگی، لہذا ائمہ ثلاثہ کے نقطہ نظر سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہونی چاہئے، لہذا یہ کہ بڑے شہروں میں رہائش کی بے پناہ دشواریوں کو دیکھتے ہوئے اسے مواضع ضرورت میں شامل کیا جائے۔

حنفیہ کے نقطہ نظر سے قابل غور بات یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نصاب زکوٰۃ سے زیادہ دینا مکروہ ہے، لیکن دے دینے سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

نصاب کی اقل مقدار دو سو درہم ہے، اور ظاہر ہے کہ اس دور میں ایک معمولی کمرے اور دوکان کی مالیت بھی دو سو درہم سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، اس لئے مکان یا دوکان دینے کی صورت میں یہ ظاہر کراہت ہو جانی چاہئے۔

لیکن فقہاء حنفیہ کی تعلیمات پر غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مکان یا دوکان دینا کراہت کی صورت سے خارج ہے، کیونکہ کراہت کی علت غنی اور صاحب نصاب بنا دینا ہے کہ اس کے لئے زکوٰۃ لینا حرام ہو جائے، اور مکان چونکہ حوائج اصلیہ میں سے ہے، اس لئے اس کے ملنے سے انسان غنی اور صاحب نصاب نہیں ہوا، جس طرح ایک ایسے مقروض شخص کو جس کے ذمہ دوسروں کا دو ہزار درہم قرض ہے، اکیس سو درہم دینا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ وہ صاحب نصاب نہیں ہوا۔

ہاں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ فقراء اور اہل حاجت کی حاجت پوری کرنے میں ”الاہم فالاہم“ کی ترتیب رکھی جائے، جہاں ایک طبقہ بھوکوں مر رہا ہو وہاں کچھ لوگوں کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں فراہم کرنا خلاف عدل ہے، پہلے غذا کی بنیادی ضرورت پوری کی جائے، پھر مکان و دوکان پر توجہ کی جائے۔



جدید فقہی تحقیقات

دوسرا باب
تفصیلی مقالات

مال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری اور تملیک کی بعض صورتیں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

زکوٰۃ کا بنیادی مقصد فقراء کی حاجت کو پوری کرنا ہے، چنانچہ قرآن مجید نے زکوٰۃ کے مصارف میں فقراء و مساکین کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ مخصوص حالات اور دشواریوں سے دوچار مختلف نوع کے حاجت مندوں کا ذکر فرمایا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام ایسی معاشی تدبیروں کا قائل ہے جو فقراء کو فقر و حاجت کی سطح سے اوپر لائے اور معاشی اعتبار سے ان کو خود ملکتی بنائے، تاہم زکوٰۃ من جملہ عبادات کے ہے اور عبادات میں قیاس کو بہت کم دخل ہے اور نصوص کے الفاظ اور ان الفاظ کے دائرہ میں رہتے ہوئے حکم الہی کی تعمیل ضروری ہے، اس لئے زکوٰۃ کے احکام پر غور کرتے ہوئے ان دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اسی پس منظر میں سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں:

۱- اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری:

(الف) زکوٰۃ کی رقم کو براہ راست کارخانہ یا فیکٹری کے قیام میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، نیز فقراء کو اس میں ملازمت دینا اور اس کا نفع مستحقین میں تقسیم کرنا زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے کافی نہیں، زکوٰۃ بطور حق مالکانہ فقراء کو ادا کرنا ضروری ہے۔

(ب، ج) زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے قرآن وحدیث میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں،

ان سب میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے، جیسے ”إنما الصدقات للفقراء“ (توبہ: ۶۰) یہاں جمہور کے نزدیک ’لام تملیک کے لئے ہے ”أقيموا الصلوة واتوا الزکوة“ کے الفاظ قرآن میں کئی مواقع پر استعمال ہوئے ہیں اور ’ایتاء‘ کسی چیز کے مکمل طور پر مالک بنا دینے کو کہتے ہیں، اس طرح حدیث میں ’تود فی فقرائهم‘ اور ’تقسم فی فقرائهم‘ کے الفاظ آئے ہیں، ان میں بھی مالک بنانے کا معنی پایا جاتا ہے، چنانچہ ائمہ اربعہ کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ زکوٰۃ بغیر تملیک کے ادا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ رحمۃ اللہ علیہ میں اس پر فقہاء کا اتفاق نقل کیا گیا ہے:

”واتفقوا علی منع الإخراج لبناء مسجد أو تکفین میت (رحمۃ اللہ علیہ

اختلاف الائمہ ۳۵)۔

اور مال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی مذکورہ صورت میں تملیک نہیں پائی جاتی۔

سرمایہ کاری کی متبادل صورت:

البتہ مستحقین زکوٰۃ کو معاشی اعتبار سے خود ملکتی بنانے کے لئے یہ صورتیں اختیار کی

جاسکتی ہیں:

(الف) کمپنی کے شیر بنائے جائیں اور ان شیرز کا مالک مستحق زکوٰۃ کو بنا دیا جائے

اس طرح فقراء کو مالک بنانے کی شرط بھی پوری ہو جائے گی، ہر پارٹنر کو اس کے شیر کا نفع بھی ملتا رہے گا، اور اگر کمپنی کے کاروبار میں فقراء کو ملازم رکھا جائے تو ان کے لئے روزگار کے مواقع بھی پیدا ہو سکیں گے۔

(ب) زکوٰۃ کی حاصل شدہ رقم کسی ذمہ دار ادارہ کو متعین مدت کے لئے بطور قرض

دی جائے، جو اس رقم کو واپس کرنے کا پابند ہو، یہ ادارہ کمپنی قائم کرے اور اولاً اس کے نفع سے زکوٰۃ ادا کرے، پھر اس کو فقراء پر وقف کر دیا جائے کہ اس طرح اس کا نفع فقراء کو ملتا رہے گا اور اگر اس میں مستحق زکوٰۃ اشخاص کو حسب صلاحیت ملازمت دی جائے تو روزگار کے اعتبار سے خود ملکتی بنانے کا مقصد بھی حاصل ہوگا، یہ صل اس پس منظر میں ہے کہ فقہانے بیت المال کے ایک

صندوق سے دوسرے صندوق کو قرض دینے کی اجازت دی ہے، زکوٰۃ کی رقم سے اس مقصد کے لئے قرض دینا اسی قبیل سے ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے مکانات کی تعمیر اور مستحق کو صرف استفادہ کا حق:

زکوٰۃ کے مال سے مکانات اور دوکانوں کی تعمیر، کہ فقراء کو مالک بنائے بغیر ان سے استفادہ کا موقع دیا جائے درست نہیں، اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ یہ اباحت ہے نہ کہ تملیک اور زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے مالک بنانا ضروری ہے ”ویشترط أن يكون المصرف تمليكا لا إباحة“ (رد المحتار ۲۹۱/۳، بدائع الصنائع ۳/۱۳۳)، اس سلسلہ میں فقہانے صراحت کی ہے کہ محض رہائش کی سہولت فراہم کرنا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں، علامہ ابن نجیم مصری رقم طراز ہیں:

”الزکوٰۃ لاتتادی إلا بتملیک عين متقومة فمالو أسکن فقيراً داره سنة بنیة الزکوٰۃ لاتجرونه“ (البحر الرائق ۲/۲۵۱)۔

فقراء کو دوکان و مکان کا مالک بنانا:

یہ سوال زکوٰۃ سے متعلق دو بنیادی مسائل سے متعلق ہے، اول یہ کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوئی کیا اسی مال زکوٰۃ کا ادا کرنا ضروری ہے یا اس کے بجائے دوسرے مال سے بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے؟

دوسرے: ایک مستحق زکوٰۃ کو کیا ایک نصاب زکوٰۃ سے زیادہ مالک بنایا جاسکتا ہے؟ پہلے مسئلہ میں مالکیہ، شوافع، اور حنابلہ کے نزدیک بلا عذر اصل مال کے بجائے دوسرے مال سے زکوٰۃ ادا کرنی درست نہیں (المدوۃ الکبریٰ ۲۵۸/۱، شرح المہذب ۳۳۱/۵)۔ یہی موقف اصحاب ظواہر کا ہے (دیکھئے: نیل الاوطار ۳/۱۷۰) حنفیہ کے نزدیک چونکہ زکوٰۃ کا مقصد فقراء کی تکمیل حاجت ہے اور فقراء کی حاجت بعض اوقات اصل مال کے بجائے دوسرے مال سے ادا

کرنے میں زیادہ بہتر طور پر پوری ہوتی ہے، اس لئے کسی اور مال سے بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے:

”وجاز دفع القيمة فى الزكاة“ (رد المحتار ۳/۲۱۱، بدائع الصنائع ۲/۲۵۷، فتح القدير ۱/۵۰۷، الباب ۱۳)۔

یہی رائے امام بخاری کی ہے (بخاری باب العرض فی الزکوٰۃ حدیث نمبر ۷۱۳۳) اور اسی نقطہ نظر کی طرف علامہ ابن تیمیہ کا رجحان معلوم ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”فإن كان أخذ الزكاة يريد أن يشتري بها كسوة فاشترى به المال له بها كسوة و أعطاه فقد أحسن إليه، وأما إذا قوم هو الثياب التي عنده، وأعطاه فقد يقومها بأكثر السعر“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۵/۸۰)۔

دوسرے مسئلہ کے سلسلہ میں حنفیہ کی رائے ہے کہ ایک ضرورت مند کو ایک نصاب کی مقدار سے زیادہ دینا مکروہ ہے، لیکن دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ”ویكوه أن يعطى الفقير أكثر من مائتي درهم، وإن أعطاه جاز“ (التحقیق والمزید ۸۱، مخطوطہ، ہدایہ ۱/۱۸۷) حنفیہ کے یہاں یہ بھی صراحت موجود ہے کہ خود فقراء کے لئے ایک نصاب سے زیادہ قبول کرنا جائز ہے ”وهنا بخلاف الفقير فإنه يحل له أن يأخذ أكثر من حاجة“ (رد المحتار ۳/۳۹۰) لیکن یہ حکم عام حالات میں ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ ضرورت مندوں کو استفادہ کا موقع مل سکے، خصوصی حالات میں اگر اس کی ضرورت زیادہ رقم کی مقتضی ہو، جیسے مقروض پر قرض زیادہ ہو یا مسافر کو اخراجات سفر کے لئے قدر نصاب سے زیادہ مطلوب ہو تو اس کی ضرورت کے لحاظ سے مقدار نصاب سے زیادہ زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

دوسرے فقہاء کے یہاں مطلق اجازت ہے، دسوقی مالکی کا بیان ہے:

”يجوز أن يدفع من زكاته لفقير واحد أكثر من نصاب، ولو صار به

غنيا“ (حاشیہ دسوقی ۳/۱۰۳)۔

فقہا شافعیہ کی رائے ہے کہ ایک محتاج کو اتنا دینا چاہئے کہ اس کی عمر طبعی تک کے لئے کافی ہو جائے۔

”ويعطى فقير ومسكين كفاية عمر غالب“ (بخاری علی الخطیب ۲/۲۶۳، روضۃ الطالبین ۲/۱۸۷)۔

”فأعطينا كل واحد ما يخرج منه من الفقير إلى الغني“ (کتاب الام ۲/۷۳)۔
 حنابلہ نے اتالیقین کی اجازت دی ہے کہ اس کے زیر پرورش تمام لوگوں کی ضروریات کی کفایت ہو جائے:

”ومن كان ذاعبال أخذما يكفيهم، لأن كل واحد من عائلة مقصود دفع حاجة“ (الروض المربع ۱/۱۹۹)۔

اور اس سلسلہ میں سب سے اہم بات وہ ہے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے ”موسوع فقہ عمر“ کے مرتب رقم طراز ہیں:

”یری عمرؓ أن يعطى الفقير من مال الزكوة ما يرفع عنه الفقر و يقبله إلى إنسان مستغن عن الزكاة، فقال إذا أعطيتم فأغنوا“ (موسوع فقہ عمر ۳۶۶)۔

غرض کہ بیک وقت مقدار نصاب سے زیادہ زکوٰۃ دینی بالاتفاق درست ہے۔
 لہذا زکوٰۃ کی رقم دینے کے بجائے اس سے مکان یا دوکان بنا کر مستحق زکوٰۃ کو اس کا مالک بنا دینا نہ صرف جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے تاکہ مستقل طور پر اس کی حاجت پوری ہو جائے اور غناء کی دولت سے بھی سرفراز ہو کر آئندہ دست سوال پھیلانے پر مجبور نہ ہو۔

☆☆☆

اموال زکوٰۃ سے سرمایہ کاری غور و فکر کے چند پہلو

مولانا شفیق احمد بستوی ☆

یہ نقطہ نظر بہ ظاہر بڑا پرکشش ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے کوئی کارخانہ یا فیکٹری قائم کر دی جائے یا اسے کسی اور نفع آور کاروبار میں لگا دیا جائے اور اس کارخانہ، فیکٹری اور کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع کو فقراء میں تقسیم کیا جائے تاکہ ہر سال کی زکوٰۃ کھاپی کر برابر نہ ہو جائے، بلکہ اس سے آمدنی کے ایسے مستقل ذرائع پیدا ہو جائیں کہ جو مستقل طور پر فقراء کی ضرورت پوری کریں اور زکوٰۃ کی رقوم سے وجود میں آنے والے کارخانوں اور فیکٹریوں میں حتی الامکان مستحقین زکوٰۃ ہی کو ملازم رکھا جائے تاکہ وہ فقر و فاقہ کے دلدل سے نکل سکیں، لیکن جب ہم اصول شریعت اور احکام اسلامی پر اس نظریہ کو پرکھتے ہیں تو یہ سراسر کھوٹا اور بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کے بارے میں ایک بنیادی بات یہ پیش نظر ہونی چاہئے کہ زکوٰۃ کی وصول اور صرف محض ایک اقتصادی مسئلہ نہیں ہے جس کے بارے میں کچھ اصولی ہدایات دے کر تفصیلات اور پالیسی طے کرنے کا اختیار خلیفہ، سلطان یا اولوالامر کو دے دیا گیا ہو، بلکہ زکوٰۃ اصلاً ایک عبادت ہے اقتصادی پہلو اس میں ضمنی اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے، اسی لئے کتاب و سنت میں زکوٰۃ واجب ہونے، اموال زکوٰۃ اور نصاب زکوٰۃ نیز مصارف زکوٰۃ کی کافی تفصیل موجود ہے،

☆ استاذ فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، کھنؤ۔

اس لئے کسی خاص مد میں زکوٰۃ کا مال صرف کرنے اور لگانے سے پہلے ہمیں اس بات کا اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ زکوٰۃ انہیں مصارف میں اور اسی طریقہ پر صرف ہو رہی ہے کہ نہیں جن کی تحدید اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے۔

سورہ توبہ کی آیت نمبر ۶ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف حصر کے ساتھ بیان کر دئے گئے ہیں حصر کا مطلب یہ ہے کہ ان آٹھ مصارف کے باہر زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

”إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم
وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضة من اللہ، واللہ علیم
حکیم“ (سورہ توبہ ۶۰)۔

اس آیت مبارکہ سے پہلے کی دو آیات (۵۸، ۵۹) سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقسیم زکوٰۃ کے بارے میں ہونے والی بعض چیزیں کیوں کا سدباب کرنے کے لئے واضح اور قطعی طور پر مصارف زکوٰۃ کی تحدید کی گئی تاکہ نبی اکرم ﷺ کی طرف انگلی اٹھانے کا کسی کو موقع نہ رہے، وہ آیات یہ ہیں:

” ومنہم من یلمزک فی الصدقات فإن أعطوا منها رضوا وإن لم
یعطوا منها اذہم یسخطون، ولوأنہم رضوا ما آتہم اللہ ورسولہ وقالوا احسبنا
اللہ سیوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ إنا إلی اللہ راغبون“ (سورہ توبہ ۵۹-۵۸)۔

مصارف زکوٰۃ کی جو تفصیل و تحدید سورہ توبہ کی آیت ۶۰ میں کی گئی خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی حد درجہ پابندی کی، ان مصارف سے سر موخراف و خروج کے روادار نہیں ہوئے، جیسا کہ ”سنن ابی داؤد“ کی درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے:

” حدثنا عبد اللہ بن مسلمة نا عبد اللہ یعنی ابن عمر بن غانم عن
عبد الرحمن بن زیاد انه سمع زیاد بن نعيم الحضرمی أنه سمع زیاد بن

الحارث الصدائی قال: اتیت رسول اللہ ﷺ فباعته و ذکر حدیثا طویلا فأتاه رجل فقال: أعطنی من الصدقة، فقال له رسول اللہ ﷺ: إن الله لم یرض حکم نبی ولا غیره فی الصدقات حتی حکم فیها هو فجزأها ثمانية أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطیتک حقه“ (سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ و صدقہ الخنی)۔

۱- (الف) اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ اموالِ زکوٰۃ کا استعمار جائز نہیں ہے، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے اور فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقینِ زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے، شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے۔

(ب) اموالِ زکوٰۃ کے استعمار کے ناجائز ہونے کے متعدد دلائل اور وجوہ ہیں، ان میں سب سے اہم اور بنیادی دلیل تملیک کا مفقود ہونا ہے جو ادائے زکوٰۃ کے لئے ایک متفق علیہ اور بنیادی شرط ہے، اس پر ہم (ج) کے تحت کچھ تفصیل سے گفتگو کریں گے، یہاں پر ہم کچھ دوسرے دلائل و اسباب پر گفتگو کرتے ہیں:

۱- زکوٰۃ کا مال اس طور پر صرف کرنا ضروری ہے کہ لازمی طور پر وہ مال مصارفِ زکوٰۃ میں صرف ہو جائے، اموالِ زکوٰۃ سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنے میں اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کلی یا جزوی طور پر مصارفِ زکوٰۃ میں صرف ہی نہ ہو سکے، کیونکہ اگر یہ کام امانت دار اور تجربہ کار ہاتھوں سے انجام پائے تو بھی کارخانہ اور فیکٹری میں اس کا امکان تو بہر حال ہے کہ فیکٹری خسارے میں چلی جائے یا ڈوب جائے۔

زکوٰۃ کی رقم میں سے دس کروڑ سے ایک فیکٹری کھڑی کی گئی اسے خسارہ لاحق ہو گیا۔ تو زکوٰۃ دینے والوں کی پوری زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور مستحقینِ زکوٰۃ کا پانچ کروڑ کا نقصان ہوا، نجی اور شخصی کارخانوں اور فیکٹریوں کو بھی یہ صورت حال پیش آتی رہی ہے تو اموالِ زکوٰۃ سے قائم ہونے والے کارخانوں میں ایسی صورت حال کا پیش آنا زیادہ قرین قیاس ہے، بہت سے طالع

آزما اور حوصلہ مند قسم کے لوگ استثمار کے نام پر زکوٰۃ کی بڑی بڑی رقمیں جمع کر کے مختلف تجربات میں برباد کر دیں گے۔

۲- احکام زکوٰۃ کا گہرائی سے مطالعہ مطالعہ کرنے سے یہ بات صاف طور سے محسوس ہوتی ہے کہ زکوٰۃ کا سال بہ سال کا نظام فوری ضرورت مندوں کی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے ہے، اس کا مقصد مستقل روزگار فراہم کرنا نہیں ہے، اسی لئے تاریخ اسلامی کے کسی دور میں زکوٰۃ کے مال سے استثمار کی اسکیمیں رو بہ عمل نہیں لائی گئیں، ایسے کاموں کے لئے اسلامی شریعت نے وقف کا باب کشادہ کر رکھا ہے اور اس پر بڑا ثواب موعود ہے، اگر کچھ اہل خیر کسی بھی طبقہ کی فلاح و بہبود کے لئے یا اسے معاشی طور پر مستحکم کرنے کے لئے کچھ مستقل فلاحی اور وفاقی کام اور استثمار منسوبے رکھتے ہیں تو اس کے لئے صدقات نافلہ اور وقف کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، اس لئے کہ تملیک (مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانے) کی شرط نہیں پائی گئی جو ادائے زکوٰۃ کے لئے ناگزیر ہے۔

۳- فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس سے شرعاً زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی، کیونکہ تملیک پائی گئی۔

ایسا کرنے میں قباحت کا پہلو اسی وقت آتا ہے جب کچھ فقراء کے لئے آپ رہائشی مکان یا دوکان کا بند و بست کریں اور دوسرے ان سے زیادہ نادار، نان شبینہ کے محتاج فقراء کو بالکل نظر انداز کر دیں۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک (مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا) ضروری ہے

اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری نہیں ہو رہی ہے، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کا شرط ہونا کسی ایک فقہی مسلک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام فقہی مسالک تملیک کے شرط ہونے پر متفق ہیں۔

فقہ حنفی کی صراحت:

ملک العلماء علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (۸۷۵ھ) ”بدائع الصنائع“ میں لکھتے ہیں:

”زکوٰۃ کا رکن یہ ہے کہ نصاب کا ایک حصہ نکال کر اللہ کے حوالہ کیا جائے اس طور پر کہ مال کا مالک فقیر یا اس کے نائب، یعنی عامل صدقہ کی ملکیت اور قبضہ میں وہ مال دے کر اس مال سے بالکل دست کش ہو جائے، فقیر کی ملکیت اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور فقیر کو مالک بنانے اور فقیر کے حوالہ کرنے میں صاحب مال اللہ تعالیٰ کا نائب ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ”کیا لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات لیتا ہے“ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”زکوٰۃ فقیر کی ہتھیلی میں جانے سے پہلے رحمان کے ہاتھ میں جاتی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے مالکین اموال کو ایذاء کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے:

”وآتوا الزکوٰۃ۔ (اور زکوٰۃ دو) اور ایذاء (دینا) مالک بنانا (تملیک) ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ”إنما الصدقات للفقراء“ والی آیت میں زکوٰۃ کو ”صدقہ“ کا نام دیا ہے اور صدقہ کرنا مالک بنانا ہے..... اور اس لئے کہ زکوٰۃ ہماری اصل کے اعتبار سے عبادت ہے اور عبادت کا مطلب ہے کسی عمل کو کلیۃً اللہ کے لئے کر دینا زکوٰۃ میں یہ صورت اسی وقت پیدا ہوتی جب فقیر کے حوالہ کرنے کے بعد زکوٰۃ کے بقدر مال کی نسبت زکوٰۃ دہندہ سے کلیۃً منقطع ہو جائے اور وہ خالص اللہ کے لئے ہو جائے زکوٰۃ میں قربت کا مفہوم اپنی ملکیت ختم کر کے اللہ کی طرف اس مال کے نکالنے میں ہے، نہ کہ فقیر کو مالک بنانے میں، بلکہ فقیر کو مالک بنانا دراصل اللہ کی جانب سے ہے اور صاحب مال اللہ تعالیٰ کی جانب سے نائب ہے (بدائع الصنائع ۲/۳۹۶)۔“

علامہ کاسائی کی یہ عبارت تملیک کے سلسلے میں فقہاء کے نقطہ نظر کی بڑی مدلل ترجمانی کرتی ہے، مختلف حضرات نے کاسائی کا حوالہ دیا ہے، لیکن عام طور پر ان کے استدلال کا بڑا حصہ اختصار کی نظر ہو گیا ہے، اس لئے میں نے طویل ہونے کے باوجود ان کا استدلال پیش کرنا ضروری سمجھا۔

فقہاء شافعیہ کا موقف:

شافعیہ نے آیت مصارف (إنما الصدقات للفقراء الخ) کے لام کو تملیک کے معنی میں لیا ہے، اس لئے ان کے نزدیک مصارف زکوٰۃ کو مالی زکوٰۃ کا مالک بنانا از حد ضروری ہے، یہ بات کافی نہیں ہے کہ زکوٰۃ دہندگان اپنے طور پر زکوٰۃ مستحقین زکوٰۃ کے مفاد میں صرف کر دیں، انہیں مالی زکوٰۃ کا مالک نہ بنائیں، ان کے قبضہ میں زکوٰۃ کا مال نہ دیں، فقہاء شافعیہ کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے شیخ ابوالسحاق شیرازی ”المہذب“ میں لکھتے ہیں:

”و یجب صرف جمیع الصدقا إلی ثمانية أصناف..... والدلیل علیہ قوله تعالیٰ ”إنما الصدقات للفقراء..... فأضاف جمیع الصدقات إلیهم بلام التملیک وأشرك بينهم بواو التشریک فدل علی أنه مملوک لهم مشترک بیهم“ (المہذب ۲۳۱/۱)۔

(تمام صدقات کو آٹھ اصناف پر صرف کرنا واجب ہے..... اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: إنما الصدقات للفقراء“ اس آیت میں تمام صدقات کی اضافت لام تملیک کے ذریعہ ان آٹھ اصناف کی طرف کی گئی ہے اور شرکت پر دلالت کرنے والے ”واو“ کے ذریعہ انہیں شریک بنایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ان آٹھ اصناف کی ملکیت اور ان کے درمیان مشترک ہے)۔

اور اسی سے ملتی جلتی بات نووی نے بھی کہی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: المجموع شرح

المہذب)۔

فقہاء شافعیہ کے ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے۔

حنا بلہ و مالکیہ کی تصریحات:

حنبلہ فقہاء کی عبارتیں بھی تملیک کے ضروری ہونے کے سلسلے میں انتہائی واضح ہیں، یہاں ہم حنبلی فقہاء کے بھی دو ہی اقتباسات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ مشہور حنبلی فقیہ شمس الدین مقدسی (محمد بن مفلح ۶۳۷ھ) ”کتاب الفروع“ میں لکھتے ہیں:

”زکوٰۃ کے نکالنے میں یہ شرط ہے کہ جسے زکوٰۃ دی جائے اسے مالک بنا دیا جائے، لہذا یہ جائز نہیں ہوگا کہ زکوٰۃ سے فقراء و مساکین کو صبح و شام کا کھانا کھلا دیا جائے، زکوٰۃ سے میت کے اس دین کی ادائیگی نہیں کی جائے گی جو دین اپنی یا دوسرے کی مصلحت کے لئے میت نے (اپنی زندگی میں) لیا ہو، یہ بات ابو عبید اور ابن عبد البر نے نقل کی ہے، کیونکہ میت میں صدقہ قبول کرنے کی اہلیت نہیں ہے، اسی طرح مال زکوٰۃ سے میت کی تکفین جائز نہیں ہے“ (کتاب الفروع ۶۱۹/۲)۔

علامہ بہوتی (منصور بن یونس ادریس ۱۰۴۶ھ) ”کشاف القناع“ میں لکھتے ہیں:

”زکوٰۃ پر فقیر کی ملکیت کے لئے اور صاحب مال کی زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے اس پر فقیر کا قبضہ کرنا شرط ہے، لہذا زکوٰۃ کے مال سے فقراء کو صبح و شام کا کھانا کھلا دینا کافی نہیں ہے، کیونکہ یہ ایثار (دینا) نہیں ہے، اور نہ ہی زکوٰۃ سے کسی میت کا دین ادا کیا جائے گا، خواہ میت نے اپنی مصلحت کے لئے وہ دین لیا ہو یا دوسروں کی مصلحت کے لئے یہ بات ابو عبید اور ابن عبد البر نے اجماع کی صورت میں نقل کی ہے، کیونکہ میت میں زکوٰۃ قبول کرنے کی اہلیت نہیں ہے، جس طرح اگر صاحب مال زکوٰۃ سے میت کی تکفین کرے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی..... فقیر اور دوسرے مستحقین زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ میں اس پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف صحیح نہیں

ہے، کیونکہ مستحقین زکوٰۃ قبضہ کرنے کے بعد ہی مال زکوٰۃ کے مالک بنتے ہیں۔ زکوٰۃ کے مصارف میں فقہاء مالکیہ بھی تملیک ضروری قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ”کتاب الفروع“ اور ”کشاف القناع“ کے مذکورہ بالا اقتباسات میں ابن عبدالبر کا حوالہ دینے سے ظاہر ہوتا ہے“ (کشاف القناع)۔

دور حاضر کے ممتاز فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے تملیک ضروری ہونے کے سلسلے میں جمہور فقہاء کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے:

”تمام مذاہب کے جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے جو مصارف ذکر فرمائے ہیں ان کے علاوہ دوسرے کاموں میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں، مثلاً مساجد، پلوں، بسیلوں کی تعمیر، نہریں کھودنا، راستوں کی مرمت، مردوں کی تکفین، ان کے دین کی ادائیگی، مہمانوں پر کسادگی کرنا، شہر پناہوں کی تعمیر، وسائل جہاد کی تیاری، مثلاً جنگی کشتیاں بنانا، ہتھیار خریدنا اور دوسرے اس طرح کے نیک کام جن کا اللہ نے ذکر نہیں فرمایا جن میں تملیک نہیں پائی جاتی“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸۷۵/۲)۔

تملیک پر آیات قرآنی سے استدلال:

قرآن کریم نے عموماً صدقہ واجبہ (زکوٰۃ) کا حکم دینے کے لئے ایفاء کی تعبیر اختیار کی ہے، قرآن کی متعدد آیات میں فرمایا گیا ہے:

”أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ“ (سورۃ بقرہ: ۴۳) (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو)۔

”ایفاء“ اعطاء کا ہم معنی ہے، دو ٹوں کا معنی ہے ”دینا“۔

اصطلاحی زبان میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فعل ایفاء اور اعطاء کا ایک فاعل ہوتا ہے اور دو مفعول ہوتے ہیں، جمہور فقہائے نے ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک کے لازم ہونے پر ”ایفاء“ سے بھی استدلال کیا ہے، ان کا یہ استدلال سمجھنے کے لئے ہمیں ایفاء کے لغوی مفہوم اور قرآن میں اس کے استعمالات پر ایک نظر ڈالنی ہوگی۔

امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

”والایئاء الاعطاء وخص وضع الصدقة فی القرآن بالایئاء“ (الفردات

لذراغب اصفہانی)۔

ایئاء کے معنی اعطاء (دینا) ہے، قرآن میں زکوٰۃ کی ادائیگی کو خاص طور پر ایئاء سے

تعبیر کیا ہے۔

لینا اور دینا دو ایسی بدیہی حقیقتیں ہیں جو ابتدائے آفرینش سے چلی آرہی ہیں، انسانیت کے وحی و نبوت، علوم و فنون سے آشنا ہونے سے بہت پہلے سے لینے اور دینے کا سلسلہ جاری ہے، ظاہر ہے کہ جب دینے (ایئاء) کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت چیز سے ہو تو اس سے مراد مالک بنانا (تملیک) ہوتا ہے۔

قرآن کے بے شمار استعمالات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب ”ایئاء“ کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت مال سے ہو تو اس سے مراد مالک بنانا ہوتا ہے، اس سلسلہ میں قرآن کے چند استعمالات ملاحظہ ہوں:

”ومنہم من عاہد اللہ لئن آتانا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین فلما آتہم من فضلہ بخلوا بہ وتولوا وہم معرضون“ (توبہ ۷۵-۷۶)۔

(اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہر بانی سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور نیکو کاروں میں ہو جائیں گے، لیکن جب خدا نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) رد گردانی کر کے پھر بیٹھے)۔

”یا ایہا النبی انا أحللتنا لک أزواجک الّتی اتیت أجورہن“

(احزاب ۵)۔

اے پیغمبر! ہم نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں جن کو تم نے ان کے مہر دے دئے ہیں

حلال کر دی ہیں۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر یہ صیغے استعمال ہوئے ہیں، یہاں بخوبی طوالت صرف آیات کے حوالے درج کئے جاتے ہیں، دیکھئے: (سورۃ بقرہ: ۲۲۹، سورۃ نساء: ۴، سورۃ نور: ۲۳، سورۃ نمل: ۳۶)۔

اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیات قرآنی میں زکوٰۃ کے ساتھ جو فعل ”ایتاء“ استعمال ہوا ہے اس میں مالک بنانے (تملیک) کا مفہوم پایا جاتا ہے، کیونکہ مال زکوٰۃ مادی قابل ملکیت چیز ہے اور زکوٰۃ دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان اپنے مال کے ایک حصہ سے اپنی ملکیت اور قبضہ ختم کر کے ان لوگوں کی ملکیت میں دیدے جنہیں دینے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے، زکوٰۃ ادا کرنے میں زکوٰۃ دہندہ کی ملکیت ختم ہو کر مستحق زکوٰۃ کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔

یہ نکتہ تو بدیہی اور اجماعی ہے کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد مال زکوٰۃ سے زکوٰۃ دہندہ کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ وہ مال کسی فقیر یا مستحق زکوٰۃ کی ملکیت میں جانا ضروری نہیں، بلکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مال خدا کی ملکیت میں رہے اور مستحقین زکوٰۃ کو اس سے فائدہ پہنچایا جائے تو وقف اور زکوٰۃ میں کیا فرق رہ جائے گا، دونوں کے درمیان ماہ الامتیاز یہی تو ہے کہ مال وقف ان لوگوں کی ملکیت میں نہیں جاتا جن پر وقف کیا گیا ہے اور مال زکوٰۃ مستحق زکوٰۃ کی ملکیت بن جاتا ہے۔

حدیث معاذ سے استدلال:

اگر ہم حدیث معاذ کی روشنی میں دیکھیں تو تملیک کا مسئلہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

” انک تأتي قوما من أهل الكتاب فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأنى رسول الله، فإن هم أطاعوك لذلك فاعلمهم أن الله افترض عليهم

خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ، فإن أطاعوک لذلک فأعلمهم أن اللہ افترض علیہم صدقۃ تؤخذ من أغنیائہم فتزد علی فقرانہم“

(تم اہل کتاب قوم کے پاس جا رہے ہو انہیں اس بات کی دعوت دو کہ اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی شہادت دیں اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے شب و روز میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو واپس دی جائے گی)۔

اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صدقہ فرض (زکوٰۃ) کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اغنیاء سے اس کا ”اخذ“ (لینا) ہوگا اور فقراء پر اس کا ”رد“ (واپس کرنا، دینا) ہوگا ”اخذ“ اور رد دونوں مقابل لفظ ہیں، اغنیاء سے جس چیز کا اخذ ہوگا فقراء پر اسی کا رد ہوگا ظاہر ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے میں اغنیاء سے صرف مال زکوٰۃ کے منافع نہیں لئے جاتے، بلکہ اس کی ملکیت بھی لی جاتی ہے، لہذا فقراء پر رد صرف منافع کا نہیں ہوگا، بلکہ ملکیت کا بھی ہوگا، یعنی فقراء کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے گا اور یہی تملیک فقیر ہے جس پر فقہاء نے زور دیا ہے، تملیک فقیر کتاب و سنت کا تقاضہ ہے فقہاء اسلام کی اختراع نہیں ہے۔

’اخذ‘ اور ’رد‘ کا یہ عمل اسلامی حکومت کرے گی اور اس کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کے ارباب حل و عقد کر سکتے ہیں، اخذ اور رد کے اس عمل میں اسلامی حکومت ایک واسطہ کا کام دیتی ہے حکومت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ فقراء کی طرف ملکیت منتقل کرنے کے بجائے مال زکوٰۃ پر اپنی ملکیت قائم کر لے اور فقراء کو صرف اس کے منافع سے بہرہ آور کرے، کیونکہ ایسی صورت میں اس نے اغنیاء سے جس چیز کا اخذ کیا اسے فقراء کی طرف واپس نہیں کیا۔

عہد نبوی اور عہد صحابہ کا تعامل :

رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر آخری صدیوں تک زکوٰۃ کی ادائیگی اور تقسیم کا یہی طریقہ رائج تھا، زکوٰۃ فقراء، مساکین اور دوسرے مستحقین کو بطور ملکیت دے دی جاتی تھی،

تاریخ اسلام میں ایک نظیر بھی ایسی نہیں ملتی ہے کہ زکوٰۃ فقراء میں تقسیم کرنے کے بجائے کسی ایسی رفاہی اور فلاحی اسکیم میں لگائی گئی ہو جس کا نفع فقراء کو پہنچتا ہو اور ملکیت ان کی طرف منتقل نہ ہوتی ہو، حالانکہ اس زمانہ میں رفاہی اور فلاحی کام بہ کثرت ہوا کرتے تھے۔

محمد بن یوسف نے حضرت طاؤس کو مخالف کا عامل بنایا وہ امیروں سے زکوٰۃ لیکر فقراء میں بانٹتے رہے، جب وہ فارغ ہوئے تو محمد بن یوسف نے کہا: ”اپنا حساب پیش کرو، اس پر انہوں نے فرمایا میرے پاس کوئی حساب نہیں ہے میں امراء سے وصول کرتا اور غرباء میں تقسیم کرتا تھا۔“

”جامع ترمذی“ میں ابو حنیفہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

”قدم علينا مصدق النبي ﷺ فأخذ الصدقة من أغنيائنا فجعلها في

فقرائنا و كنت غلاماً يتيما فأعطاني منها قلو صاً“۔

(ہمارے یہاں رسول اکرم ﷺ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کر نیوالا آیا اس نے ہمارے مالداروں سے زکوٰۃ لے کر ہمارے غریبوں میں تقسیم کر دی میں یتیم لڑکا تھا مجھے بھی اس میں سے ایک جوان اونٹنی دی)۔

منکرین تملیک کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ خیر القرون اور اس کے بعد کی صدیوں میں ادائیگی زکوٰۃ کی یہی شکل رائج تھی کہ زکوٰۃ کے مستحقین کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جاتا تھا، تاریخ اسلام کے ہر دور میں تملیک فقیر پر مسلسل عمل محض اتفاقی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں امت کے ہر طبقہ کے ذہن میں شعور یا غیر شعوری طور پر یہ بات رائج رہی ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کی واحد شکل تملیک مستحق ہے۔

حرف آخر:

گزشتہ صفحات سے فقہاء اسلام کا یہ نقطہ نظر واضح ہوا کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے فقراء مساکین وغیرہ کو مال زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے، تملیک کی حکمت اور اس کے کچھ دلائل بھی

آپ کے سامنے آئے، حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ کو فریضہ قرار دے کر اسلام نے فقر و فاقہ کا علاج کرنا چاہا ہے اور سماج کے نادار و محتاج طبقہ کی ضروریات زندگی کا باعزت و بندوبست کیا ہے، فقر و افلاس انسان کو بسا اوقات ایسی منزل تک پہنچا دیتے ہیں کہ وہ اپنی عزت و آبرو، دین و ایمان ہر چیز کو خیر باد کہہ دیتا ہے، عصر حاضر کی تمام سائنسی و صنعتی ترقیات کے باوجود دنیا کے اکثر ممالک میں فقر و افلاس ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک خصوصاً مسلم ممالک میں آبادی کا بڑا حصہ خط افلاس سے کافی نیچے زندگی گزار رہا ہے، افریقہ کے مسلم ممالک غذائی بحران اور قحط سالی سے دوچار ہیں، فقر و افلاس کی اس سنگین صورت حال نے عیسائی مشنریوں کو یہ سنہرا موقع فراہم کیا ہے کہ وہ غریب و نادار مسلمانوں کے دین و ایمان سے کھلواڑ کریں، انہیں اسلام کی روشنی سے نکال کر مسیحیت کی ظلمت میں لے جائیں، فقر و افلاس میں گرفتار مسلمان ملحدانہ تحریکات، مشرکانہ نظریات اور اسلام دشمن طاقتوں کا لقمہ تر ثابت ہو رہے ہیں۔

ان حالات میں سخت ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق زکوٰۃ کا نظام قائم کر کے مسلم سماج کے غریب و نادار طبقہ کی اعانت کی جائے، اسے خط افلاس سے اوپر اٹھایا جائے، ضروریات زندگی سے محروم اس طبقہ کی ضروریات کا انتظام کیا جائے، مسلم ممالک میں بھی چونکہ اسلام کا نظام تقسیم دولت نافذ نہیں ہے، اس لئے سماج میں حد درجہ معاشی عدم توازن اور ناہمواری پائی جاتی ہے، ایک طبقہ مالدار سے مالدار تر اور دوسرا غریب سے غریب تر ہوتا جا رہا ہے، فقر و افلاس کا مہلک ناسور صرف انہیں ملکوں میں نہیں ہے جنہیں غریب اور پسماندہ گردانا جاتا ہے، بلکہ مالدار ممالک بھی اس سے دوچار ہیں، مسلم ممالک اور مسلم معاشرے زکوٰۃ کا کامل نظام برپا کر کے فقر و افلاس کے مضر اور مہلک اثرات سے مسلم سماج کو بچا سکتے ہیں۔

تملیک کی بندش اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ زکوٰۃ مسلم سماج کے نادار و محتاج طبقہ پر صرف ہو، طبقہ فقراء کو اس سے پورا فائدہ پہنچے، غریبوں کی فلاح و بہبود کے نام پر زکوٰۃ کی خطیر رقم اغنیاء کے کنٹرول میں نہ چلی جائے، تملیک کی شرط ختم کرنے اور زکوٰۃ کے ساتھ میں مصرف

”فی سبیل اللہ“ کو عام کر دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام رفاہی، فلاحی اور دینی کاموں میں زکوٰۃ تقسیم ہو جانے کی وجہ سے سماج کا محتاج و نادار طبقہ زکوٰۃ سے محروم ہو جائے گا اور فقر و افلاس کے دلدل میں گرفتار ہو کر اپنی ہر متاع عزیز کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جائے گا، اس طرح زکوٰۃ کی مشروعیت کا ایک بڑا مقصد فوت ہو جائے گا اور زکوٰۃ کی روح بری طرح متاثر ہوگی۔



اموال زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

مولانا انیس الرحمن قاسمی ☆

اللہ جل شانہ نے زکوٰۃ بنیادی طور پر حاجتمندوں، فقراء و مساکین، مجاہدین فی سبیل اللہ، مسافر، موہقتہ القلوب اور زکوٰۃ کا نظم کرنے والوں کو دینے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد الہی ہے:

”إنما الصدقات للفقراء والمساكين، والعاملین علیہا والموء لفة قلوبہم، وفی الرقاب والغارمین فی سبیل اللہ وابن السبیل فریضة من اللہ“ (سورہ توبہ: ۶۰)۔

احادیث نبویہ اور حضرات مفسرین کی بیان کردہ تفاسیر اور فقہاء کے اقوال پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان آٹھ مصارف میں سوائے عاملین کے دیگر تمام مصارف میں فقر کی شرط ہے، یعنی ان مصارف پر صرف کرنا اسی وقت جائز ہے، جبکہ فقر موجود ہو، ان مذکورہ بالا مصارف کے علاوہ دیگر کسی بھی مصرف میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

حاجتمندوں کی ضروریات کو سامنے رکھ کر سوا النامہ میں کچھ افراد کا یہ نقطہ نظر لکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم حاجتمندوں پر تھوڑی تھوڑی مقدار میں تقسیم کرنے کے بجائے ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ اس رقم سے کوئی کارخانہ یا فیکٹری قائم کر دی جائے، یا اسے کسی اور نفع آور کاروبار میں لگا دیا جائے، اور اس کارخانہ، فیکٹری، کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع کو فقراء میں تقسیم کیا جائے، تاکہ ہر سال کی زکوٰۃ کھاپی کر برابر نہ ہو جائے، بلکہ اس سے آمدنی کے ایسے مستقل ذرائع

☆ ناظم امارت شریعہ۔ پھلواڑی شریف پنڈ۔

پیدا ہو جائیں جو مستقل طور پر فقراء کی ضرورت پوری کریں اور زکوٰۃ کی رقم سے وجود میں آنے والے کارخانوں اور فیکٹریوں میں حتی الامکان مستحقین زکوٰۃ ہی کو ملازم رکھا جائے، تاکہ وہ فقروفاقد کے دلول سے نکل سکیں، بعض افراد اور جماعتوں نے ایسی بعض اسکموں پر عمل بھی شروع کر دیا ہے اس بنیاد پر سوالنامہ میں زکوٰۃ سے استثمار، زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات و دکانیں تعمیر کرنے اور انہیں فقراء کے حوالہ کرنے سے متعلق سوالات قائم کئے گئے ہیں۔

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ زکوٰۃ صاحب مال کے اوپر فرض ہے، جس سے مقصود مال کو پاک کرنا ہے، اس لئے زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے دونوں کے بارے میں حکم شرع کو سامنے رکھنا ہوگا، زکوٰۃ جس کے اوپر فرض ہے اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود مستحقین کو دیدے، لیکن اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ امام المسلمین کے ذریعہ ادا کرے، جب وہ زکوٰۃ نکالے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ نکال کر کہیں رکھ نہ دے، بلکہ مستحقین کو دیکر مالک بنا دے، اگر وہ ایسا کرے گا تبھی اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی، ورنہ نہیں، ”درمختار“ میں ہے:

” (ہی) لغة: الطها رة والنماء، وشرعا (تملیک .. جزء مال عينه

الشارع .. من مسلم فقير .،، (الدر المختار علی الرد ۲/۳۱۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر صرف زکوٰۃ کی نیت سے رقم نکال کر اپنی ملکیت سے الگ کر دیا جائے تو اس کو زکوٰۃ نہیں کہیں گے، جب تک کہ اس رقم کا فقراء و مساکین کو مالک نہ بنا دیا جائے، البتہ اگر خود فقیر، یا اس کا نائب زکوٰۃ پر قبضہ کر لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، لیکن اگر زکوٰۃ کی نیت سے مال کا کچھ حصہ الگ کر کے رکھ دیا جائے اور وہ مستحقین کو مالک بنانے سے پہلے ضائع ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے، چنانچہ محمود حنفی لکھتے ہیں:

”اعلم أن التملیک شرط: قال الله تعا لی: وآتوا الزکاة، والایاء: الإیاء،

والإیاء التملیک، فلا بد فیها من قبض الفقیر أو نایبہ“ (الاختیار لتعلیل المختار ۱/۱۲۱)۔

”والاتیاء هو التملیک و مرادہ تملیک جزء مالہ“ (البحر ۲۰۱/۲)۔

یہی وجہ ہے کہ مجنون اور صبی وغیرہ کو زکوٰۃ دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی ہے، تملیک کی شرط پر دیگر ائمہ، جیسے امام شافعی اور احمد بن حنبل بھی متفق ہیں۔

۱- (الف) اس بحث سے یہ واضح ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک شئی ضروری ہے، اس لئے اگر کوئی شخص عین شئی کا مالک نہ بنائے، بلکہ زکوٰۃ کے رقم سے کارخانے قائم کر کے اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کو تقسیم کرے یا ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر روزگار فراہم کر دے تو اس سے کارخانے قائم کرنے والے کی زکاۃ ادا نہیں ہوگی، ہاں جس قدر منافع زکاۃ کی نیت سے فقراء کو ادا کر دیا اس قدر زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

(ب)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مال زکوٰۃ کو الگ کر کے کارخانہ قائم کرنے میں لگا دیتا ہے تو گرچہ اس کی نیت فقراء کی رعایت اور اس کی حالت بہتر بنانے کی ہے، مگر اس طرح زکوٰۃ جس کے اوپر فرض ہے وہ ادا نہیں ہوتی ہے اور اسکے منافع کے تقسیم سے زکوٰۃ گرچہ تھوڑا تھوڑا کر کے ادا ہو رہی ہو، مگر اس عمل سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر ہو رہی ہے جو جائز نہیں ہے۔

”در مختار“ میں ہے:

”ظاہرہ الإثم بالتاخیر ولو قل، کیوم أیومین ؛ لأنهم فسروا القدر بأول أوقات الإمكان الخ“ (۳/۲)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جتنی جلد ممکن ہو سکے مستحقین کے درمیان تقسیم کر دی جائے، اس کو روک کر رکھنا یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے یہ سہی نہیں ہے جو لوگ ایسا کریں گے وہ گنہگار ہوں گے۔

(ج)۔ ہاں اگر فقراء و مساکین، یا ان کے نمائندے زکوٰۃ کے مال سے فیکٹری وغیرہ قائم کریں تو یہ درست ہوگا، کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور ان

کافیٹری قائم کرنا بھی درست ہوگا۔

(د) - اگر زکوٰۃ نکالنے والا اموال زکوٰۃ سے فیٹری قائم کر کے اس کی ملکیت فقراء و

مساکین کو دیدے تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

۲- (الف) اسی طرح اگر زکوٰۃ کی رقم سے دکان یا رہائشی مکان تعمیر کر کے فقراء و مساکین کو اس

کا مالک بنا دیا جائے تو جائز ہوگا۔

(ب) لیکن اگر زکوٰۃ کی رقم سے دکان یا رہائشی کے لئے مکان تعمیر کر کے فقراء و

مساکین کو صرف رہائشی، یا دکان داری کے لئے دئے جائیں تو چونکہ اس میں تملیک نہیں ہے، اس لئے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، چنانچہ مرغیانی اپنی مشہور تصنیف ”ہدایہ“ میں رقم طراز ہیں: ”لا یبسی بہا

مسجداً ولا یکفن بہا لانعدام التملیک“ (۱۸۵/۱)۔

۳- فقراء و مساکین کو مکانات یا دکانیں زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر کر کے دے دی جائے، تو چونکہ

اس صورت میں تملیک پائی جا رہی ہے، اس لئے یہ صورت جائز و درست ہے، زکوٰۃ ادا

ہو جائے گی، اس میں کوئی قباحت نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی فقیر کو اتنی مقدار دینا مکروہ ہے جس

سے وہ فقیر صاحب نصاب ہو جائے اور ظاہر ہے کہ مکان اور دکان جو رہائشی اور تجارت کے لئے

ہو وہ حوائج اصلیہ میں شامل ہے، نصاب میں اسکا شمار نہیں ہے۔

خلاصہ بحث:

ان چند تمہیدی بحثوں کے بعد سوانامہ میں پیش کردہ سوالات کے جوابات مندرجہ

ذیل ہیں:

(الف) زکوٰۃ کی رقم کا استثمار: زکوٰۃ کی رقم سے فیٹریاں اور کارخانے قائم کرنے

کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ خود جن لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہو وہ یا ان کے نمائندے زکوٰۃ

کی رقم سے فیٹریاں یا کارخانے قائم کریں اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کو فقراء

ومساکین پر تقسیم کریں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فقراء و مساکین یا ان کے نمائندوں کو زکاۃ کی رقم دیکر مالک بنا دیا جائے اور خود فقراء یا ان کے نمائندے انکی اجازت سے فیکٹریاں یا کارخانے قائم کریں۔ پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ صرف کارخانہ اور فیکٹریاں مذکورہ مقصد کے تحت قائم کر دینے کی وجہ سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ آٹھ مصارف میں سے کوئی بھی مصرف نہیں ہے، نیز تملیک مستحقین بھی نہیں پائی جا رہی ہے اور خود زکاۃ کی جو تعریف کی گئی ہے وہ تعریف بھی صادق نہیں آتی ہے، البتہ اگر اس صورت میں فیکٹریاں اور کارخانوں سے حاصل ہونے والے منافع کو خود قائم کرنے والے حضرات یا ان کے نمائندے فقراء و مساکین کو دیتے وقت زکاۃ کی نیت کر لیں تو جتنی رقم دیں کہ اس کے بقدر زکاۃ ادا ہو جائیگی، اس لئے کہ جب تک زکاۃ کی رقم مستحقین تک نہیں پہنچائی گئی، بلکہ صرف فیکٹریاں اور کارخانے قائم کئے گئے وہ زکاۃ کی رقم ہوئی ہی نہیں، بلکہ ان کی ذاتی رقم ہوئی، البتہ جب حاصل ہونے والے منافع کی رقم کو زکاۃ کی نیت سے فقراء و مساکین کو دی جائے تو اب تملیک پائی گئی، اس لئے زکاۃ ادا ہو جائے گی، لیکن چونکہ اس صورت میں ادا کی گئی زکاۃ میں تاخیر ہوگی، اس لئے یہ طریقہ صحیح نہیں ہوگا اور باعث گناہ ہوگا۔

دوسری صورت میں جبکہ خود فقراء و مساکین یا ان کے نمائندے فیکٹری یا کارخانہ قائم کریں تو چونکہ اس صورت میں خود فقراء و مساکین زکاۃ کے مصارف میں اور تملیک بھی پائی جا رہی ہے، اس لئے یہ صورت صحیح ہے، اس صورت میں زکاۃ ادا ہو جائے گی، اگر خود فقراء و مساکین زکاۃ کی رقم پر قبضہ کر کے فیکٹری یا کارخانہ قائم کریں تو اس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے، اور اگر ان کے نمائندے زکاۃ کی رقم پر قبضہ کر کے ان کی اجازت سے فیکٹری یا کارخانہ قائم کریں اور چونکہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ سمجھا جاتا ہے اور وکیل کو موکل کی اجازت و صراحت کے مطابق ہر جائز تصرف کا اختیار ہوتا ہے، اس لئے یہ صورت بھی بلاشبہ جواز کی ہے۔

(ب) تمہیدی مباحث میں اس کے دلائل بیان کئے جاچکے۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

(ج) تملیک: زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک مستحقین ضروری ہے، اس کے بغیر زکاۃ ادا نہیں ہوگی، جیسا کہ تفصیل گزر چکی، جہاں تک زیر بحث مسئلے میں تملیک کی شرط پوری ہونے یا نہ ہونے کی بات ہے تو اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے کہ اگر خود زکاۃ دہندگان یا ان کے نمائندے فیکٹری یا کارخانے قائم کریں تو تملیک کی شرط پائی جائے گی۔

۲- اگر زکاۃ کی رقم سے رہائشی مکان یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور ان کو مالک نہ بنایا جائے تو زکاۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ زکاۃ کی بنیادی شرط تملیک کا فقدان ہے۔

۳- البتہ اگر فقراء و مساکین کو مکانات یا دکانیں زکاۃ کی رقم سے تعمیر کر کے دے دی جائے تو چونکہ اس صورت میں تملیک پائی جا رہی ہے، اس لئے یہ صورت جائز و درست ہے، زکاۃ ادا ہو جائے گی، اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے، اس لئے کہ کسی ایک فقیر کو اتنی مقدار دینا مکروہ ہے جس سے وہ فقیر صاحب نصاب ہو جائے، اور ظاہر ہے کہ مکان اور دکان جو رہائش اور تجارت کے لئے ہو وہ حوائج اصلیہ میں شامل ہے، نصاب میں اس کا شمار نہیں ہے۔



جدید مسائل و مشکلات کی روشنی میں زکوٰۃ کی سرمایہ کاری

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

اللہ تعالیٰ نے مالکان کو اپنے فرمان ”آتو الزکاة“ کے ذریعہ زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا ہے، اور یہ دینا مالک ہی بنانا ہے۔

یہ اور اس طرح کی دیگر دلیلوں کے پیش نظر فقہائے کرام نے تملیک فقیر کو زکوٰۃ کی صحت ادا کے لئے رکن قرار دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھیے: فتح القدر ۲/۲۰۲، بدائع ۲/۱۳۲، رد المحتار ۲/۳۲۲)۔

اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی بطور تملیک ہوتی ہے کہ نہ بطور اباحت، وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فقیر کو مال کا ایک حصہ دینا ہوگا، نہ کہ اس کی منفعت، کیونکہ منفعت مال نہیں ہے، پھر مالک بھی اس طرح بنانا ہوگا کہ زکوٰۃ دہندہ کا اس مال زکوٰۃ سے کوئی تعلق نہ ہو، بلکہ مستحق زکوٰۃ کو اس پر مالکانہ قبضہ حاصل ہو، نیز یہ عمل محض اللہ واسطے ہو۔

اب اگر تملیک نہ ہو، یا مال کے بجائے اس کی منفعت کی تملیک ہو، یا زکوٰۃ دہندہ کا اس مال زکوٰۃ سے تعلق باقی ہو، یا وہ لوجہ اللہ نہ ہو تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ان تفصیلات کی روشنی میں جو اب بات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- (الف) زکوٰۃ کی رقوم سے کارخانے فیکٹریاں قائم کر کے ان سے حاصل شدہ منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کرنا اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کرنا از روئے شرع درست نہیں ہوگا۔

☆ جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

(ب) اموالِ زکوٰۃ کے اس طرح کے استثمار و سرمایہ کاری کے عدم جواز کے کئی

اسباب ہیں:

اول: یہ کہ اس میں تملیک کا فقدان ہے جس کی وجہ سے فقراء ان کارخانوں کے ملازم ہوں گے نہ کہ مالک، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان تک زکوٰۃ کی اصل رقم نہ پہنچ کر اس کا نفع پہنچ رہا ہے، جبکہ زکوٰۃ میں فقیر تک اسی رقم کا پہنچنا ضروری ہوتا ہے، نہ کہ اس کے نفع کا۔

دوم: یہ کہ جو رقم تنخواہ کی شکل میں انہیں دستیاب ہوگی وہ معاوضہٴ محنت ہے، زکوٰۃ نہیں، اس لئے کہ زکوٰۃ فقراء کی حاجتوں اور ضرورتوں کو دفع کرنے کے لئے کسی معاوضہ کے بغیر دی جاتی ہے۔

سوم: یہ کہ اس صورت میں نبی اکرم ﷺ کے ارشاد: "تؤخذ من أغنيائهم فترد في فقرائهم" (مسلم ۳۶/۱) (زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء میں لوٹا دی جائے گی) کے ایک جزء "أخذ من الأغنياء" پر تو عمل ہو پائے گا مگر دوسرے جزء "رد في الفقراء" پر عمل نہیں ہو پائے گا، اس لئے کہ اس دوسرے جزء کو عملی شکل دینے کے لئے ضروری ہے فقیر کو مالِ زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ حاصل ہو جس کی ترجمانی "فتاویٰ عالمگیری" میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم مالم يقبضها أو يقبضها للفقير من له

ولاية عليه" (فتاویٰ ہندیہ ۱۹۰/۱)۔

(جب زکوٰۃ فقیر کو دے تو اس کی ادا ہوگی اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک وہ فقیر

یا اس کے لئے اس کا ولی قبضہ نہ کر لے)۔

چہارم: یہ کہ اس طرح کے کارخانوں کے قائم کرنے کے بعد ان کے صحیح ڈھنگ سے

چلانے کا مسئلہ ہوگا جو بہت مشکل اور نازک ہوگا، اس وجہ سے کہ ان میں صرف وہی لوگ ملازم ہو سکیں گے جو مستحق زکوٰۃ ہوں گے اور وہ دورانِ ملازمت غنی ہو گئے تو انہیں وہاں سے علیحدہ ہونا

لازم اور ضروری ہوگا اس وجہ سے کہ وہ جگہ ان کے لئے اب شرعی اعتبار سے درست نہیں رہی بلکہ اس جگہ کسی دوسرے مستحق زکوٰۃ کا تقرر کرنا لازم ہوگا اور یہ ارباب بست و کشاء کی ذمہ داری ہوگی کہ اس پہلو پر گہری نگاہ رکھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مستحق رہ جائیں اور غیر مستحق اس نظام سے مستفید ہوتے رہیں، یہ بہت ہی نازک مرحلہ ہے اور قوی اندیشہ ہے کہ زکوٰۃ کا غلط استعمال ہونے لگے۔

معاشرے کے دبے کچلے افراد کی سچی ہمدردی کا تقاضا تو یہ ہے کہ صدقات نافذ سے اس طرح کے کارخانے وغیرہ قائم کئے جائیں اور فقراء و مساکین اور ضرورت مند افراد کے لئے وقف کر دیئے جائیں۔

(ج) ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، ”رد المحتار“ میں ہے:

”يُصْرَفُ الْمَرْكُوعِي (إِلَىٰ كُلِّهِمْ أَوْ إِلَىٰ بَعْضِهِمْ تَمْلِيكًا) لَا إِبَاحَةَ فَلَا

يُكْفَىٰ فِيهَا إِلَّا طَعَامًا إِلَّا بِطَرِيقِ التَّمْلِيكِ وَلَوْ أَطْعَمَهُ نَاوِيَا الزَّكَاةَ كَمَا تَكْفَىٰ“
(رد المحتار ۶۸/۲، فتاویٰ ہندیہ ۱۸۸/۱، ہدایہ کتاب الزکوٰۃ)۔

زکوٰۃ دہندہ تمام مصارف یا بعض مصارف میں بطور تملیک صرف کرے نہ کہ بطور اباحت، چنانچہ مال زکوٰۃ میں کسی کو صرف بطور تملیک ہی کھلانا کافی ہوگا اور اگر کسی اپنے پاس زکوٰۃ کی نیت سے کھلایا تو کافی نہ ہوگا۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک کی شرط صرف فقہائے احناف ہی کے یہاں نہیں ہے،

بلکہ تمام مذاہب کے جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی اپنی کتاب ”الفقہ الاسلامی وادلتہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”تمام مذاہب کے جمہور فقہاء کا اتفاق ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر کردہ مصارف کے علاوہ

چیزوں میں زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے مثلاً مساجد، پلوں اور سہیلوں کی تعمیر، نہروں کی کھدائی، رستوں کی مرمت، مردوں کی تکفین، قرض کی ادائیگی، مہمانوں پر فریضی، شہر پناہوں کی تعمیر، سامان جہاد کی تیاری مثلاً جنگی کشتیوں کا بنانا، اور ہتھیار خریدنا اور اس طرح کے وہ کار خیر جن کا اللہ تعالیٰ

نے ذکر نہیں فرمایا ہے، جن میں تملیک نہیں ہے، (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۸۷۵)۔

واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں تملیک نہیں پائی جا رہی ہے۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو بغرض رہائش یا تجارت دے دی جائیں اور ان کو ان کا مالک نہ بنایا جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس وجہ سے کہ تملیک نہیں پائی گئی جو رکن ہے (بدائع الصنائع ۲/۱۳۲)۔

البحر الرائق میں ہے:

”زکوٰۃ کی ادائیگی صرف عین متقوم کی تملیک سے ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر کسی نے فقیر کو ایک سال اپنے گھر میں بنیت زکوٰۃ بسایا تو کافی نہ ہوگا، اس وجہ سے کہ منفعت عین متقوم نہیں ہے“ (۲۳۲/۲)۔

”ولو دفع إليه دارا يسكنها عن الزكاة لا يجوز“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۹۰/۱)۔

(اور اگر کسی نے رہنے کے لئے فقیر کو بطور زکوٰۃ کوئی گھر دیا تو جائز نہیں ہے)۔

اس لئے اس صورت میں اباحت کی صورت پائی جا رہی ہے، جب کہ ادائیگی زکوٰۃ کی صحت کے لئے تملیک ضروری ہے۔

۳- اگر فقراء کو زکوٰۃ کا مال دینے کے بجائے مال زکوٰۃ سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دیدیا جائے تو صحیح اور درست ہے، اس وجہ سے کہ اس میں فقراء کی ضرورت کا بھی لحاظ ہے اور تملیک بھی پائی جا رہی ہے، اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی کا ایک فتویٰ ہدیہ ناظرین ہے، حضرت لکھتے ہیں:

”پس اگر مکان بنوا کر دینا زیادہ مفید ہو تو مکان بنوا کر دے دینا بہتر ہوگا، البتہ مکان کی جولاگت و قیمت اصلی ہو وہی زکوٰۃ میں محسوب کیا جائے اور جو پیسہ ان کے نام لکھوانے اور زائد خرچ میں خرچ ہو جائے اور وہ رقم ان کی ملکیت میں نہ پہنچے وہ رقم اپنے پاس سے دی جائے،

زکوٰۃ میں محسوب نہ کی جائے“ (فتاویٰ نظامیہ اندریہ ۱/۲۰۲)۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کے ایک فتوے سے بھی یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے تحریر

فرماتے ہیں:

”اگر رقم مسکین کو نہیں دی، بلکہ اس رقم سے مکان خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہت نہیں، اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے، بلکہ کچھ حصہ دے، جب وہ تعمیر پر خرچ ہو جائے تو مزید کچھ حصہ دیدے، اس طرح تعمیر کی تکمیل کرادے“ (احسن الفتاویٰ ۳/۳۰۰)۔



استثمار زکوٰۃ کے مسائل

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی ☆

مصارف زکوٰۃ:

زکوٰۃ کے مصارف کتنے ہیں اور کون کون ہیں؟ کیا ان مصارف کے علاوہ دوسرے مصارف پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے ہیں، فقراء، مساکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب، غلاموں کو آزاد کرانا، قرض دار کی قرض کی ادائیگی کرنا، فی سبیل اللہ، ابن السبیل۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ، وابن السبیل فریضة من اللہ“ (سورۃ توبہ: ۶۰)۔

احادیث نبویہ اور حضرات مفسرین کی بیان کردہ تفاسیر اور فقہاء کے اقوال پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان آٹھ مصارف میں سواء عاملین کے دیگر تمام مصارف میں فقر کی شرط ہے، یعنی ان مصارف پر صرف کرنا اسی وقت جائز ہے، جبکہ فقر موجود ہو، البتہ یہ ایک مستقل بحث ہے کہ اس زمانہ میں ”مؤلفۃ قلوب“ مصارف زکوٰۃ میں ہیں یا یہ حکم منسوخ ہے، ان

☆ مفتی امارت شرعیہ، بہار ازیبہ و جہار کھنڈ، پٹنہ۔

مذکورہ بالا مصارف کے علاوہ دیگر کسی بھی مصرف میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، چنانچہ ”سنن ابوداؤد“ میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا اور صدقات کا سوال کرنے لگا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ صدقات و زکوٰۃ کے سلسلہ میں کسی نبی یا غیر نبی کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوا یہاں تک کہ خود ہی اس نے آٹھ مصارف بیان کر دئے، اگر تم ان آٹھ مصارف میں سے ہو تو تم کو میں تمہارا حق دوں گا، ورنہ نہیں، الفاظ یہ ہیں:

”فاتاه رجل فقال أعطني من الصدقة فقال له رسول الله ﷺ إن الله

لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات حتى حكم فيها هو فجزاها ثمانية أجزاء فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقه“ (ابوداؤد ۲۴۶۶ کتاب الزکوٰۃ)۔

اس روایت کو قدرے فرق کے ساتھ ”الجامع الاحکام القرآن للقرطبي“ میں ”دارقطنی“

کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، (دیکھئے: الجامع الاحکام القرآن للقرطبي ۱۰۷۳)۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم کے بیان کردہ مذکورہ مصارف کے

علاوہ دوسرے کسی بھی مصرف میں صرف کرنا گویا کہ اللہ کے فیصلہ کے خلاف صرف کرنا ہوگا جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

تملیک:

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے یا نہیں، اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کی رقم دے کر

مالک نہ بنایا جائے تو کیا زکوٰۃ ادا ہوگی؟ اس سلسلہ میں تقریباً ائمہ اربعہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک،

امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے،

مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم دے کر مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے: الجامع

لاحکام القرآن للقرطبي ۱۰۷۳، الاختيار لتعليل المختار ۱/۱۲۱، البحر الرائق ۲/۲۰۱)۔

یہی وجہ ہے کہ پل، مساجد، مدارس بنانے یا دیگر تعمیرات یا میت کے دین کی ادائیگی یا

مردوں کے کفن یا دیگر ان تمام مصارف پر صرف کرنا جائز نہیں ہے جن میں مالک بننے کی

صلاحیت نہ ہو، کیونکہ مذکورہ بالا تمام مصارف میں تملیک کا فقدان ہے (رد المحتار باب بالمصرف ۲/۶۲)۔

چونکہ تملیک ضروری ہے، اس لئے مجنون اور صبی غیر مراءق کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان دونوں میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہے، البتہ اگر ان دونوں کا ولی زکوٰۃ کی رقم پر ان کی طرف سے قبضہ کر لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

”وفى التملیک اشارة الى أنه لا یصرف الى مجنون و صبی غیر مراءق إلا إذا قبض لها من یجوز له قبضه کالأب والوصی وغیرهما“ (رد المحتار ۲/۶۲)۔

شافعیہ نے بھی مذکورہ مصارف پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کو جائز قرار نہیں دیا ہے، چنانچہ کتاب الأموال میں ہے:

”فأما قضاء الدين عن الميت والعطية فى كفته، وبنیان المساجد والاحتفار الأنہا روما أشبه ذلك من أنواع البحر فإن سفیان وأهل العراق وغیرهم من العلماء مجمعون على أن ذلك لا یجوز من الزکاة، لأنه لیس من الأصناف الثمانية“ (کتاب الأموال ۲/۷۳)۔

اس طرح کی وضاحت حنابلہ کی طرف سے بھی ملتی ہے:

”ولا یجوز صرف الزکوة الى غیر من ذکره الله تعالى من بناء المساجد والقناطر والسقایا وإصلاح الطرقات وسدا الثغور وتکفین الموتى..... وأشبه ذلك من القرب التی لم یذکرها الله تعالى“ (المغنی ۲/۲۶۷)۔

کتب فقہ مالکیہ میں بھی اس طرح کی صراحت ملتی ہے کہ ان مصارف پر صرف کرنا جائز نہیں ہے (دیکھیے: کتاب الاکان فی فقہ الدین)، چونکہ تملیک ضروری ہے، اس لئے اگر کسی کو زکوٰۃ کی رقم عاریہ دی جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی حتیٰ کہ فقہاء کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر کوئی

شخص زکاۃ کی رقم سے کھانا تیار کرائے، اپنے ساتھ کسی فقیر کو بیٹھا کر زکاۃ کی نیت سے کھلائے، اس کو دے کر مالک نہ بنائے تو اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ اگر کھانا اس کو دے کر مالک بنا دے تو زکاۃ ادا ہو جائے گی، ردالمحتار میں ہے:

”قوله تملکا فلا یکفی فیہا الإطعام إلا بطریق التملیک ولو أطمعه عنده ناویا الزکوة لا تکفی“ (ردالمحتار باب الصرف ۶۲/۲)۔
 منافع کی تملیک:

تملیک کی بحث کے تحت یہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ عین شی کا مالک بنانا ضروری ہے، منافع کا مالک بنایا جائے اور عین شی کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے مکان میں کسی فقیر کو ایک سال کے لئے زکاۃ کی نیت سے ٹھہرا دے تو اس سے زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

”وهو خاص بالأعبان فخرج تملیک المنافع، قال فی الکشف الکبیر فی بحث القدرة المیسرة الزکوة لا تتادی إلا بتملیک عین متقومة، حتی لو أسکن الفقیر دراه بنية الزکوة لا یجزئ؛ لأن المنفعة لیست متقومة“ (المحررات ۲۰۱/۲)۔

زکاۃ کی ادائیگی علی التراخی یا علی الفور:

ایک بحث یہ ہے کہ زکاۃ کی ادائیگی وجوب زکاۃ اور ادائیگی زکاۃ کی شرطوں کے پائے جانے کے فوراً بعد ضروری ہے، یا بعد میں زندگی میں جب بھی زکاۃ ادا کر دی جائے زکاۃ ادا ہو جائے گی، اس سلسلہ میں دونوں طرح کا قول ملتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ فوراً ادا کرنا ضروری ہے، اگر کسی شخص نے زکاۃ کی ادائیگی میں تاخیر کی تو وہ گنہگار ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ فوراً ادائیگی لازم نہیں، تاخیر سے بھی ادا کر سکتا ہے، حتیٰ کہ پوری عمر میں جب بھی ادا کر دے تو وہ ادا کرنے والا ہی سمجھا جائے گا۔

صاحب ”بدائع“ علامہ کا سانی فرماتے ہیں کہ اسی قول کو عام مشائخ نے اختیار کیا ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۳/۲)۔

”در مختار“ میں ہے کہ تراخی والے قول کو باقانی اور دوسرے حضرات نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور ”رد المحتار“ میں ہے کہ ”تا تاریخانیہ“ میں اسی قول کو صحیح کہا ہے، لیکن ”تنویر الابصار“ کے متن میں ”علی الفور“ والے قول کو مفتی بہ اور بلا عذر تاخیر کو ناجائز اور باعث گناہ قرار دیا ہے، اور یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ ایسے شخص کی شہادت رد کر دی جائے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے: الدر المختار ج ۲/۱۲-۱۳)۔

دونوں کے دلائل کیا ہیں اور کون سا قول راجح ہے اور وجہ ترجیح کیا ہے؟ اس تفصیل سے قطع نظر اتنی بات ضروری ہے کہ بلا عذر خواہ تاخیر کرنا غلط اور باعث گناہ ہے، تاخیر ایک دو روز کی بہت ہو سکتی ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ایک سال کی تاخیر مراد ہے، یعنی ادائیگی زکاۃ کی شرط پائی جانے کے بعد ایک سال تک زکاۃ ادا نہ کرنے والا گنہگار ہوگا (حوار سابق)۔

زکاۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقم کو جتنی جلد ممکن ہو مستحقین کے درمیان تقسیم کر دینا ضروری ہے، اس کو جمع کر کے رکھنا باعث گناہ ہے جو لوگ ایسے کریں گے وہ گنہگار ہوں گے۔

”فتاویٰ ہندیہ“ میں ہے:

”والواجب علی الأئمة أن یوصلوا الحقوق إلى أربابها ولا یحبسونها عنهم، ولا یجعلونها کنوزاً..... فإن قصر الأئمة فی ذلك فوالله علیهم“۔

ان چند تمہیدی بحثوں کے بعد سوالنامہ میں پیش کردہ سوالات کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

الف- اس طرح زکاۃ کی رقم سے فیکٹریاں اور کارخانے قائم کرنے کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ خود جن لوگوں پر زکاۃ فرض ہو وہ یا ان کے نمائندے زکاۃ کی رقم سے

فیکٹریاں یا کارخانے قائم کرے اور ان سے حاصل ہونے والے منافع فقراء و مساکین پر تقسیم کریں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فقراء و مساکین، یا ان کے نمائندوں کو زکوٰۃ کی رقم دے کر مالک بنا دیا جائے اور خود فقراء یا ان کے نمائندے ان کی اجازت سے فیکٹریاں، کارخانے قائم کریں۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ صرف کارخانہ اور فیکٹریاں مذکورہ مقصد کے تحت قائم کر دینے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے قرآن کریم کے بیان کردہ آٹھ مصارف میں سے کوئی بھی مصرف نہیں ہے، نیز تملیک مستحقین بھی نہیں پائی جا رہی ہے، اور خود زکوٰۃ کی جو تعریف کی گئی ہے وہ تعریف بھی صادق نہیں آتی، البتہ اگر اس صورت میں فیکٹریاں اور کارخانوں سے حاصل ہونے والے منافع کو خود قائم کرنے والے حضرات یا ان کے نمائندے فقراء و مساکین کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لیں تو جتنی رقم دیں اس کے بقدر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس لئے کہ جب تک زکوٰۃ کی رقم مستحقین تک نہیں پہنچائی گئی، بلکہ صرف فیکٹریاں اور کارخانے قائم کئے گئے تو وہ زکوٰۃ کی رقم ہی نہیں ہوئی، بلکہ ان کی ذاتی رقم ہوئی، البتہ جب حاصل ہونے والے منافع کی رقم کو زکوٰۃ کی نیت سے فقراء و مساکین کو دی جائے تو اب تملیک پائی گئی، اس لئے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، لیکن چونکہ اس صورت میں ادائیگی زکوٰۃ میں تاخیر ہوگی، اس لئے یہ طریقہ صحیح نہیں ہوگا اور باعث گناہ ہوگا۔

دوسری صورت میں، جبکہ خود فقراء و مساکین یا ان کے نمائندے فیکٹری یا کارخانہ قائم کریں تو چونکہ اس صورت میں خود فقراء و مساکین زکوٰۃ کے مصارف ہیں اور تملیک بھی پائی جا رہی ہے، اس لئے یہ صورت صحیح ہے، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگر خود فقراء و مساکین زکوٰۃ کی رقم پر قبضہ کر کے فیکٹری یا کارخانہ قائم کریں، اور چونکہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ سمجھا جاتا ہے اور وکیل کو موکل کی اجازت و صراحت کے مطابق ہر جائز تصرف کا اختیار ہوتا ہے،

اس لئے یہ صورت بھی بلاشبہ جواز کی ہے۔

(ب) تمہیدی مباحث میں اس کے دلائل ملاحظہ کر لیا جائے۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک مستحقین ضروری ہے، اس کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں

ہوگی، جیسا کہ تفصیل گزر چکی، جہاں تک زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری ہونے یا نہ ہونے کی بات ہے تو اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے کہ اگر خود زکوٰۃ دہندگان یا ان کے نمائندے فیکٹری یا کارخانے قائم کریں تو تملیک کی شرط پائی جائے گی۔

۲۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے رہائشی مکان یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش اور تجارت کے لئے دی دی جائیں اور ان کو مالک نہ بنایا جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ زکوٰۃ کی بنیادی شرط تملیک کا فقدان ہے۔

۳۔ البتہ اگر فقراء و مساکین کو مکانات، یا دوکانیں زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر کر کے دے دی جائے تو چونکہ اس صورت میں تملیک پائی جا رہی ہے، اس لئے یہ صورت جائز و درست ہے، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے، اس لئے کہ کسی ایک فقیر کو اتنی مقدار دینا مکروہ ہے جس سے وہ فقیر صاحب نصاب ہو جائے، اور ظاہر ہے کہ مکان اور دکان جو رہائشی اور تجارت کے لئے ہو وہ حوائج اصلیہ میں شامل ہے، نصاب میں اس کا شمار نہیں ہے۔



زکوٰۃ کے نئے مسائل

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے احوال اور ان کی ضروریات سے خوب باخبر ہے، اس نے انسانوں کے مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے افراد و اشخاص کے مابین فرق مراتب رکھے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وہو الذی جعلکم خلائف الأرض و رفع بعضکم فوق بعض درجات لیلوکم فیما آتاکم ان ربک سریع العقاب وإنه لغفور رحیم“ (سورۃ انعام: ۱۶۵)۔
 علامہ قرطبی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”(ورفع بعضکم فوق بعض) فی الخلق والرزق والقوة والبسطة، والفضل والعلم“ (تفسیر قرطبی ۱۵۸/۳) چنانچہ صحت و تندرستی، مرض اور کمزوری، قوت و ضعف، منصب و جاہ علم و فضل اور غنا و مالداری، اور تنگدستی و مفلوک الحالی ان سبھی امور میں بندوں کے مابین فرق مراتب پایا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت اور اس کے علم سے ہے۔ ”ان ربک یسط الرزق لمن یشاء ویقدر، إنه کان بعبادہ خبیراً بصیراً“ (سورۃ اسراء: ۳۰)۔

لیکن اس فرق مراتب کے باوجود، ایک کو دوسرے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں بنایا، بلکہ ان کے درمیان اخوت و بھائی چارگی، اور رحم و غمخواری کا جذبہ پیدا فرمایا، اور اس کے ذریعہ ربط باہم قائم رکھا، چنانچہ متعدد آیات میں مالی تعاون کا حکم مختلف انداز سے ملتا ہے: ”وأتوا

☆ محلہ رگھوناتھ پورہ، ممبئی۔

حقہ یوم حصادہ“ (سورۃ انعام: ۱۳۱) ”و آت ذالقربی حقہ“ (سورۃ اسراء: ۲۷) ”وفی أموالہم حق للسانل والمحرور“ (سورۃ معارج: ۲۴) جیسی آیات میں یہ ہدایت موجود ہے کہ آدمی کے مال میں رشتہ داروں، پڑوسیوں، فقراء و مساکین کا حق ہوتا ہے، اسی طرح کا ایک حق اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر زکوٰۃ کی صورت میں فرض کیا ہے اور اس کی زبردست تاکید فرمائی ہے، حتیٰ کہ ایمان اور نماز کے ساتھ متصل اس کا ذکر فرمایا ہے، اور ان متقیوں کی نمایاں صفات میں اس کا ذکر فرمایا ہے جو قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرتے ہیں، جیسا کہ ”سورۃ بقرہ“ کی تیسری آیت: ”الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلاۃ و مما رزقناہم ینفقون“ (سورۃ بقرہ: ۳) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے ”الزکاۃ المفروضۃ لمقارنتہا الصلاۃ“ (قرطبی ۱۷۹/۱)۔

نیز احادیث مبارکہ میں اسے اسلام کے ان ارکان میں شمار کیا گیا ہے جس پر دین اسلام کی بنیاد قائم ہے (دیکھئے: صحیح مسلم باب ارکان الاسلام)۔

چنانچہ اس زکوٰۃ کے بعد مالک حقیقی کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی معاشرہ کی اصلاح اور اقتصادی قوت حاصل ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو مال کی ایک مخصوص مقدار (نصاب) یا اس سے زائد کے مالک اور اس مال پر ایک مخصوص مدت (حول) گزر جائے تو اس کا ایک مخصوص (چالیسواں) اپنی ملکیت سے نکال کر ایک طبقہ (مصارف زکوٰۃ) یا ان میں سے کسی کی ملکیت میں بلاعوض، محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے دینا فرض قرار دیا ہے، جس سے ان کمزور اور تنگدست لوگوں کے نظام معیشت میں قوت پیدا ہو (رد المحتار ۱۷۱/۳)۔

جس سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ مال کا وہ حصہ جو زکوٰۃ کے طور پر ادا کیا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ

۱- مال کا اصل مالک اس حصہ کو اپنی ملکیت سے خارج کر دے اور اس پر کسی طرح کے

تصرف کا حق نہ رکھے۔

۲- اور اس حصہ کا مالک کلی طور پر کسی مصرف زکوٰۃ کو بنادے جس پر اس مصرف زکوٰۃ فقیر وغیرہ کو تصرف کا پورا اختیار ہو۔

۳- نیز یہ اخراج مال اور تملیک، بلا عوض خالصۃً لوجه اللہ تعالیٰ ہو۔

۱- (الف) اس لئے رقوم زکوٰۃ کا استثمار، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے گا، شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہونا چاہئے۔

(ب) اس لئے کہ مذکورہ صورت میں رقوم زکوٰۃ اصالتاً مصارف زکوٰۃ کی ملکیت میں داخل نہیں ہو رہی ہے، بلکہ ان رقوم کا نفع ان کو مل رہا ہے جو ایک زائدہشی ہے، یعنی رقوم زکوٰۃ اصل مالک کی ملکیت سے خارج ہے، لیکن ان کی تملیک نہیں پائی گئی۔

اسی طرح ملازمت کا موقع فراہم کرنا بھی ایک زائدہشی ہے، اصل رقم زکوٰۃ نہیں ہے، نیز ملازمت کی صورت میں جو تنخواہ اور معاوضہ ملے گا وہ اجرة العمل اور حق المحنت ہوگا، لہذا تملیک رقم زکوٰۃ نہیں پائی گئی۔

اور یہ صورت کہ منتظمین کارخانہ کو فقراء اور مصارف زکوٰۃ کا وکیل مان لیا جائے جن کا قبضہ مصارف کا قبضہ اور ملکیت تسلیم کی جائے، جیسا کہ منتظمین مدارس عربیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے، اس پر شرح صدر نہیں، کیونکہ آج کل اس کا غلط فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، بلا ضرورت دینی، اس رقم کا حیلہ کر کے اور مصارف زکوٰۃ کو محروم کر کے اس رقم کو منمائی طور پر، بلکہ اب تو عصری اسکولوں پر صرف کیا جاتا ہے اور محسوس یہ ہوتا ہے کہ فریضہ زکوٰۃ کے ساتھ مذاق ہو رہا ہے، الحمد للہ مسلمانوں کے پاس بھی دولت ہے، غیروں کی طرح وہ بھی زکوٰۃ کے علاوہ رقم سے سوالنامہ میں مذکورہ صورت حال کا تدارک کر سکتے ہیں۔

(ج) ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے: "و یشرط أن یکون

الصرف تملیکاً لا إباحة فلا یکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک ولو أطمع عنده ناویا الزکاة لا تکفی“ (شامی ۲۹۱/۳)۔

زکوٰۃ کی نیت سے مستحق زکوٰۃ کو اپنے یہاں کھانا کھلانے کو ادائیگی زکوٰۃ تسلیم نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ صورت اباحت کی ہے تملیک کی نہیں، لہذا معلوم ہوا کہ تملیک ضروری ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء اور مستحقین زکوٰۃ کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائے اور انہیں ان مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، کیونکہ مذکورہ صورت میں تملیک نہیں پائی گئی، بلکہ اباحت کی صورت ہوئی ”قال فی الكشف الكبير فی بحث القدرة المیسرة الزکاة لا تنافی إلا بتملیک عین متقومة حتی لو أسکن الفقیر داره سنة بنية الزکوة لا یجزئہ، لأن المنفعة لیست بعین متقومة“ (البحر الرائق ۲/۲۳۳)۔

یعنی زکوٰۃ عین متقومہ کی تملیک کے بغیر ادا نہیں ہوگی اور نفع اٹھانا استفادہ کرنا عین متقومہ نہیں ہے اور اوپر عبارت گزر چکی ہے کہ ”ویشترط أن یكون الصرف تملیکا لا إباحة“ (تصرف کا حق مالکانہ ہونا چاہئے، اباحت کا نہیں) (شامی ۲۹۱/۳)۔

۳۔ ایسے فقراء و مستحقین زکوٰۃ جن کے پاس رہائشی مکان نہ ہو یا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو تو اس فقیر کو زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر یا دوکان بنا کر ان کی ملکیت میں دینا جائز ہوگا اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس لئے کہ مکان یا دوکان مال متقوم ہے اور تملیک کی شرط بھی پوری ہو رہی ہے۔

اس قسم کا ایک فتویٰ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب کا بھی موجود ہے جس میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے مکان بنا کر مستحقین کو دے دیا جائے اور قبضہ کرا دیا جائے تو شرعاً یہ زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

مفتی صاحب تمہید کے بعد لکھتے ہیں: ”پس اگر مکان بنا کر دینا زیادہ مفید ہو تو مکان بنا

اگر دینا بھی بہتر ہوگا، مکان کی جولاگت و قیمت اصلی ہو وہی زکوٰۃ میں محسوب کیا جائے اور جو پیسہ ان کے نام لکھوانے میں اور زائد ضرورت میں خرچ ہو جائے اور وہ رقم ان کی ملک میں نہ پہنچے وہ رقم اپنے پاس سے دی جائے، زکوٰۃ میں محسوب نہ کیا جائے۔



زکوٰۃ کی بچی ہوئی رقم میں سرمایہ کاری

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی ☆

اس میں دورانیں نہیں ہو سکتیں کہ زکوٰۃ صرف ان آٹھ مدت میں صرف ہوگی، جن کا قرآن میں تذکرہ ہے، البتہ اس امر میں اجتہاد کی گنجائش ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی سے لیکر اس کی تقسیم کے درمیان جو مدت ہو سکتی ہے، اس میں کسی قصیر المدت استثمار کا موقع ہے تو اسے کیا جائے یا نہیں؟ اسی طرح اگر مستحقین زکوٰۃ کی فلاح و بہبود کا تقاضا ہو تو کیا وہ شکلیں اختیار کی جا سکتیں ہیں جن کا سوالنامہ میں ذکر ہے، رقم کے نزدیک اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو زکوٰۃ کی جو رقم فوری ضرورتوں سے فاضل ہو، سرمایہ کاری میں استعمال کی جا سکتی ہے، ضرورتیں کچھ تو فوری ہوتی ہیں اور کچھ میں توقف کیا جا سکتا ہے، اسی طرح سرمایہ کاری کی بعض شکلیں قصیر المدت، بلکہ فوری ہوتی ہیں اور بعض متوسط المدت یا طویل المدت ہوتی ہیں، فوری ضرورتوں کو نظر انداز کر کے رقم کی سرمایہ کاری صحیح نہیں ہوگی، البتہ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے درمیان وقفہ ہو تو اس وقفہ میں مراہمی کے طور پر تمویل صحیح ہوگی کہ اس درمیان سرمایہ بے کار پڑا ہوگا اور اس کے استعمال میں فقراء کی مصلحت ہے، فوری ضرورتوں کی تکمیل سے فاضل سرمایہ کو طویل المدت ضرورتوں کی تکمیل کے سلسلہ میں سرمایہ کاری بھی کی جا سکتی ہے، مگر اس کا فیصلہ اور انتظام افراد پر نہیں چھوڑا جا سکتا، بلکہ یہ اولوالامر (مسلمانوں کے ارباب حقوق) اور مجلس شوریٰ کے طے کرنے اور انجام دینے کا کام ہے، یا زکوٰۃ کے ایسے ادارے جنہیں عامۃ المسلمین کے منتخب نمائندے چلاتے ہوں، باہمی

☆ جدہ، سعودی عرب۔

مشورہ سے فقراء المسلمین کی صلاح و فلاح کے لئے مختلف مشارع میں سرمایہ کاری کر سکتے ہیں اب ذیل میں اس سے متعلق اٹھنے والے سوالات کے جواب درج ہیں:

۱- (الف) زکوٰۃ قرآن میں مذکورہ اصناف ثمانیہ کے لئے مشروع کی گئی ہے، جن میں فقراء و مساکین مقدم ہیں ان اصناف کی کچھ فوری ضرورتیں ہو سکتی ہیں ان کی تکمیل کو مؤخر نہیں کیا جاسکتا، انہیں روک کر کسی طویل المدت پر وجیکٹ میں سرمایہ کاری کی اجازت نہیں دی جاسکتی، البتہ فوری ضرورتوں سے فاضل رقوم یا غیر موجود اصناف کے آئندہ پائے جانے کی شکل میں ان کی ضرورتوں کی بہتر تکمیل کے لئے کوئی سرمایہ کاری کرنا درست ہوگا، جیسا کہ سوالنامہ کی تمہید میں بعض ضرورتوں اور مصلحتوں کی طرف اشارہ ہے، اس طرح کے پروجیکٹ کا تمام تر نفع ان ہی اصناف ثمانیہ کے لئے مخصوص ہوگا، ملازمت میں بھی فقراء و مساکین کو ترجیح دی جائے گی، البتہ اگر اس گروہ میں مطلوبہ مہارت و علم رکھنے والے نہ ملیں تو دوسروں کو ملازم رکھا جاسکے گا، جو اپنی محنت کی اجرت پائیں گے۔

(ب) حضرت عمرؓ نے یتیم کے ولی کو نصیحت کی کہ اس کے مال کو تجارت وغیرہ میں لگائے کہ کہیں زکوٰۃ کی ادائیگی اسے ختم نہ کر دے، اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اموال زکوٰۃ کے ولی کے لئے بھی ضروری ہے یا کم از کم جائز ہے کہ فوری ضرورت سے فاضل رقوم کو استثمار کی غرض سے استعمال کرے تاکہ اس میں اضافہ ہو اور اس سے زیادہ سے زیادہ مستحقین بہرور ہو سکیں اور افراط زر کے اس دور میں اس کی مالیت کم نہ ہو جائے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بیت المال کے لئے مدینہ منورہ کوئی رقوم بھیجی تھی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے دو فرزندوں کو اجازت دی کہ اسے مدینہ لے جاتے ہوئے راستے میں اس سے تجارت کر سکتے ہیں وہاں پہنچ کر جب انہوں نے صرف اصل بیت المال میں جمع کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے پورا نفع بھی جمع کرنے کو کہا اور آخر میں اس معاملہ کو مضار بہ قرار دیکر صرف آدھے نفع پر اکتفاء کیا، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال یا صدقات کی رقم کسی کو مضاربت پر دی جاسکتی ہے، رقوم زکوٰۃ کی وصولی اور صرف

کے درمیان اتنی مدت ہو سکتی ہے کہ اس سے مزاحمہ جیسے قصیر المیعاد استثمارت کئے جا سکیں طویل المیعاد سرمایہ کاری کی تبھی اجازت ہے جبکہ فوری ضرورت کسی حد تک پوری ہوگئی ہوں اور مصلحت راجحہ کا تقاضا ہو کہ ایسی سرمایہ کاری کی بات کی جائے، اور یہ بات کہ فقراء و مساکین کو اپنے پیروں پر کھڑا کیا جائے بے کاروں کو کام سے لگایا جائے اور مستقل دست سوال دراز کرنے سے بچایا جائے بہت بڑی مصلحت ہے جس کی تائید مختلف احادیث سے کی جاسکتی ہے، اس لئے فوری ضرورتوں اور آئندہ کی مصلحتوں کے درمیان توازن قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

(ج) تملیک کے سلسلہ میں جو دلائل دیئے جاتے ہیں راقم کے نزدیک وہ قطعی و مستکت نہیں ہیں، اس لئے اس کو ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط یا ضروری رکن نہیں قرار دیا جاسکتا، زیادہ سے زیادہ اسے عام حالات میں افضل و احوط کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر مصلحت راجحہ تملیک مباشر کے حق میں نہ ہو تو تملیک غیر مباشر پر بھی اکتفاء کیا جاسکتا ہے، رقوم زکوٰۃ کے استثمار میں اصل اور نفع کے حق دار اور مالک انجام کار اصناف ثمانیہ ہی ہوں گے، زیر بحث مسئلہ میں بھی تملیک کی یہ عمومی شرط پوری ہو رہی ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی رقوم سے کارخانہ اور فیکٹری جو قائم ہوگی وہ فقراء و مساکین اور دوسرے مستحقین زکوٰۃ کے لئے ہوگی، اس کا نفع انہیں پر خرچ ہوگا اور ان کل کارخانوں کے خاتمہ پر جو کچھ حاصل ہوگا وہ فقراء و مساکین میں تقسیم ہوگا ان استثمارات میں اگر اس بات کی صراحت نہ ہو تو ایسا کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

تملیک سے متعلق یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اگر ہم آیت ”انما الصدقات للفقراء“..... الخ میں لام کو برائے تملیک مانیں تو بھی آٹھ مدت میں سے صرف چار کے لئے یہ ضروری ہوگی تو یا نصف یا پچاس فیصد مستحقین زکوٰۃ کے لئے تملیک کے بجائے ان کے مصالح میں زکوٰۃ صرف کرنا ہے، اس طرح زکوٰۃ کی آدھی رقوم کو دیگر مستحقین کے پیش نظر سرمایہ کاری کرنا ان حضرات کے اعتبار سے یہی صحیح ہونا چاہئے جو تملیک کے قائل ہیں ”فی“ سے شروع ہونے والے مستحقین کے نہ پائے جانے کی صورت میں بالآخر ان استثمار کے اصل اور منافع کا

مالک قسم اول کے مستحقین کو بنا دیا جائے گا۔

تملیک کے قابل اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اسے شرط قرار دینے والے حضرات کی طرف سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ فقراء و مساکین جو جملہ مستحقین کے ایک چوتھائی کی نمائندگی کرتے ہیں ان کے لئے کم از کم جملہ رقوم زکوٰۃ سے ایک چوتھائی الگ کر دیا جائے اور ان کی فوری ضرورتوں کے لئے اس کا انہیں مالک بنایا جائے۔ ”لام“ سے شروع ہونے والے دو اور مستحقین ”عالمین علیہا“ اور ”مؤلفۃ قلوبہم“ کے لئے رقم کی تخصیص اور ادائیگی کی شکل حکومت کے ارباب حل و عقد پر منحصر ہوگی، بقیہ تین چوتھائی میں سے طے کیا جائے کہ کتنا سرمایہ کاری کے لئے مخصوص کیا جائے اور کتنا مزید فوری طور پر فقراء و مساکین اور عالمین پر صرف کیا جائے۔

سوال (۲) سوال میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ مکانات یا دکانیں فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے بغیر مالک بنائے مفت دی جائیں، یا کرایہ پر، مفت دیئے جانے کی شکل میں انہیں مالک بنانا ضروری ہے، انہیں مفت دیا جانا ان کے استحقاق کی بناء پر ہوگا، اگر مالک نہ بنایا گیا تو ایسے مینوں یا تاجروں کے کل مالدار (صاحب نصاب) ہونے کی شکل میں انہیں خالی کرنا ہوگا، جو وجہ مشقت اور باعث نزاع ہوگا۔ اگر کرایہ پر دیا تو گویا وہ دکانیں تمام مستحقین زکوٰۃ کی مشترکہ ملکیت سمجھی جائیں گی اور ان کا شخص قانونی مالک ہوگا اور اس طرح وصول کیا جانے والا کرایہ اس ادارہ سے ہو کر خواہ اس ملکین ہی پر براہ راست یا کسی خدمت (بجلی پانی، صفائی) کی شکل میں صرف ہو یا دوسرے زیادہ غریب لوگوں پر اس سے رہنے والے کے آئندہ صاحب نصاب ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، جہاں تک زکوٰۃ کا ادائیگی ہو جانے کا سوال ہے تو جب اسلامی حکومت یا مسلمانوں کی اپنی تنظیم کو زکوٰۃ دیدے گی تو وہ ادا ہوگی اب یہ اس ادارہ یا تنظیم کی ذمہ داری ہوگی کہ صحیح اور بہتر شرعی مصرف میں خرچ کرے۔

سوال (۳) اگر مصلحت متقاضی ہو تو فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے انکی ملکیت میں دی جاسکتی ہیں، بلکہ

بعض حالات میں یہ ضروری ہو سکتا ہے تملیک کے قائلین کی طرف سے بھی اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ کی رقم سے تیار ہونے والے مکان کے فقراء مالک ہو گئے اور انہیں وہ چیز حاصل ہو گئی جو متفرق زکوٰۃ وصول کرنے سے شاید ہی کبھی حاصل ہوتی۔



اموال زکاۃ کا استثمار اور تملیک کی بعض صورتیں

مولانا ابوالعاص و حیدی ☆

تمہیدی بحث:

قرآن کریم میں عشر و زکاۃ کے مصارف متعین کردئے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَالَمِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلُفَةُ

قُلُوبِهِمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ، وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ سَبِيلٍ“ (سورہ توبہ: ۶۰)۔

(صدقات تو بس محتاجوں، مسکینوں، عالمین صدقات اور تالیف قلب کے مستحقین کے

لئے ہیں، اور اس لئے کہ یہ گردنوں کے چھڑانے، تاوان زدہ لوگوں کے سنبھالنے، اللہ کی راہ اور

مسافروں کی امداد میں خرچ کئے جائیں گے)۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ خود اسلامی ریاست بھی

مصارف زکاۃ میں کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے

ہیں ایک بار ایک آدمی نے آ کر آپ ﷺ سے زکاۃ کے مال میں سے کچھ مانگا تو آپ نے فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَرْضَ بِحَكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ، حَتَّى يَحْكُمَ فِيهَا

هُوَ، فَجَزَاهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ، فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أُعْطِيَتْكَ

حَقِّكَ“ (ابوداؤد کتاب الزکاۃ)۔

(اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کے مال میں کسی کا یہاں تک کہ نبی کا دخل بھی پسند نہیں کیا، بلکہ اس

☆ سدھارتھ نگر، یوپی۔

نے خود اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا، اب اگر تو ان آٹھ میں سے ہو تو میں تجھے تیرا حق دے دوں گا۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی عشر و زکاۃ کے متعین مصارف پر بحث کرتے ہوئے ایک بڑی اہم بات لکھتے ہیں ملاحظہ ہو:

”ان تصریحات سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ اموال زکاۃ کے سلسلہ میں ریاست کے مالکانہ حقوق محض برائے نام ہیں، ورنہ اس کی اصل حیثیت معاشرہ کے مالدار افراد ہے ان کی زائد از ضرورت و دولت کے ایک حصہ کو معاشرہ کے ضرورت مند طبقہ کی طرف منتقل کر دئے جانے والے مال کی ہے۔“

اس تمہیدی بحث کے بعد اب ہم زکاۃ کے نئے مسائل کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے سوالات کے جوابات اختصار سے لکھ رہے ہیں:

۱- (الف) زکاۃ کی ادائیگی انفرادی طور پر بھی ہو جاتی ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ اموال زکاۃ کا اجتماعی نظام ہو خاص طور پر دور حاضر میں دنیا کے اکثر مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی کے پیش نظر اجتماعی نظام بہت ضروری ہے، اگر زکاۃ کا اجتماعی نظام ہو تو زکاۃ کی رقوم کا استثمار درست ہے، یعنی زکاۃ کی رقوم سے اس مقصد کے تحت کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنا درست ہے کہ ان کے منافع کو مستحقین زکاۃ میں تقسیم کیا جائے اور ان میں محتاجوں کو ملازمت دی جائے۔

(ب) تمہیدی بحث میں قرآن مجید کے حوالہ سے زکاۃ کے آٹھ مصارف کا جو تذکرہ کیا گیا ہے۔ اگر قرآن مجید کے اسلوب بیان پر غور کیا جائے تو اموال زکاۃ کے استثمار کے دلائل اور اسباب و وجوہ پر واضح طور پر روشنی پڑتی ہے، اس سلسلہ میں مشہور مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے بڑی اچھی بحث کی ہے میں ان کے طرز استدلال سے اتفاق کرتے ہوئے ان کی پوری بحث یہاں نقل کر رہا ہوں:

ہمارے فقہاء کا ایک گروہ ”انما الصدقات للفقراء“ کے ”ل“ کو تملیک ذاتی کے مفہوم کے لئے خاص کرتا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ صدقات و زکاۃ کی رقوم فقراء و مساکین کی کسی ایسی اجتماعی بہبود پر صرف نہیں ہو سکتیں جس سے ملکیت یا تو کسی کی بھی قائم نہ ہو لیکن اس کا فائدہ بحیثیت مجموعی سب کو پہنچے ہمارے نزدیک یہ رائے کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں ہے، اول تو ”ل“ کچھ تملیک ہی کے معنی کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ یہ متعدد معانی کے لئے آتا ہے، اور ان سب معانی کے لئے یہ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے، تملیک ذاتی ہی کے معنی کے لئے اس کو خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، آخر بہبود نفع رسانی اور استحقاق کے معانی کے لئے بھی جب اس کا استعمال معروف ہے تو ان معانی میں یہ کیوں نہ لیا جائے، پھر اس میں آپ نے دیکھا کہ بعض چیزیں ”فی“ کے تحت بیان ہوتی ہیں اور ”فی“ کا متبادل مفہوم تملیک نہیں، بلکہ خدمت رفاہیت اور بہبودی ہے، علاوہ ازیں یہ امر بدیہی ہے کہ صرف تملیک ذاتی کی صورت میں غرباء کو جتنا فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے اس سے کہیں زیادہ نفع ان کو بعض حاجات میں اس صورت میں پہنچایا جا سکتا ہے جب کہ ان کی اجتماعی بہبود کے لئے بڑے بڑے کام کئے جائیں، پھر تملیک ذاتی کے ساتھ اس کو خاص کر کے اس نفع کو محدود کیوں کیا جائے، (تدبر القرآن ۳/۵۹۳)۔

اس نقطہ نظر کا اظہار اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے جناب شمس پیرزادہ نے بھی ”دعوة القرآن“ میں کہا ہے اور ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے بھی اموال زکاۃ کے استعمار کو درست قرار دیا ہے، انہوں نے اموال زکاۃ کی تقسیم کے بارے میں ایک اختلاف ذکر کیا ہے کہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ فقراء و مساکین کو محدود مقدار میں زکاۃ دی جائے، دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ تحدید کے بغیر انہیں دیا جائے جو عمر بھر کے لئے کافی ہو اس گروہ کا استدلال حضرت عمر فاروق کے اس اعلان سے بھی ہے: ”إِذَا أُعْطِيتُمْ فَأَعْنُوا“ (اتنادو کہ بے نیاز کرو) (کتاب الاموال ۵۶۵)۔

اس سے استدلال کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

”اس بنا پر ایک مسلم ریاست اموال زکاۃ سے کارخانے، مکانات، تجارتی ادارے

وغیرہ قائم کر سکتی ہے جن کا مالک غریبوں کو بنایا جائے تاکہ ان وسائل سے جو آمدنی اس سے ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں ان چیزوں کو بیچنے یا ملکیت کو منتقل کر نیکا انہیں حق نہ ہو، بلکہ ان کے لئے گویا وہ وقف قرار پائیں“ (فقہ الزکوٰۃ ۷۹ ص ۳)۔

(ج) اس شق کا جواب واضح ہو چکا ہے کہ زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ذاتی ضروری نہیں ہے، لہذا تملیک ذاتی کی شرط پوری ہوگی کہ نہیں اس پر بحث کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ مختلف مدارس کے محصلین زکاۃ کی جو رقم اکٹھا کرتے ہیں یا مدارس کے ناظم کے پاس زکاۃ کی جو رقم آتی ہیں کیا ان دونوں صورتوں میں تملیک ذاتی کی شرط پوری ہوتی ہے؟ یہاں صحیح بات یہ ہے کہ زکاۃ دینے والوں کی طرف سے زکاۃ کی ادائیگی ہوگی چونکہ وہ اس حسن ظن کی بنا پر زکاۃ محصلین یا انضمام کو دیتے ہیں کہ وہ مستحقین تک پہنچ جائے گی، لہذا فریضہ ان سے ساقط ہو گیا اور وہ عند اللہ ضرور ماجور ہوں گے ان شاء اللہ۔

۲۔ زکاۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دی جائیں اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تب بھی زکاۃ کی ادائیگی ہو جائے گی، اس لئے کہ آیت: ”انما الصدقات للفقراء“ میں ”ل“ تملیک کے لئے نہیں ہے، بلکہ منفعت کے لئے ہے جس کا قرینہ دوسرے بعض مصارف میں ”فی“ کا استعمال ہے تو جب اموال زکاۃ مستحقین کی فلاح و بہبود میں خرچ ہو رہی ہے اور یہی نظام زکاۃ کی اصل روح ہے، لہذا زکاۃ کی ادائیگی ہوگی۔

۳۔ فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کی بجائے اگر ان کیلئے زکاۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دیدی جائیں تو یہ شرعی طور پر جائز ہوگا مجھے اس میں کوئی شرعی قباحت نظر نہیں آتی، بلکہ عمر فاروق کے اس اعلان ”اذا أعطیتم فاعنوا“ سے فی الجملہ اس نقطہ نظر کی پوری تائید ہو رہی ہے۔

میں اس موقع پر علامہ نووی کی ایک تحریر ذکر کر رہا ہوں جس سے کسی حد تک ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

”فقراء و مساکین کو اتنا دیا جائے کہ انہیں احتیاج سے غنا کی طرف لائے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے، جبکہ ان کی ضرورت دائمی طور سے پوری کر دی جائے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مانگنے کی اجازت اس وقت تک کے لئے دی ہے جب تک کہ اس کی ضرورت پوری نہ ہو جائے، لہذا اگر ایسے شخص کا کوئی کاروبار ہو تو اسے اتنا دیا جائے کہ وہ اس سے کاروبار یا اشیاء یا آلات حرفت خرید سکے، تاکہ اس کاروبار کے ذریعہ وہ بقدر ضرورت منافع کما سکے، لیکن اگر وہ نہ کاروبار کرنا جانتا ہو اور نہ کسب معاش کی کوئی دوسری صورت اختیار کر سکتا ہو تو ایسی صورت میں اس کو اتنا دیا جائے جو تا عمر اس کے لئے کافی ہو“ (المجموع ۶/ ۱۹۳-۱۹۵، بحوالہ فقہ الزکوٰۃ ۳۷۹)۔

اموال زکاۃ سے جو مکان یا دوکان تعمیر کی جائے اس کے بارے میں ایسا بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس کے مالک فقراء و مساکین ضرور ہوں، مگر اس کی حیثیت وقف کی ہو، جیسا کہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے لکھا ہے۔



مالِ زکوٰۃ کا استثمار

مولانا راشد حسین ندوی ؒ

اموالِ زکوٰۃ کے استثمار کا مطلب سوالنامہ اور استثمار کی تعریف کی روشنی میں یہ ہوا کہ کارخانہ وغیرہ لگا کر اصل مالِ زکوٰۃ کو باقی رکھا جائے مستحق کی ملک میں نہ دیا جائے، البتہ مستحق کو اس کی آمدنی سے دیا جائے۔

استثمار مالِ زکوٰۃ کا حکم:

اس معنی میں مالِ زکوٰۃ کا استثمار احقر کے نزدیک درست نہیں ہے، اس لئے کہ ادائیگیِ زکوٰۃ کی بنیادی شرط جمہور کے نزدیک تملیکِ مستحق ہے، اور وہ یہاں مفقود ہوگی، البتہ جواز کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مالِ زکوٰۃ اور دوسری مدوں کے مشترکہ سرمایہ کے کارخانہ قائم کیا جائے، اس میں جتنا حصہ مالِ زکوٰۃ کا ہو اس کے مناسب مقدار میں حصص (شیرز) کر کے مستحق کو باقاعدہ ان کا مالک بنا دیا جائے اور بقیہ رقوم کے شیرز کی کل آمدنی، نیز مالِ زکوٰۃ کے شیرز کا طے شدہ منافع منسوبہ بند طریقہ سے سوال میں درج مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

(ب) عدم جواز کے دلائل:

(۱) شق (ج) کے تحت یہ بات تفصیل سے آئیگی کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے جمہور کے نزدیک تملیکِ مستحق ضروری ہے، اور اس شکل میں تملیک کی شرط مفقود ہوگی، اس لئے کہ کارخانہ مستحق کی ملک اور قبضہ میں نہیں ہوگا۔

۲۰ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی۔

(۲) استثمار کی شکل میں مال زکوٰۃ کو دیر تک روکنا لازم آئے گا، حالانکہ نبی کریم ﷺ مال زکوٰۃ کو روکنا پسند نہیں فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ کو ایک رات بھی مال زکوٰۃ روکنا گوارا نہیں تھا، بخاری کی یہ روایت ملاحظہ ہو:

”عن عقبۃ بن الحارثؓ قال: صلی بنا النبی ﷺ العصر فأسرع ثم دخل البيت فلم يلبث أن خرج فقلت أو قيل له فقال: كنت خلفت في البيت تبرأ من الصدقة فكرهت ان ابنته فقسمتها“ (بخاری مع الفتح باب من أحب تعجيل الصدقة ۳۵۱/۳)۔

(حضرت عقبہ ابن حارث فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو عصر کی نماز پڑھائی تو آپ نے جلدی کی پھر گھر میں تشریف لے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں باہر نکلے تو میں نے کہا (یا آپ سے سوال کیا گیا) تو آپ نے فرمایا: میں نے گھر میں مال صدقہ کا کچھ سونا چھوڑ دیا تھا، رات میں اسے باقی رکھنا میں نے پسند نہیں کیا، لہذا اسے تقسیم کر دیا)۔

(۳) ”فتاویٰ ہندیہ“ میں بیت المال کی رقوم کے سلسلہ میں ائمہ کو ہدایت دیتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:

”والواجب علی الأئمة أن یوصلوا الحقوق إلی اربابها ولا یحبسونها عنہم“ (فتاویٰ ہندیہ ۹۱/۱)۔

(ائمہ پر واجب ہے کہ حقوق اصحاب حقوق کو پہنچادیں اور اصحاب حقوق سے حقوق نہ روک رکھیں)۔

اور استثمار کی شکل میں ظاہر بات ہے کہ زکوٰۃ کے اصل سرمایہ کا ”جس“ لازم آئے گا اور ظاہر بات ہے کہ جب امام اور اس کے اعوان کے لئے ان رقوم کا جس جائز نہیں، حالانکہ وہ مستحقین کے نائب ہوتے ہیں اور زکوٰۃ خود ان کو دیدینے سے ادا ہو جاتی ہے تو غیر امام کو بدرجہ اولیٰ جس زکوٰۃ کی اجازت نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ تو مستحقین کے بجائے خود زکوٰۃ ادا کرنے

والوں کا وکیل اور نائب ہوتا ہے، حتیٰ کہ بعض علماء کے نزدیک وہ جب تک مال زکوٰۃ مستحقین کے حوالہ نہ کر دے، زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ہی ادا نہ ہوگی۔

”لأن الأخذ إذا لم يكن بأمر الفقير كان الآخذ وكيلا عن الدافعين“
(اس لئے کہ (غیر امام کا) زکوٰۃ لینا جب فقیر کے حکم سے نہ ہو تو لینے والا زکوٰۃ دینے والوں کا وکیل ہوتا ہے۔)

شیخ یوسف القرضاوی کا استنباط

البتہ شیخ یوسف القرضاوی (اطال اللہ بقاۃ) نے امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ ابن حنبل کے اس قول سے کہ فقیر کو اتنا دینا چاہئے جو اس کی ساری عمر کے لئے کافی ہو اس کا جواز مستنبط کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”اس نقطہ نظر کی بنیاد پر اسلامی مملکت کو حق حاصل ہوگا کہ اموال زکوٰۃ سے کارخانے، جائدادیں اور تجارتی مراکز وغیرہ قائم کرے اور اس کے کل یا بعض کو فقراء کی ملکیت میں دیدے تاکہ ان کی پوری کفایت کرنے کے بقدر آمدنی ان کو مل جائے اور اس کو بیچنے اور ملکیت منتقل کرنے کا حق ان کو نہ دے تاکہ وہ بمنزلہ ان پر وقف کردہ چیز کے ہو جائے“ (فقہ الزکوٰۃ ۲/۵۶۷)۔

شیخ نے اس پر مزید بحث نہیں کی ہے جس سے مسئلہ کے دلائل سامنے آئیں احقر کو تو (امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ابن حنبل کے اس قول کے پیش نظر کہ باب زکوٰۃ میں قیمت ادا کرنا ناجائز ہے) اس میں تسامع معلوم پڑتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ کلام یہ کہ احقر کی تحقیق میں استثماری مسئلہ شکل تملیک مستحق نہ پائے جانے کے سبب ناجائز ہے، البتہ جواز کی ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ قائم کردہ کارخانہ میں جتنا سرمایہ زکوٰۃ کے مال سے لگایا گیا ہو اس کے مناسب مقدار میں حصص کر دیئے جائیں اور مستحقین کو باقاعدہ ان حصص کا مالک بنا دیا جائے اور ان حصص کی طے شدہ آمدنی اور دوسرے مدوں سے لگائے گئے

سرمایہ کی کل آمدنی مذکورہ بالا مقاصد میں صرف کی جائے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے:

فقہاء کے مسالک

(ج) اس باب میں جمہور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے

تملیک مستحق ضروری ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”بدائع الصنائع“ میں ہے:

”رہارکن زکوٰۃ تو زکوٰۃ کارکن یہ ہے کہ نصاب کے ایک جزء کو اللہ تعالیٰ کے لئے اس

طرح نکال دیا جائے کہ مالک فقیر یا اس کے نائب کو اس کا مالک بنا کر اور اسے اس کے سپرد

کر کے اپنا قبضہ اس مال سے ختم کر دے“ (بدائع الصنائع ۱۳۲/۲، بدایہ مع اللغ ۲/۲۰۸، الدر المختار

۶۸/۲، بندہ ۸۸/۱)

اور شافعیہ کی مشہور کتاب ”المہذب“ میں ”انما الصدقات للفقراء“ کے معنی بیان

کرتے ہوئے فرمایا:

”فأضاف جميع الصدقات إليهم بلام التملیک و اشرك بينهم بو

اوالتشريك فدل على أنه مملوك لهم مشترك بينهم“ (المہذب ۲۳۱/۱)۔

اللہ تعالیٰ نے لام تملیک کے ذریعہ ان مستحقین کی طرف تمام صدقات کی اضافت کی اور

واوالتشريك کے ذریعہ ان میں شریک کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ وہ ان کی ملکیت میں رہے گا اور ان

میں مشترک ہوگا۔

علامہ نووی ایک بحث کے دوران فرماتے ہیں:

”ولأن في جميع الأضاف يسلم السهم إلى المستحق و يملكه

إياه“ (شرح المہذب ۱۳۶/۶)۔

اس لئے کہ تمام اضاف میں حصہ مستحق کے حوالہ کیا جائے گا اور اسے حصہ کا مالک بنا دیا

جائے گا۔

جمہور کے دلائل:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ“ (سورۃ بقرہ: ۴۲)۔

اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ۔

(۲) جمہور کی دوسری دلیل

” وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ“ (سورۃ ذاریات: ۱۹) (ان کے مال

میں حصہ تھا مانگنے والوں کا، اور ہارے ہوئے کا)۔

علامہ کا سائی فرماتے ہیں:

”وَالِإِضَافَةِ بِحَرْفِ اللَّامِ تَقْتَضِي الْاِخْتِصَاصَ بِجِهَةِ الْمَلِكِ إِذَا كَانَ

المُضَافُ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِ الْمَلِكِ“ (بدائع الصنائع ۸۰/۲)۔

حرف لا کے ذریعہ اضافت جہت ملک کے ذریعہ اختصاص کا تقاضا کرتی ہے بشرطیکہ

مضاف الیہ اہل ملک میں سے ہو۔

(۳) حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت نبی کریم ﷺ

نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

وَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلَمُهُمْ إِنْ اللَّهُ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ

صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلَمُهُمْ إِنْ اللَّهُ افْتَرَضَ

عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَاءِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَاءِهِمْ“ (بخاری مع الفتح ۳۰۷/۳)۔

مسلم ۳۶/۱)۔

(تم ایک صاحب کتاب قوم کے پاس جا رہے ہو، لہذا ان کو اللہ کی وحدانیت اور میری

رسالت کی شہادت دینے کی دعوت دینا اگر وہ اس کی اطاعت کر لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر

رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ اس کی بھی اطاعت کر لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کی ہے، جو ان کے مالداروں سے لیجائے گی اور ان کے ناداروں پر لوٹا دی جائے گی۔

مولانا متیق احمد صاحب لکھتے ہیں:

”اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صدقہ فرض (زکوٰۃ) کے بارے میں فرمایا گیا کہ اغنیاء سے اس کا اخذ (لینا) ہوگا، اور فقراء پر اس کا ”رد“ (واپس کرنا، دینا) ہوگا اخذ اور رد دونوں مقابل لفظ ہیں، اغنیاء سے جس چیز کا اخذ ہوگا فقراء پر اسی کا رد ہوگا، ظاہر ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے میں اغنیاء سے صرف مال زکوٰۃ کے منافع نہیں لئے جاتے، بلکہ اس کی ملکیت بھی لی جاتی ہے، لہذا فقراء پر رد صرف منافع کا نہیں ہوگا، بلکہ ملکیت کا بھی ہوگا، یعنی فقراء کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے گا اور یہی تملیک فقیر ہے“ (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک، ۳۲)۔

(۴) ”لا تقوم الساعة حتى يكثر المال و يفيض حتى يخرج الرجل

زکوٰۃ ماله، فلا يجد أحدا يقبلها منه“ (مسلم ۱۳۳۲۶ بخاری باب الصدقة قبل الرد ۳۳۰/۳۳)۔

قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ مال کی کثرت اور بہتات ہو جائے، یہاں تک کہ آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا اور کوئی قبول کرنے والا نہیں پائے گا۔

(۵) ”تصدقوا فيوشك الرجل يمشى بصدقته فيقول الذي

أعطيتها لو. جننا بها بالأمس قبلتها، فأما الآن فلا حاجة بها، فلا يجد من يقبلها“ (مسلم باب كل نوع من المعروف صدقة ۳۲۵، بخاری باب الصدقة قبل الرد ۳۳۰/۳۳)۔

صدقہ کرو وہ وقت قریب ہے کہ آدمی اپنا صدقہ لیکر نکلے اور جسے صدقہ دیا جائے وہ کہے کہ اگر اسے کل لاتے تو میں قبول کر لیتا آج تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ وہ صدقہ قبول کرنے والا نہیں پائے گا۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر تملیک فقیر کی شرط نہ ہوتی یا اس کا معاملہ عہد

نبوی ﷺ کی وقتی پالیسی کا ہوتا تو آپ ﷺ اس بات کی رہنمائی ضرور کرتے کہ اس طرح کے حالات میں زکوٰۃ کی رقوم فلاجی اور فاجی کاموں میں لگادی جائیں۔

(۶) صاحب ”فتح القدیر“ مختلف دلائل سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”والدلیل علی ذلك قوله تعالى: الم يعلمون ان الله هو يقبل التوبة عن عباده ويأخذ الصدقات“ (سورہ توبہ: ۱۰۳)۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکوٰۃ تیں۔

”وقول النبي ﷺ الصدقة تقع في يد الرحمن قبل أن تقع في يد الفقير“ (بخاری باب الصدقة کسب طیب ۳/۳۲۶) وقد أمر الله الملاك بابتاء الزكوة بقوله عزو جل ،انما الصدقات للفقراء (سورہ توبہ: ۶۰) والتصدق تملیک (فتح القدیر ۲/۱۳۲)۔

(اور نبی ﷺ کا یہ قول ہے صدقہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے رحمن کے قبضہ میں پہنچ جاتا ہے، نیز اللہ نے اپنے اس قول زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا،، کے ذریعہ مالکوں کو ابتداءً زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور تصدق نام ہے تملیک کا)۔
مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

”خلاصہ یہ ہے کہ تملیک کی شرط خود انہیں آیات قرآنیہ سے ثابت ہے جن سے زکوٰۃ کا فرض ہونا ثابت ہے“ (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ۵۶-۵۵)۔

منکرین شرط تملیک کے دلائل:

ان حضرات نے اپنے موقف پر دلائل نقل نہیں کئے ہیں، بلکہ جمہور تملیک کی شرط لگانے کے لئے جن دلائل کا سہارا لیتے ہیں یہ حضرات پورا زور اس بات پر صرف کرتے ہیں کہ یہ دلائل ناکافی ہیں، چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

”یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت میں کسی چیز کو کسی چیز کا رکن قرار دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کتاب اور سنت کے اندر اس کی کوئی اصل ہو بغیر اس قسم کی کسی اصل کے کسی چیز کو کسی چیز کا رکن قرار دے دینا دین میں ایک اضافہ ہے جس کا کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے“ (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ۱۰۸)۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ”ایتاء اور تصدق“ میں وضعاً و حقیقتاً تملیک کا مفہوم شامل ہے اور جیسا کہ جمہور کے دلائل بیان کرتے ہوئے گزر چکا ہے، جب اس کا تعلق کسی مادی قابل ملکیت مال سے ہو تو بغیر کسی قرینہ کے اس میں تملیک کا مفہوم داخل ہو جائے گا۔
احقر کی رائے:

احقر کے نزدیک دلائل کے اعتبار سے بھی جمہور کا مسلک راجح ہے، شرط تملیک غیر ضروری قرار دینے والوں کا خیال ہے کہ اس طرح زکوٰۃ کی رقوم کا استعمال زیادہ اچھے ڈھنگ سے ہو سکے گا، لیکن احقر کا خیال یہ ہے کہ اس شرط کو غیر ضروری قرار دے نے کے بعد مستحقین کو جو کچھ حاصل بھی ہوتا ہے وہ اس سے محروم ہو جائیں گے اور ان رقوم پر غیر مستحقین حاوی ہو کر مستحقین کا استحصال کریں گے، یعنی جس مقصد سے اس شرط کے ختم کر نیکی طرف دھیان گیا ہے شرط ختم کرنے سے وہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوگا، لہذا مناسب یہی ہے کہ اس شرط کیساتھ چھوٹر خالی نہ کی جائے۔

مال زکوٰۃ سے مکان وغیرہ بنا کر مالک بنائے بغیر صرف رہائش اور استعمال کے لئے دینا:

۲- اوپر تفصیل سے وضاحت کی جا چکی ہے کہ ادا ایگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، صورت مسئولہ میں تملیک عین کے بجائے تملیک منافع ہو رہا ہے، اس لئے اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس سلسلہ میں سوال (۱) شق (ج) کے تحت دلائل گزر چکے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تملیک عین ضروری ہے

مال زکوٰۃ سے مکان وغیرہ بنوا کر مستحق کو اس کا مالک بنا دینا:
۳- احناف کے نزدیک چونکہ مال زکوٰۃ میں تصرف جائز ہے، لہذا اس شکل سے احناف کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ہدایہ میں ہے:

”ویجوز دفع القیم فی الزکاة عندنا“ (ہدایہ مع فتح القدر ۲/۱۳۳، بدائع الصنائع ۲/۱۱۳) (ہمارے نزدیک زکوٰۃ میں قیمتوں کا ادا کرنا جائز ہے)۔
اور مجلۃ الجوث الفقہیہ المعاصرہ میں ہے:

”الثانی أنه یجوز ذلك (إخراج القيمة فی الزکاة) وهو مذهب أبی حنیفة وأصحابه وقد روى ذلك عن عمر بن العزیز والحسن البصری“ (العدو السادس والثلاثون المذاهب التاسعہ/۱۸)۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ میں قیمت نکالنا جائز ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مسلک ہے اور اس کی روایت حضرت حسن بصری اور حضرت عمر ابن العزیز سے بھی کی گئی ہے۔

ان حضرات کے دلائل مختصراً حسب ذیل ہیں:

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ”خذ من أموالهم صدقة تطہرهم“ (سورۃ توبہ: ۱۰۳)۔

(لے ان کے مال سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو)۔

اس میں مال لینے کی صراحت ہے اور قیمت مال ہوتی ہے۔

(۲) ”روی البخاری تعليقا عن طاووس قال معاذٌ لأهل الیمن: ایتونی

بعرض ثياب خميص أو لبيس في الصدقة مكان الشعير والذرة أهون عليكم وخير لاصحاب النبي ﷺ بالمدينة“ (بخاری مع اللقح ۳/۳۶۵)۔

(حضرت معاذؓ اہل یمن سے فرمایا! کہ جو اور جواری جگہ صدقہ میں خمیس یا لیس

(مخصوص کپڑے) لے آؤ یہ تمہارے لئے آسان اور مدینہ کے صحابہ کرام کے لئے بہتر ہے)۔

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری

مولانا سید اسرار الحق سمیلی ☆

مسلمانوں کے زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود بہت سے مسلمان خطِ غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں، آج مسلمانوں کی مفلسی تنگ دستی اور جہالت کا فائدہ اٹھا کر عیسائی مشنریاں، قادیانی اور دوسرے گمراہ فرقے بھولے بھالے نادار مسلمانوں کو مادی وسائل فراہم کر کے ان کو ارتداد کے پرفریب دامن میں پھانس رہے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ معاشی مسائل کے تعلق سے ہم غور و فکر کریں اور ان کا مستقل حل تلاش کرنے کی کوشش کریں، یہ وقت کی اہم ضرورت ہے، حدیث میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے مسائل کے تعلق سے فکر مند نہ ہو وہ ان میں سے نہیں: ”من لم يهتم بامر المسلمین فليس منهم“۔

(الف) زکوٰۃ کے مالوں کا استثمار اور ان کو سرمایہ کاری میں لگانا درست ہونا چاہئے، خواہ یہ سرمایہ کاری کارخانے، فیکٹریاں، فارم ہاؤز وغیرہ کی شکل میں ہو، یا شیراز وغیرہ کی شکل میں، لیکن اگر خاص اس مقصد سے کارخانے قائم کئے جائیں تو زکوٰۃ کے مستحق لوگوں کو روزگار کے مواقع بھی فراہم ہوں گے۔

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کرنے سے مستحق کو ماہانہ وظیفہ آسانی سے دیا جانا ممکن ہو سکے گا، فقراء جو سالانہ زکوٰۃ کی رقم چند دنوں میں کھاپی کر برابر کر دیتے ہیں، اور پھر اپنی سابقہ تنگ دستی کی حالت میں زندگی گزارتے ہیں، پابندی سے ماہانہ وظیفہ ملنے پر ان کو معاشی استحکام حاصل ہوگا، ان میں سماجی شعور پیدا ہوگا، ہر سال سرمایہ کاری میں اضافہ ہونے کی وجہ سے ان

رفیق المعبد العالی الاسلامی حیدرآباد

کے وظیفہ میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا جس کی وجہ سے ان کی معاشی حالت دن بدن بہتر اور مستحکم ہوتی جائے گی، اس طرح شریعتِ اسلامی میں مال کی تقسیم کا مقصد بھی حاصل ہوگا:

(ب) ”کسی لا یکون دولة بین الأغنیاء منکم“ (سورہ حشر: ۷) (تاکہ مال صرف تمہارے مال داروں کے درمیان گردش کرتا نہ رہے)۔

شریعت کا مقصد صرف زکوٰۃ کا مال اٹھا کر غریبوں کو دینا ہی نہیں ہے، بلکہ غریبوں کی مفلسی دور کرنا بھی ہے، اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بھی غریبوں کی حالت جوں کی توں باقی رہے تو ہمیں ایسی حکمت عملی اختیار کرنی ضروری ہے جس سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ غربت اور تنگ دستی کا بھی خاتمہ ہو جائے، امام طبرانی نے ”المعجم الاوسط“ اور ”المعجم الصغیر“ میں حدیث نقل کی ہے:

”عن علی کرم الله وجهه، أن النبی ﷺ قال: إن الله فرض علی أغنیاء المسلمین فی أموالهم بقدر الذی یسع فقرائهم ولن یجهد الفقراء إذا جاعوا أو عروا بما یصنع اغنیائهم، ألا وإن الله تحاسبهم حساباً شدیداً ویعذبهم عذاباً ألیماً“ (نقدالذکر ۲۷۶/۱ طبع دارالفکر بیروت)۔

(حضرت علی کرمؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے مال داروں پر ان کے مالوں میں اتنی مقدار زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے فقراء کی تنگی کو دور کر دے، مال داروں کی (بخالت کی) وجہ سے ہی فقراء بھوکے اور بے لباس رہتے ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ سخت حساب لیں گے اور ان کو دردناک سزا دیں گے)۔

اموال زکوٰۃ کے استعمار کے بارے میں اس حدیث سے بھی رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے:

”أن النبی ﷺ خطب الناس فقال: ألا! من ولی یتیم له مال فلیتجنز فیہ ولا یترکہ حتی تأکلہ الصدقة“ (سنن الترمذی کتاب الزکوٰۃ ۱۰/۳۹)۔

(نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: سن لو! جو شخص کسی ایسے یتیم کی سرپرستی کرتا ہو جس کے پاس مال ہو تو اس کو اس مال میں تجارت کرنی چاہئے اس مال کو ویسے ہی نہ چھوڑ دے کہ صدقہ میں ہی سارا مال چلا جائے۔)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی بے سہارے کے پاس اگر سرمایہ چھوڑ دیا جائے تو وہ چند دنوں میں اسے ختم کر کے پھر دست سوال دراز کرے گا، اگر اس کے موجودہ مال کو تجارت میں لگا دیا جائے تو یہ اس کے لئے روزگار کا ذریعہ بن جائے گا، مسکینوں کے اموالِ زکوٰۃ میں تجارت کرنے سے بھی ان کے لئے مستقل روزگار کا ذریعہ بن جائے گا، اور ان کی مالی حالت بہتر ہوتی جائے گی۔

اس بارے میں حسب ذیل حدیث سے بھی کچھ مدد لی جاسکتی ہے:

”عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من قصد بعدل ثمرة من

كسب طيب ولا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربها لصاحبها كما يربي أحدكم فلوة حتى تكون مثل الجبل“ (صحیح بخاری ۱۸۹۱ کتاب الزکوٰۃ)۔

(سیدنا ابو ہریرہ نے روایت فرمایا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص

حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے، جب کہ اللہ تعالیٰ تو حلال مال ہی قبول فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سیدھے ہاتھ سے قبول فرماتے ہیں، پھر اس کو اس کے مالک کے لئے بڑھاتے (افزائش کرتے) ہیں، جیسا کہ تم لوگ گھوڑے کے بچے کی افزائش کرتے ہو یہاں تک کہ وہ (صدقہ) پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے)۔

یہ حدیث اگرچہ آخرت میں صدقہ کے بڑھنے کے بارے میں ہے، لیکن اگر ہم دنیا میں بھی صدقات کے بڑھنے کا سامان فراہم کریں تو یہ ہمارے لئے کئی پہاڑوں کے برابر ثواب پانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

(ج) اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے مالوں میں اس طرح سرمایہ کاری کرنے سے تملیک پائی جائے گی یا نہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک کو جتنی اہمیت حنفیہ نے دی ہے، اتنی اہمیت دوسرے فقہاء نے نہیں دی ہے، حنفیہ کے نزدیک تملیک زکوٰۃ کی رکن ہے، (الہدایہ مع الفتح ۲/۲۷۲) چنانچہ علامہ شرنبلالی نے زکوٰۃ کی تعریف یوں کی ہے:

”ہی تملیک مال مخصوص لشخص مخصوص فرضت علی

حر مسلم مکلف مالک نصاب“ (نورالایضاح ۱۵۳-۱۵۴)

(زکوٰۃ مخصوص مال کا مخصوص شخص کو مالک بنانے کا نام ہے جو آزاد، مسلمان مکلف اور صاحب نصاب شخص پر فرض ہے)۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تملیک شرط یارکن نہیں ہے (تفصیل ائمہ ثلاثہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے)، حنفیہ کے مطابق اگر اسے رکن کا درجہ دیا بھی جائے تب بھی زکوٰۃ کی سرمایہ کاری میں تملیک پائی جاتی ہے، تملیک کے لئے فقیر کا ہونا ضروری نہیں ہے، عامل، محصل یا فقیر کے سرپرست کو بھی مالک بنانا درست ہے، جیسا کہ دینی مدارس کے ذمہ دار زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے بینک میں محفوظ رکھتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر خرچ کرتے ہیں، علامہ ابن عابدین شامی کا بیان ہے:

”إن السلطان أو عامله بمنزلة الوكيل عنه في صرفها مصارفها و تملیکها أو عن الفقراء“ (رد المحتار ۱۷۱۳)

(بادشاہ یا اس کا عامل زکوٰۃ ادا کرنے والے کی طرف سے زکوٰۃ کی رقم مستحقین پر خرچ کرنے اور اس کا مالک بنانے کی بابت وکیل کے درجہ میں ہے، یا وہ دونوں فقراء کی طرف سے وکیل کے درجہ میں ہیں)۔

چونکہ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے، اس لئے اگر مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے مال سے دوکانات یا مکانات بغیر ان کی ملکیت کے دیئے جائیں تو

زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ اس کی ایک آسان صورت یہ ہو سکتی ہے کہ فقراء و مساکین کو کرائے پر دوکانیں دلائی جائیں اور ان کا کرایہ چند سالوں تک زکوٰۃ کی رقموں سے ادا کیا جائے۔

زکوٰۃ کی رقم تقسیم کرنے کے بجائے اگر اس قسم سے دکانات یا مکانات تعمیر کر کے فقراء کی ملکیت میں دے دیئے جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، خصوصاً دکان تعمیر کر کے یا خرید کر دینے سے فقراء کے لئے روزگار کا اچھا موقع فراہم ہو جائے گا اور انہیں معاشی استحکام حاصل ہوگا، لیکن یہ اس وقت ممکن ہے، جبکہ قوم میں دو وقت کھانے کے لئے ترسنے والے لوگ نہ ہوں، مسلمانوں کی بنیادی ضروریات پوری ہونے کے بعد ہی دکان یا مکان تعمیر کر کر دینے کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔

انتباہ: اموال زکوٰۃ کے استعمار اور دوسرے منصوبوں پر عمل آوری اسی وقت ممکن ہے، جبکہ قوم کے مخلص، ہم درو، مستعد، بے دار مغز اور تجربہ کار حضرات قوم کو معاشی ترقی دلانے کے جذبہ کے تحت کام شروع کریں اور اس کی سختی سے نگرانی کریں، ورنہ زکوٰۃ کی جائیداد کا وہی حال ہو سکتا ہے جو آج پورے ملک میں اوقافی جائیدادوں کا ہے۔

خلاصہ جوابات:

۱- (الف) اموال زکوٰۃ کا استعمار درست ہے۔

(ب) دلائل مقالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے، زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط

پوری ہو رہی ہے۔

۲- دکان یا مکان فقراء کو دیئے جائیں، لیکن ان کا مالک نہیں بنایا جائے تو زکوٰۃ ادا

نہیں ہوگی۔

۳- دکان یا مکان ان کی ملکیت میں دے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، لیکن یہ

اس وقت ممکن ہے جب دوسرے مستحقین کے پاس بنیادی ضروریات کی چیزیں موجود ہوں اور وہ دو وقت روٹی کے محتاج نہ ہوں۔

اموال زکوٰۃ کا استثمار

مولانا محمد ابو بکر قاسمی ☆

اموال زکوٰۃ میں استثمار کا جواز قرآن و حدیث میں مصرح نہیں ہے، اور جو کچھ ہدایات اموال زکوٰۃ کے وجوب، اس کی ادائیگی اور اس کے مصارف میں تقسیم و صرف کے سلسلہ میں مصرح و منصوص ہیں ان سے استثمار کا عدم جواز مفہوم و مستفاد ہوتا ہے، لہذا زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے ان سے استثمار کا یہ طریقہ جو سوالنامہ میں درج ہے، جائز نہیں ہے۔

عدم جواز کے دلائل:

اموال زکوٰۃ سے استثمار، خواہ صاحب مال کرے، یا عامل صدقات کرے، یا امیر المؤمنین کرے، یا کوئی فلاحی تنظیم کرے کسی کو بھی اس کا حق نہیں ہے، صاحب مال کو تو یہ حق اس لئے نہیں ہے کہ وہ فرمان خداوندی: "وآتوا الزکوٰۃ" کی رو سے فقراء کے لئے زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کر کے ان کو مالک بنا دینے اور اسلامی حکومت ہونے کی صورت میں فقراء کے وکلاء عالمین صدقات کو مال زکوٰۃ ادا کر دینے کا مکلف ہے، خود صاحب مال کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ مال زکوٰۃ کو اپنے مال میں ملا کر رکھے، چنانچہ حدیث میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد مروی ہے:

"ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان فيقول أحدهما: اللهم أعط

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ، درہننگا (بہار)۔

منفقا خلقاً، ويقول الآخر: اللهم اعط مسكاً تلفاً“ (بخاری ۱/۱۹۸، مسلم ۱/۳۲۵ بحوالہ مشکوٰۃ)۔

(روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں، ان سے ایک یہ دعاء کرتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما۔ اور دوسرا فرشتہ یہ دعاء کرتا ہے کہ روک کر مال رکھنے والے کو برباد کر دے)۔

مسلم شریف میں حضرت ابوامامہ کی روایت میں حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے:

”يا ابن آدم ان تبذل الفضل خير لك وان تمسكه شر لك“
(مسلم ۱/۳۳۲ بحوالہ مشکوٰۃ ۱/۱۶۳)۔

(اے آدم کے بیٹے! ضرورت سے زائد مال کو خرچ کر دے یہ تیرے لئے بہتر ہے، اور اگر تو روک کر رکھے تو یہ تیرے لئے بُرا ہے)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے منقول ہے:

”ما خالطت الزكوة ما لا قط إلا اهلكته“ (مشکوٰۃ شریف ۱/۱۵۷)۔

(جس مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال مل جاتا ہے، وہ اس مال کو ہلاک کر ڈالتا ہے)۔

مذکورہ روایات حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب صاحب مال کو زکوٰۃ کی رقم روک کر رکھے یا اپنے مال میں ملا کر رکھنے کی اجازت نہیں ہے تو پھر اسے استثمار کی کیونکر اجازت ہوگی، بلکہ اسلامی حکومت میں اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ صاحب مال کو از خود فقراء کو تقسیم کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے، اگر اس نے از خود تقسیم کر دیا تو اس سے دوبارہ زکوٰۃ کی رقم وصول کی جاسکتی ہے، کیونکہ ”سورہ توبہ“ میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

”خذ من أموالهم صدقة“ (سورہ توبہ: ۱۰۳)۔

(مال والوں سے ان کے مالوں کا صدقہ زکوٰۃ وصول کر لو)۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب مال زکوٰۃ کو صاحب مال نہ از خود روک کر رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی حکومت میں از خود اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ فقراء میں تقسیم کر سکتا ہے تو کیا اس کو مال زکوٰۃ سے استثمار کی اجازت حاصل ہوگی، ہرگز نہیں۔

جامع ترمذی میں ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان کو زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہ ہدایت فرمائی تھی:

”توخذ من اغنیائہم وترد علی فقرائہم“ (ابوداؤد ۲۲۲۲)۔

مال زکوٰۃ مالداروں سے وصول کر کے غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے علاوہ ازیں خود زکوٰۃ کی حقیقت تسلیم فقراء ہے، یعنی مال زکوٰۃ کا غریبوں کو مالک بنا دیا جائے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایفاء الزکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور ”ایفاء“ کی حقیقت بھی تسلیم ہی ہے، چنانچہ ”بدائع الصنائع“ میں ہے:

”ان الواجب ایفاء زکوٰۃ والا ایفاء هو التملیک“ (بدائع الصنائع ۲/۴۵۵، مزید

تفصیل کے لئے دیکھئے: علماء کے فتاویٰ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/۱۹۵، آپ کے مسائل اور ان کا حل مولانا یوسف لدھیانوی ۳/۳۸۳)۔

یہ تفصیلات اور جزئیات واضح طور پر استثمار کے عدم جواز کو بتلاتے ہیں، علاوہ ازیں استثمار کا یہ طریقہ حضور اکرم ﷺ صحابہ و تابعین، ائمہ مجتہدین کسی سے بھی منقول و ثابت نہیں ہے، حالانکہ جن اسباب و وجوہ سے اس کو جائز کرنے کی کچھ لوگوں کی طرف سے سعی کی جا رہی ہے وہ اسباب و وجوہ زمانہ نبوی اور دور صحابہ و مجتہدین میں بھی تھے، پھر بھی ان حضرات نے مال زکوٰۃ کا استثمار نہیں کیا، لہذا دور حاضر میں اس کے جواز کا قول کرنا بلاشبہ احداث فی الدین اور بدعت سینہ میں داخل اور سراسر محصیت ہے۔

(ج) سوالنامہ کے سوال نمبر ۱ (الف) میں استعمار کی جو صورت ذکر کی گئی ہے بلاشبہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی، جبکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، لہذا مال زکوٰۃ سے استعمار کی مندرجہ صورت کی ہرگز اجازت نہ ہوگی اور ایسا کرنے سے شرعاً زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوگی، اگر کسی نے ایسا کر لیا تو دوبارہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے، کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے مالک (اصل مالک) کا اس مال سے کوئی تعلق نہ رہے، بلکہ اس کا قبضہ اس مال سے بالکل ختم ہو جائے، اور مالک ثانی (فقیر) کو اس مال میں مالکانہ تصرف کرنے کا پورا اختیار حاصل ہو جائے جس کو چاہے دے، نیز اس رقم سے جو چاہے کرے، چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ”بدائع الصنائع“ میں ہے:

”اگر مال زکوٰۃ سے کھانے کی اشیاء خرید کر صبح و شام فقراء کو کھانا کھلا دے اور کھانے کی اصل اشیاء فقراء کو نہ دے (یعنی اس کا فقراء کو مالک نہ بنائے) تو ایسا کرنا تملیک نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے“ (بدائع الصنائع ۳۹۲)۔

نیز علامہ کاسانی نے دوسری جگہ لکھا ہے:

”وقد أمر الله الملاك بايتاء الزكوة لقوله عز وجل: ”وآتوا الزكوة والاياء“ هو التملك، ولذا سمي الله تعالى الزكوة صدقة، بقوله عز وجل: ”إنما الصدقات للفقراء“ والتصدق تملك“ (بدائع الصنائع ۳۹۲)۔

(اللہ تعالیٰ نے اپنے قول و آتوا الزکوٰۃ دینے کا حکم دے کر مالک بنانے کا حکم دیا ہے اور زکوٰۃ دینا درحقیقت مالک بنانا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: ”إنما الصدقات للفقراء“ میں زکوٰۃ کا نام صدقہ رکھا ہے اور صدقہ کرنا مالک بنانا ہی ہے)، اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الدر المختار علیٰ ہاشم رد المحتار ۶۸۲ وغیرہ)۔

۲- مال زکوٰۃ سے بغیر تملیک کے مستحقین کو مکان و دوکان بنا کر دینا:

بغیر مالک بنائے مال زکوٰۃ سے رہائشی مکان اسی طرح دوکانیں تعمیر کر کے صرف رہائش

یا تجارت کے لئے فقراء کو دینے سے ہرگز زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوگی، کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے اور یہاں بغیر تملیک کے (یعنی بغیر مالک بنائے) فقراء کو رہائش و کاروبار کرنے کے لئے جو مکان و دوکان دیا گیا ہے وہ شرعاً اباحت ہے اور ظاہر ہے کہ اباحت سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی، لہذا اگر کوئی شخص اپنا مکان کسی کو بطور نفع اٹھانے کے ایک سال تک کے لئے رہائش کی غرض سے دے دے اور یہ چاہے کہ ایک سال تک کرایہ کے بقدر زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے تو اس سے ہرگز زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوگی، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”ولو دفع إليه داراً يسكنها من الزكوة لا يجوز كذا في الزاهدي“

(فتاویٰ ہندیہ ۱۹۰/۱)۔

(اگر مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کے عوض رہنے کو گھر دے تو شرعاً یہ جائز نہیں ہے)۔

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی نے بھی مال زکوٰۃ سے مالک بنائے بغیر رہائش کے لئے فلیٹ دینے سے متعلق ایک طویل استفتاء کا جواب دیتے ہوئے یہی لکھا ہے (تفصیل کے لئے دیکھیے: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۳۸۹)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ مالک بنائے بغیر فلیٹ رہائش کے لئے دینے سے یا بغیر مالک بنائے کاروبار کے لئے دوکان دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوگی۔

۳- البتہ زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دئے جائیں اور ملکیت کے تمام کاغذات ان کے حوالہ کر دیا جائے اور فقراء کو پورا اختیار ہو کہ وہ اس مکان میں جیسے چاہیں مالکانہ تصرف کریں تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں پائی جاتی ہے، چنانچہ مفتی رشید احمد لدھیانوی نے احسن الفتاویٰ جلد چہارم ۲۹۰ میں لکھا ہے:

”اگر رقم مسکین کو نہیں دی، بلکہ اس رقم سے مکان خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہیت نہیں، اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے، بلکہ کچھ حصہ دے دے جب وہ تعمیر پر خرچ ہو

جائے تو مزید کچھ حصہ دے دے اس طرح تعمیر کی تکمیل کرادے“

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی نے بھی اپنے متعدد فتاویٰ میں مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ میں مکان بنا کر دینے کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

”ایسے غریب اور نادار لوگ جو نصاب کے بقدر اثاثہ نہ رکھتے ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنوا کر ان کو مکان کا مالک بنا دیا جائے“ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳۰۰۳)۔

در اصل ادائے زکوٰۃ کے لئے مالی زکوٰۃ کا فقیر کو مالک بنا دینا ضروری ہے، لہذا اگر از خود صاحب مال نے مکان بنوا کر فقراء کو مالک بنا دیا اور ملکیت کے تمام کاغذات و دستاویز اس کے حوالہ کر دیا اور زکوٰۃ دینے والے کا، یا اس کے کسی رشتہ دار کا اس مکان سے کوئی تعلق و واسطہ نہ رہے تو صاحب مال کی زکوٰۃ ادا ہو گئی اور صاحب مال کے لئے شرعاً ایسا کرنا جائز ہے۔



مالِ زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی

زکوٰۃ کی مشروعیت اس لئے ہوئی کہ مفلوک الحال اور معاشی اعتبار سے پسماندہ مسلم طبقہ کو حتی الوسع فقرو فاقہ اور احتیاج کے دلدل سے نکالا جائے، اسی کے تعلق سے چند نئے مسائل درپیش ہیں کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے کس حد تک گنجائش ہے، اور شریعت اس سلسلہ میں کیا حل پیش کرتی ہے؟

اموالِ زکوٰۃ کا استثمار:

(الف، ب) زکوٰۃ کی رقم کا استثمار جائز نہیں ہے، یعنی زکوٰۃ کے مال سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا، تاکہ زکوٰۃ کے مال کو زیادہ سے زیادہ سود مند بنایا جاسکے، اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی مستحقین زکوٰۃ کے درمیان تقسیم کر دی جائے، اور ان کارخانوں میں فقراء اور مساکین کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے، عدم جواز کی دلیل تملیک کا نہ پایا جانا ہے، اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کی رقم سے ہل، مسجد، مسافر خانہ اور حوض کی تعمیر نہیں کی جائے گی نہر اور کنواں بھی نہیں کھودا جائے گا، راستے کی مرمت اور موتی کے تجھیز و تکفین برائے کار نہیں لائے جائیں گے، کیونکہ ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ کی بنیادی کن تملیک نہیں پائی جارہی ہے (بدائع ۲/۱۳۲)۔

جب تک زکوٰۃ کا نصف زکوٰۃ کے مال سے متصف رہے گا اس وقت تک کسی بھی رفاہی

☆ استاذ المہجد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

کام میں زکاۃ کا مال خرچ نہیں کیا جائے گا، اور بغیر تملیک اور قبضہ کے زکاۃ کا وصف زائل نہیں ہو سکتا، کیونکہ تملیک سے مال کا حکم بدل جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کے استفسار کرنے پر کہا کہ یہ گائے کا گوشت جو کہ حضرت بریرہؓ پر صدقہ کیا گیا تھا آیا ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت بریرہؓ کے لئے صدقہ ہے، اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

ایک دوسری روایت اسی سے منقول ہے کہ لوگ حضرت بریرہؓ کو صدقہ دیا کرتے تھے اور وہ ہمیں ہدیہ میں پیش کیا کرتیں۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے حق میں صدقہ ہے اور تمہارے حق میں ہدیہ ہے، لہذا کھاؤ (مسلم ۱۳۳۵ باب اہذ الہدیہ)۔

اسی حدیث سے امام نووی نے استدلال کیا ہے کہ صدقہ پر متصدق علیہ (جس پر صدقہ کیا گیا ہو) جب قبضہ کر لے تو اس سے صدقہ کا وصف زائل ہو جائے گا اور ان لوگوں کے لئے حلال ہو جائے گا جن کے حق میں صدقہ حرام ہے (شرح مسلم ۳۴۵)۔

لہذا اگر اموال زکاۃ کا استعمار تازیر ہو، تو سب سے پہلے زکاۃ کا وصف ان اموال زکاۃ سے زائل کر دیا جائے اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ فقراء و مساکین کو زکاۃ کے مالوں کا مالک بنا دیا جائے، پھر ان سے کہا جائے کہ رفاہ عام فیکٹری وغیرہ کی تعمیر میں دے دیں، اس طرح محض فقراء کے قبضے سے زکاۃ کا وصف زائل ہو گیا اب وہ مال زکاۃ کا مال نہیں رہا، اس لئے وہ مال مال دار اور غریب سب کے لئے حلال ہو گیا، اس صورت میں فیکٹری سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکاۃ میں تقسیم کیا جانے کے علاوہ دیگر رفاہ عام میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ فیکٹری اور فیکٹری سے حاصل ہونے والے منافع زکاۃ کے مال نہیں ہیں، بلکہ عطایا اور عام صدقات ناقلہ کے قبیل سے ہیں، جبکہ صاحب ”در مختار“ علامہ علاء الدین حصکی نے لکھا ہے کہ مسجد کی تعمیر اور میت کی تکفین و تجہیز وغیرہ کے باب میں زکاۃ کا مال خرچ نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر فقیر کو مالک بنا دیا جائے، پھر فقیر کو حکم دیا جائے کہ مسجد کی تعمیر اور میت کی تجہیز و تکفین وغیرہ میں

خرچ کرے اور وہ اس میں خرچ کر دے تو اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور فقیر کو مسجد کی تعمیر وغیرہ میں ثواب ملے گا (در مختار مع الرد ۳/ ۲۹۳، حاشیہ طحاوی ۳۹۳)۔

جہاں تک زکاۃ دیتے وقت مسجد کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنے کی شرط لگانا شرط فاسد کی بات ہے، تو اس شرط فاسد سے زکاۃ باطل نہیں ہوتی، بلکہ زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اور شرط فاسد کے بجا آوری کا مکلف فقیر نہیں ہوگا، بلکہ وہ صاحب مال کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتا ہے۔

”الحيلة أن تصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل له أن يخالف أمره لم أراه والظاهر نعم“ (حوالہ سابق)۔

(حیلہ یہ ہے کہ فقیر پر صدقہ کرے، پھر اس کو حکم دے کہ ان امور کو بروئے کار لائے، کیا فقیر کے لئے روا ہے کہ وہ صاحب مال کے حکم کی خلاف ورزی کرے؟ میں نے اس کا حکم نہیں دیکھا، البتہ ظاہر ہے کہ فقیر حکم کی خلاف ورزی کر سکتا ہے)۔

علامہ شامی کا بیان ہے: ”والهبة والصدقة لا يفسدان بالشرط الفاسد“ (ہدیہ اور صدقہ دونوں شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے)۔

اموال زکاۃ کے استثنیٰ کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ فیکٹریاں وغیرہ بنوانے والے کو فقراء اپنا وکیل بنا دیں تو ان کا قبضہ کرنا دراصل فقراء کا قبضہ کرنا ہوگا (بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۳، حاشیہ طحاوی ۳۹۳) کیونکہ وکیل کا تصرف درحقیقت موکل تصرف ہوتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۲۳۱)، اور اس مسئلہ میں فقراء موکل ہیں، اور زکاۃ وصول کرنے والے ان کے وکیل ہیں، اموال زکاۃ کے مالک فقراء ہونگے (حوالہ سابق)۔

اس طرح فیکٹریاں وغیرہ بنوانے والے جو کہ فقراء کے وکیل ہیں وہ فیکٹریوں کے مالک نہیں ہوں گے، بلکہ وہ موکل فقراء ہوں گے اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کے مالک وہی متعین موکل فقراء ہوں گے، فیکٹریاں بنوانے والے وکیل حضرات دوسرے فقراء اور رفاہ عام میں خرچ کرنے کے مجاز نہیں ہونگے، بلکہ موکل فقراء از خود تقسیم کرنے کے مجاز ہونگے، ہاں اگر

موکل فقراء اپنے وکیل کو ان کے صوابدیدہ پر خرچ کرنے کا اختیار دیں تو وہ خرچ کر سکتے ہیں اور وہ دیگر فقراء کے درمیان بھی تقسیم کر سکتے ہیں اور جس رفاہ عام کے کام میں خرچ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

۲- زکاۃ کے مال سے فقراء کے لئے رہائشی مکان اور دوکان کی تعمیر:

زکاۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش پذیر ہونے، یا تجارت کے لئے دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، جبکہ انہیں ان مکانات یا دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے، اس لئے کہ بغیر تملیک کے زکاۃ ادا نہیں ہوتی ہے، ہسکلفی کے حوالہ سے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ ”اگر کسی یتیم کو زکاۃ کی نیت سے کھانا کھلایا تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی، کیونکہ اس کو مالک نہیں بنایا گیا، اور اگر خوردنی اشیاء یا کھانے کھلوانے کے بجائے اس کے حوالہ کر دیا گیا تو زکاۃ ادا ہو جائے گی (درمختار ۱۷۱۳)۔“

اسی طرح علامہ کا سانی تحریر فرماتے ہیں: ”اگر صاحب مال نے زکاۃ کی رقم سے کھانا خریدا، اور فقراء کو دوپہر اور رات کا کھانا کھلایا، لیکن عین کھانا ان کے حوالہ نہیں کیا، تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی، کیونکہ تملیک نہیں پائی گئی“ (بدائع الصنائع ۲/۱۳۳، فتاویٰ ہندیہ ۱۹۰/۱)۔

۳- فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کی بجائے ان کے لئے زکاۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں، تو زکاۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ زکاۃ کا اساسی رکن تملیک پایا گیا ہے۔

خلاصہ بحث:

مذکورہ مباحثہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- ۱- زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے۔
- ۲- زکاۃ کی رقم یا مالوں کا راست استثمار جائز نہیں ہے، البتہ بذریعہ توکیل درست ہے، اسی طرح فقراء زکاۃ کے مالوں پر قبضہ کر کے فیکٹریاں وغیرہ بنانے والوں کو ہبہ کر دے تو اس

سے استثناء جائز ہے۔

۳- زکاۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے بلا تملیک دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، ہاں اگر دوکانوں اور مکانات کا مالک بنا دیا جائے تو زکاۃ ادا ہو جائے گی

۴- فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے ان کے لئے زکاۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دینے سے زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

☆☆☆

زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

مولانا حفیظ الرحمن عمری ☆

زکوٰۃ حقوق اللہ میں سے ہے، پورے اسلامی معاشرے میں اس کا مستحق کوئی نہ ہوتے ہی بھی زکوٰۃ نکالی جائے گی، یہ کوئی مفروضہ نہیں ہے، اللہ کے رسول ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ ایک دور ایسا بھی آئے گا کہ لوگ زکوٰۃ کا مال لئے لئے گھومتے اور مستحق کو تلاش کرتے رہیں گے، مگر اسے قبول کرنے والا نہیں ملے گا۔

”عن حارثۃ بن وہب قال: قال رسول اللہ ﷺ: تصدقوا فإنه يأتي عليكم زمان يمشى الرجل بصدقته فلا يجد من يقبلها، يقول الرجل: لو جنت بها بالأمس لقبلتها، فأما اليوم فلا حاجة لي بها“ (مفتن علیہ)۔

ایسی صورت میں اموال زکوٰۃ کی ڈھیر جمع ہو جائے گی اور زکوٰۃ کی حکمت اور اس کا مقصد فوت ہو جائے گا، زکوٰۃ کی مشروعیت اس لئے ہوئی کہ دولت سب میں پھیلے اس پر کسی ایک ہی گروہ کی اجارہ داری نہ رہے، اسلامی تعلیمات کی روح دولت کے احتکار و اکتناز کے خلاف ہے، مولانا آزادؒ کے الفاظ میں: ”قرآن نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکہ داری میں آجائے یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کو خزانہ بنا لینا کر جمع کرے، بلکہ وہ چاہتا ہے دولت ہمیشہ سیر و گردش میں رہے اور زیادہ سے زیادہ تمام افراد و قوم میں پھیلے اور منقسم ہو“ (ترجمان القرآن ۳)۔

☆ استاذ جامعہ دارالسلام، عمر آباد، تامل ناڈو۔

زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا تو اموال زکوٰۃ کو اکتنا زواجکار کے لئے تو نہیں چھوڑ دیا جائے گا، بلکہ اس کے استعمار کی مفید صورتیں ضرور عمل میں لائی جائیں گی جس سے زکوٰۃ کا مقصد پورا ہوتا رہے گا، یعنی مستقبل میں فقر وفاقہ کا ازالہ اور بے روزگاری کا خاتمہ معاشرے کے کمزور افراد اور کچلے ہوئے طبقے کی امداد کر کے انہیں اوپر اٹھانا، در ماندہ مسافروں کو منزل مقصود تک پہنچا کر انہیں ان کے پیروں پر کھڑا کرنا وغیرہ وغیرہ۔

زکوٰۃ کی اس حکمت و مقصد کو سمجھ لینے کے بعد اس کے نظام ادائیگی پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اس باب میں عمال، حکومت کی اطاعت کریں اور بلا عذر زکوٰۃ ان کے حوالے کر دیں حتیٰ کہ اگر عمال ظالم ہوں یا بیت المال کا روپیہ ٹھیک طور پر خرچ نہ ہو رہا ہو جب بھی اصلاح حال کی سعی کے ساتھ ادائیگی کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے، یہ نہیں کرنا چاہئے، کہ زکوٰۃ بطور خود خرچ کر ڈالی جائے، بشیر بن خصاصہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا: ”إن قوما من أصحاب الصدقة يعتدون علينا“ (عمال کا ایک گروہ صدقہ لینے میں ہم پر زیادتیاں کرتا ہے، کیا اس کا مقابلہ کریں؟ فرمایا نہیں) (ابوداؤد)۔

سعد بن وقاص کی روایت میں صاف صاف موجود ہے:

”ادفعوا اليهم ماصلوا“

(جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ انہیں دیتے رہو)۔

بنو امیہ کے زمانے میں جب نظام خلافت بدل گیا اور حکام ظلم و تشدد پر اتر آئے تو بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ایسے لوگ ہماری زکوٰۃ کے کیوں امین سمجھے جائیں؟ لیکن تمام صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہی کو دینی چاہئے یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر ڈالو، حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا اب زکوٰۃ کسے دیں؟ کہا وقت کے حاکموں کو، اس نے کہا: ”اذیتخذون بها ثيابا وطيبا“ وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطروں

پر خرچ کر ڈالتے ہیں فرمایا: ”وان“ اگرچہ ایسا کرتے ہوں مگر دو انہیں کو (ابن ابی شیبہ) کیونکہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا (ص ۴۲۶، ۲۷۷ ترجمان القرآن ۳)۔

مصارف زکوٰۃ قرآن میں آٹھ بیان کئے گئے ہیں اور آج اگر دیکھا جائے تو چار ہی نظر آتے ہیں:

فقراء، مساکین، غارمین، فی سبیل اللہ۔

کیونکہ ”مولفۃ قلوبہم“ خلافت راشدہ ہی میں محروم ہو گئے، ”عالمین علیہا“ اسلامی حکومتوں کے زوال کے بعد باقی نہیں رہے، ”فی الرقاب“ تو آج کی دنیا کہتی ہے عنقا ہو گیا، ”ابن السبیل“ اگر خالی ہاتھ ہے تو فقراء اور مساکین کی مدد میں آجائے گا، ورنہ وہ فون کر کے گھر سے D.D منگوا سکتا ہے، ”فی سبیل اللہ“ کو متقدمین نے جہاد کی حد تک محدود رکھا اور آج وہ بھی نہیں، کچھ اہل علم نے اسی راہ کو شاہراہ بنا کر ہر نیک کام کو اس مد میں داخل کر کے مستحق زکوٰۃ قرار دے دیا، لیکن میں استثمائر زکوٰۃ کے جواز کو فی سبیل اللہ کی راہ سے نہیں پہلے اور دوسرے مصرف ہی کو پیش نظر رکھ کر ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔

زکوٰۃ کی اصل حکمت فقیر اور مسکین کی اعانت ہے اور یہ اعانت جس قدر پائیدار ہوگی قرآن کا مقصود اصلی وہی ہوگا، وقتی اور ضمنی تعاون فقیر و مسکین کو محتاج ہی رکھے گا، اور اگر سالانہ و طائف بھی مقرر کر دیئے جائیں تب بھی وہ اپنی سطح سے اوپر تو نہیں اٹھیں گے بلکہ ہمیشہ کے لئے اس فہرست میں ان کے نام درج ہو جائیں گے، اس لئے ضرورت ہے کہ فقیر اور مسکین کا تعاون ایسے انداز میں ہو کہ ان کا نام بھی بدل جائے اور ان کی حیثیت میں بھی فرق آجائے، یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ نفع بخش کارخانے اور صنعتی مراکز زکوٰۃ کے پیسوں سے قائم کئے جائیں بھلے سے ان میں نفع کم ہو مگر نقصان کا امکان نہ ہو، فقیر اور مسکین کو ان کی قابلیت کے مطابق فرائض تقسیم کر کے انہیں شیئر ہولڈر بنا دیا جائے تو تمسلیک کی بات بھی رہ جائے گی فقراء و مساکین کارخانے کے مالک اسی طرح ہوں گے جیسے قرآن نے کہا:

”أما السفينة فكأنت لمساكين يعملون في البحر“ (سورہ کہف: ۷۹)۔

(یعنی صحیح سلامت معیاری کشتی کے مالک مساکین تھے)۔

میں نے صحیح سلامت کا نکتہ ”یاخذ كل سفينة غصبا“ کی تفسیر میں مفسرین نے جو

سفینہ صحیحہ کہا اسی سے اخذ کیا ہے، اس پوری تمہید میں سوال نمبر (۱) کے الف، با اور ج کے جوابات موجود ہیں، یعنی زکوٰۃ کی رقم سے استثمار درست ہے، جائز ہونے کے لئے دلائل ذکر کر دیئے گئے ہیں کہ استثمار سے فقراء اور مساکین کی اغانت ہی نہیں بلکہ ان کے فقر و مسکنت کے خاتمہ کے امکانات بھی موجود ہیں جو ارشاد بانی کا مقصود اصلی ہے۔ کیونکہ رقاب، عازمین اور ابن السبیل کو چند پیسے دینے سے کچھ نہیں ہوتا، ضرورت تو اس بات کی ہے کہ غلامی سے مکمل آزادی، قرض سے مکمل نجات اور مسافر کو گھر پہنچانے میں مدد دی جائے تاکہ وہ غلام، مقروض اور در ماندہ مسافر اپنی پریشانی سے باہر نکل آئیں، اسی طرح زکوٰۃ سے فقیر اور مسکین کو بھی ان کی سطح سے اوپر لانا ضروری ہے، زکوٰۃ کے مسائل جہاں بھی مشتبہ ہوئے فقہائے کرام نے ”انفع للفقراء“ کی صورت ہی کو ملحوظ رکھا ہے۔

(ج) تملیک کی شرط بہت حد تک حصص کا شریک بنا کر پوری کر دی گئی ہے۔

۲- ذرا مشکل ہے، کیونکہ اس میں تملیک کی شرط مفقود ہے، اگر دور کی کوڑی لا کر ایسے مکانات کو زکوٰۃ سے قائم ہونے والے کارخانوں کی ملک میں کر دیا جائے تو جس طرح یہ فقراء و مساکین کارخانے کے حصص کے مالک بنائے گئے ہیں، اسی طرح ان مکانات کے مکمل مالک بنے بغیر قیام اور استخدا م کا حق رکھ سکتے ہیں۔

۳- اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، کیونکہ سلف میں ائمہ دین کی ایک جماعت اس کے حق میں ہے، ان کا کہنا ہے کہ فقیر اور مسکین جس چیز سے محروم ہیں وہی ان کو مہیا کرنا زکوٰۃ کا مقصود ہے، فقیر کو اتنا دیا جائے کہ عمر بھر کے لئے کافی ہو جائے، امام شافعی، اہل عراق اور خراسان کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ فقیر کو اس کے پیشے اور صنعت کی مقدار میں وہ سب دیا جائے کہ وہ

خود کفیل ہو جائے کسی کے پاس کوئی ہنر نہ ہو تو زمین جائیداد وغیرہ خرید کر اسے دیدی جائے اس کا مالک بن کر وہ زکوٰۃ سے بے نیاز ہو جائے گا اور وارثت میں اس کی یہ جائیداد اس کے بعد تقسیم ہوگی، شمس الدین رملی نے ”منہاج السنووی“ کی شرح میں یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ ہر فقیر کی انتہائے عمر بستی والوں کی عمر پر قیاس کر کے اس کا حصہ دے دیا جائے، اگر وہ اس حساب کے بعد جیتا رہے گا تو سال بسال اسے دیا جاتا رہے گا (المجموع للسنووی ۶/۱۹۳، ۱۹۵)۔

امام احمد کے مذہب میں فقیر کے لئے جائز ہے کہ اپنی ضرورت کی ہر چیز لیتا رہے، کاروبار سے متعلق ہو یا صنعت و حرفت سے بعض حنا بلہ نے اسی رائے کو پسند کیا ہے اور اس پر عمل کو ترجیح دی ہے (الانصاف ۳/۲۳۸)، حضرت عمر فاروقؓ نے اعلان ہی فرمادیا: ”إذا أعطیت فاعنوا“ (کتاب الاموال ۵۶۵)۔

صدقہ تقسیم کرنے والے افسران کو آپ نے حکم دیا کہ ”کررو واعلیہم الصدقة وان راح علی أحدہم مائة من الإبل“ (کتاب الاموال ۵۶۵) امام غزالی فرماتے ہیں کہ امیر اگر فقیر ہو گیا ہو تو اس پر اپنی حالت پر لوٹانے کی حد تک دیا جاسکتا ہے، چاہے وہ دس ہزار درہم ہی کیوں نہ ہو (احیاء علوم الدین للغزالی ۲۰۱)، دکتور محمد محمود مجازی ”فی سبیل اللہ“ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: ”المراد به هنا مصالح المسلمین العامة التي بها قوام دینہم و دولتہم من کل خیر یعو دعلی المجموع، وهذا یشمل تسہیل العمل لکل عامل“۔



اموال زکاۃ کا استثمار، تملیک کی بعض صورتیں

مولانا محمد اعظمی، منو

۱- اموال زکاۃ سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کر کے ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکاۃ اور دوسرے مصارف میں تقسیم کرنا مشروع صورتوں میں سے ایک صورت ہے، جو قرون اولیٰ میں رائج تھی، زکاۃ کا اولین مقصد فقراء و مساکین کی بنیادی ضروریات زندگی پوری کرنے، اور زکاۃ و صدقات پر گزر بسر کرنے کی ذلت سے بچانے کے ساتھ مصالح المسلمین کی حفاظت و رعایت کا انتظام بھی کرنا ہے۔

صورت مسئلہ میں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ ان کارخانوں و فیکٹریوں کا مالک و متصرف کون ہوگا؟ جبکہ اس کے جواز و عدم جواز کی ساری عمارت جمہور اہل مذاہب کے نزدیک تملیک و عدم تملیک کی بنیاد پر کھڑی ہوئی ہے، استثمار اموال زکاۃ کے سلسلہ میں ”شرح منہاج“ الشمس الدین الرطبی کے حوالے سے دکتور یوسف القرضاوی نے لکھا ہے کہ:

”ولیس المراد باعطاء من لا یحسن الکسب إعطائه نقدا یکفیه بقیة عمره المعتاد، بل إعطائه ثمن ما یکفیه دخله منه، کأن یشتری له به عقار یشتره و یغتنی به عن الزکاۃ فیملکہ ویورث عنه“ (فقہ الزکاۃ ۲/۵۶۵)۔

(فقیر و مسکین کو مال زکاۃ سے اتنی پونجی یا ذریعہ آمدنی کا انتظام کر دیا جائے کہ اس کی آمدنی سے زکاۃ کا محتاج نہ رہے اور یہ ذریعہ آمدنی (کارخانہ یا کھیتی وغیرہ) فقیر و مسکین کی ملکیت و وراثت میں رہے)۔

دکتور یوسف القرضاوی حفظہ اللہ نے زکوٰۃ کے موضوع پر بہت تفصیل و تحقیق کے ساتھ ایک موسوعہ ”فقہ الزکوٰۃ“ کے نام سے دو جلدوں میں مرتب کیا ہے، اس میں اموال زکوٰۃ کے استثمار پر بہت ترغیب دی ہے اور اس کے ذریعہ فقر و فاقہ کے عملی علاج کی طرف رہنمائی ہے، موصوف نے کارخانوں وغیرہ میں تملیک للفقراء کا ذکر بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو: فقہ الزکوٰۃ ۵۷۱-۵۷۹)۔

ہمارے نزدیک اموال زکاۃ کے استثمار اور تملیک کی مشروع صورتیں مع ادلہ حسب ذیل ہیں:

ابتدائے اسلام سے زکوٰۃ کا نظام بیت المال کی شکل میں جاری رہا، اس کی اولین مستقل آمدنی اموال زکوٰۃ ہی تھے، امام یا ولی الامر اس کے استثمار کی تدبیر و کوشش کر کے فقراء و مساکین کی مالی کفالت اور ضروریات زندگی کی کفالت، نیز مصالح المسلمین کے انشاع کا انتظام کیا کرتا تھا، چنانچہ حدیث شریف میں یہ بات مذکورہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے بیت المال سے اپنا وظیفہ لیتے وقت کہا تھا کہ بیت المال کی تعمیر و توسیع کے لئے کوشش کرتے رہیں گے، تاکہ بیت المال نقصان یا خلاء سے دوچار نہ ہو، یہ روایت اس طرح ہے:

”ان عائشة قالت لما استخلف أبو بکر الصديق قال لقد علم قومي أن حرفتي لم يكن تعجز عن مؤنة أهلي وشغلت بأمر المسلمين فسيأكل آل أبي بكر من هذا المال ويحترف للمسلمين فيه“ (صحیح بخاری ۲۸۷/۱)۔

اس حدیث میں ”یحترف“ کا لفظ بہت جامع ہے جو بیت المال کو کثیر المنافع اور زیادہ بار آور بنانے کے لئے اضافہ زکاۃ کی تدبیر، تجارت، حرفت، صنعت، زراعت اور دوسرے ذرائع استعمال کرنے پر دلیل صریح ہے، چنانچہ ابن اثیر جزری اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”أراد باحترافه للمسلمين نظره في أمورهم و تسمير مكا سبهم وأرزاقهم“ (نہایہ ۳۶۹/۱)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

” قال المهلب! قوله: ” اتجر لهم“ في مالهم حتى يعود من ربحه بقدر ما أكل أو أكثر“.

اس کے بعد حافظ ابن اثیر کے بیان کردہ معنی کو اوجہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

” أنه (أن ابا بكر) كان يعطى المال لمن يتجر فيه ويجعل ربحه للمسلمين“ (فتح ۲/۳۵۷)۔

معلوم ہوا کہ اسلامی دور میں بیت المال کا اس المال (زکوٰۃ) محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو فقراء و مساکین اور دوسرے مصارف میں خرچ کیا جاتا تھا، تاکہ بیت المال پونجی سے خالی نہ ہونے پائے، اس طرح جب اموال زکوٰۃ سے حاصل ہونے والے منافع مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کر دئے گئے تو تملیک و طرح سے ثابت ہوئی، ایک یہ کہ اموال زکوٰۃ اور ان کے منافع کے دور میان صریح تلازم ہے، دوسرے یہ کہ مال زکوٰۃ کو اولی الامر (جماعتی بیت المال، یا سوسائٹی و تنظیم) کے حوالے کر دینے سے تملیک متحقق ہو جاتی ہے، شرعی اصول کی رو سے زکوٰۃ کو فقیر کے ہاتھ میں دینا ضروری نہیں ہے، چنانچہ دکتور قرضاوی لکھتے ہیں:

”أن التملیک يتحقق بإعطاء الزكاة لأولى الأمور ليس بلزام أن يضعها المالك في يد الفقير، فإذا قبضها الإمام أو نائبه، كان له أن يصرفها في هذه الأمور“ (فتاویٰ الزکوٰۃ ۲/۲۵۱)۔

امول زکوٰۃ کے استیثار کی جائز صورتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ کارخانے وغیرہ قائم کر کے فقراء کو ان کا مالک بنا دیا جائے، اور وہ ان کی آمدنی سے منتفع ہوتے رہیں، لیکن اوقاف کی طرح انہیں ان کارخانوں کو فروخت کرنے اور ان کی ملکیت منتقل کرنے کا حق نہ ہو، جیسا کہ دکتور قرضاوی نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”وتستطيع الدولة المسلمة بناء على هذا الرأي أن تنشئ من أموال

الزکوٰۃ مصانع و عقارات و مؤسسات تجاریہ و نحوہا ، و تملکھا للفقراء کلھا
أو بعضها ، ولا تجعل لهم الحق فی بیعہا ونقل ملکیتہا، لتظل شبه موقوفۃ
علیہم“ (ایضاً/۵۶۷)۔

صورت مذکورہ میں کارخانوں وغیرہ کی عدم بیع و عدم نقل ملکیت کی قید ہمارے نزدیک
مناسب حال اور موافق شرع ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ بدلتے ہوئے حالات، لوگوں میں
تغییرات اور بلاد و امصار کی معیشت و معاش کے دلائل میں تفاوت و اختلاف کا اثر شرعی مسائل پر
بھی پڑتا ہے، شریعت میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں، موجودہ دور میں ایمان و امانتی تغیرات عام
ہیں بالخصوص فقرا و غرباء کے طبقہ میں اخلاقی پستی اور ایمان و امانت کے انحطاط و زوال کے مظاہر
لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں، بے کاری و کام چوری ان کی عادت ہوتی ہے ان سے کوئی
بعید نہیں ہے کہ کارخانے اور ان کی مشینیں و دیگر سامان و آلات سب کچھ بیچ کھائیں، اس لئے
اموال زکوٰۃ کو ضیاع و فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے مذکورہ قید کیساتھ کارخانوں، فیکٹریوں اور
زمینوں کو مقید رکھا جانا مصلحت کا تقاضا ہے، شریعت میں بھی اس کی اصل موجود ہے، حدیث و فقہ
کی کتابوں میں ”کتاب البیوع“ کے تحت ”باب الحجر والتفلیس“ بھی مذکور ہوتا ہے اس
میں اضافتہ مال کے خطرے کے پیش نظر کچھ لوگوں کو مال میں تصرف کرنا اور کوئی معاملہ کرنا شرعی
طور پر ممنوع قرار دیا جاتا ہے، سید سابق لکھتے ہیں:

”قال ابن المنذر: أكثر علماء الأمصار یرون الحجر علی کل مضیع
لمالہ صغیراً کان او کبیراً“ (فقہ النہ ۳۸۰/۳)۔

تنبیہ!- یہ بات ملحوظ رہے کہ کارخانوں و فیکٹریوں کے قیام کا مقصد فقراء کو باروزگار
بانا اور ان میں جو جس کام کا اہل ہو اس میں اس کو مشغول کر کے اس پوزیشن میں لانا ہے کہ معاش
و ضروریات زندگی کی تکمیل میں کسی کا دست نگر نہ رہے، اس مقصد کے لئے کارخانوں کے منافع ان
پر تقسیم کر دینا کافی نہیں ہے، البتہ جو معذور ہوں، جیسے نابینا، پاچھ، ضعیف العمر، دائم المرض وغیرہ قسم

کے ہوں ان کو سالانہ یا ماہانہ رقم مقرر کر دی جائے۔

۲- صورت مسئولہ میں مذکور ہے کہ ”کارخانوں میں مستحقین زکوٰۃ کو ملازم رکھنا“ یہ محل نظر ہے، کیونکہ اموال زکوٰۃ سے قائم کردہ کارخانوں اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کے مالک مستحقین زکوٰۃ ہی ہیں، اگر ان میں ان کو ملازم بھی رکھا جائے تو اس کا معاوضہ الگ سے ملنا چاہئے اموال زکوٰۃ سے قائم کردہ کارخانوں کے ذریعہ استثمار کی شرعی حیثیت یہ بھی ہو سکتی ہے جو حضرت عمرؓ نے غنیمت و فی کی زمینوں کو تقسیم کئے بغیر باقی رکھا تھا تاکہ بعد میں آنے والے بھی مشفع ہوتے رہیں۔

۳- مال زکوٰۃ سے رہائشی مکان یا دوکان برائے تجارت تعمیر کر کے فقراء کو بغیر تملیک محض رہائش یا تجارت کے لئے دینا شریعت میں اس کی کوئی نظیر اور اتوال فقہاء میں کوئی قول ہماری نظر سے نہیں گزرا، اگر اس مکان یا دوکان کی نوعیت اس طرح کی ہو کہ وہ صرف فقراء کی رہائش یا تجارت کے لئے خاص نہ ہو، بلکہ غیر مستطیع مسافروں نادار طالب علموں، مزدوروں اور غازیوں کی رہائش اور مصالح کے لئے بھی عام ہو، اور اس مکان یا دوکان کا نظام کسی امین تنظیم کے تحت ہو تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی، کیونکہ یہ صورت مصارف زکوٰۃ میں سے ”فی سبیل اللہ“ اور ”ابن السبیل“ کا بھی مصداق ہے، ان دونوں میں اکثر فقہاء کے نزدیک تملیک شرط نہیں ہے۔

۴- مال زکوٰۃ سے مکان یا دوکانا تعمیر کر کے فقراء کی ملکیت میں دینے سے کوئی شرعی مانع یا قباحت بظاہر موجود نہیں ہے۔



زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک کی شرط

مولانا عبدالغفار

جن جن مصارف کی تعیین قرآن پاک نے کر رکھی ہے ان تمام میں اموال زکوٰۃ مستحقین کو دیکر مالک بنانا ایک ایسا امر ہے جس پہ قرآن و حدیث، اقوال فقہاء سب متفق ہیں ثبوت تملیک قرآن پاک سے۔

”أَتُوا الزَّكَاةَ“ (سورۃ بقرہ: ۴۳)، ”ان تبدوا الصدقات فنعمما ہی أوتخفوها وتوتوها الفقراء فهو خیر لکم“ (سورۃ بقرہ: ۱۱۰) ان دونوں آیتوں میں زکوٰۃ سے متعلق ایفاء کا حکم دیا گیا ہے اور ”ایفاء“ بلا تملیک کے مقصود ہی نہیں ہو سکتا ہے، اس طرح ان آیتوں سے تملیک کا ثبوت ملتا ہے، اسی طرح آیت قرآنی: ”إنما الصدقات للفقراء والمساكين“ (سورۃ توبہ: ۶۰) میں للفقراء کی لام کو تملیک کے لئے بعض ائمہ نے مانا ہے، جس سے تملیک کا ثبوت ملتا ہے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: ”قال الشافعی: اللام لام تملیک کقولک المال لزید وعمر وبکر“ (تفسیر قرطبی ۴/۱۶۷) ایسے ہی محمد بن ابوبکر المعروف بابن العربی نے بھی اسی طرح کی بات لکھی ہے: ”منہم قال: ان هذه لام التملیک هذا المال لزید وبہ قال الشافعی“ (احکام القرآن ۵۱/۲)۔

شافعیہ کے یہاں مذکورہ آیت میں لام تملیک کے لئے ہے، اور دوسرے ائمہ کے یہاں اگرچہ لام تملیک کے لئے نہیں ہے مگر تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں ”إنما“ حصر

حقیقی کے لئے ہے، اور آیت میں مذکورہ مصارف کے علاوہ کسی بھی مصرف میں زکوٰۃ کا خرچ کرنا صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح احادیث سے بھی تملیک کا ثبوت ہے، ثبوت تملیک احادیث سے حضرت معاذ کو اللہ کے رسول نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اس وقت چند نصیحتیں کی تھیں جن میں صدقہ کے بارے میں یہ ہدایت نامہ جاری کیا گیا تھا: ”توخذ من أغنيائهم وترد في فقرائهم“ (ابوداؤد ۲۲۳۲ اور ”أد في الفقراء“ ظاہر ہے کہ بلا مستحق زکوٰۃ کے مالک بنائے مستحق نہیں ہو سکتا، لہذا تملیک ثابت ہو گیا، اس کے علاوہ ایک اور حدیث اس بارے میں یوں وارد ہے: منه حجيفة عن أبيه قال: قدم علينا مصدق رسول الله، فأخذ الصدقة أغنيا لنا فجعلها في فقرا لنا“ (۱) جس سے تملیک کا ثبوت ملتا ہے، اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے (تملیک) مال زکوٰۃ فقراء کو دیکر مالک بنا دینا ثابت ہو رہا ہے۔

رقوم زکوٰۃ کا استثمار:

اب جبکہ تملیک کی حیثیت معلوم ہو چکی ہے یہ معلوم کرنا کہ استثمار درست ہے، یا نہیں کوئی مشکل امر نہیں رہا، استثمار زکوٰۃ کو زیادہ سے زیادہ نفع والا بنانا۔ مثلاً کارخانے و فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ منافع حاصل کر کے فقراء میں تقسیم کیا جائے، ان فیکٹریوں میں مسلم فقراء کو ملازمت دیکر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے، بلاشبہ یہ ایک اچھا کام ہے، اس طریقے کو اختیار کرنے میں فقراء کو زیادہ نفع ہوگا، مگر یہ بات تو بدابہت معلوم ہو جا رہی ہے کہ اس صورت میں ادائیگی زکوٰۃ کی اصل روح (تملیک) مال زکوٰۃ غریب و مستحقین کو دے کر مالک بنا دینا نہیں پایا جا رہا ہے، کیونکہ مذکورہ صورت میں فقراء صرف منافع کے مالک قرار پا رہے ہیں، لہذا اب اس مقصد صالح بھی استثمار زکوٰۃ جائز و درست نہیں، خواہ فقراء کو ہی ان فیکٹریوں میں اور کارخانوں میں ملازم رکھا جائے۔

اپنی رائے:

بندہ کی رائے یہ ہے کہ مال زکوٰۃ سے فیکٹریاں اور کارخانے قائم کرنا جائز و درست نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیے، یہ کوئی اپنی بات نہیں، بلکہ تقریباً تمام ہی فقہاء و ائمہ اربعہ نے بھی صراحت کی ہے کہ ہر وہ کام جو گرچہ باعث ثواب ہی کیوں نہ ہو، اگر اس میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں تو اس میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا درست نہیں ہوگا، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

”صرف الزکوٰۃ الی وجوه البر من بناء المساجد والرباط والسقایا
ت وإصلاح القناطر وتكفين الموتی ودفنهم أنه لا يجوز؛ لأنه التملیک أصلاً“
(دیکھئے: بدائع ۱۳۲/۲، مجمع الانہر، شرح نقایہ ۳۸۹/۱ وغیرہ)۔

ان کتابوں کے مصنفین نے عام رفاہی اداروں کی تعمیر وغیرہ پر قوم زکوٰۃ خرچ کرنے کو حرام و ناجائز بتایا ہے، اسی طرح فقہ حنبلی کے ترجمان صاحب ”المغنی“ مساجد کی تعمیر، پلوں کی مرمت، کنوؤں کی کھدائی و عام رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے پر عدم جواز کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ولا يجوز صرف الزكواه إلی غیر من ذكر الله تعالى من بناء
المساجد والقناطر والسقایات وإصلاح الطرقات ... وتكفين الموتی، والتو
سعة علی الأضياف وأشباه ذلك من القرب التی لم يذكر الله تعالى“
(المغنی ۲/۶۶)۔

ایسے ہی فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ”الروضۃ المرعب“ میں ہے (دیکھئے: ۱۳۳/۱)۔

فقہ شافعی میں بھی اس کی صراحت موجود ہے (دیکھئے: المجموع ۱۸۵/۶)۔

بہر کیف مال زکوٰۃ سے کارخانہ قائم کرنا جائز و درست نہیں ہے، حتیٰ کہ مسجد مدرسہ ہسپتال وغیرہ بنانے میں بھی خرچ نہیں کر سکتے (دیکھئے: التعلیق للبیرونی علی ہاشم ملتقی الاہل ۱۸۸/۱)۔

مال زکوٰۃ کا خرچ اور حیلہ تملیک:

فقہانے ان جیسے امور میں مال زکوٰۃ خرچ کرنے کا حیلہ بیان کیا ہے، اگر ان حیلوں کے بعد کارخانے و فیکٹریاں قائم کی جائیں تو پھر جائز و درست ہوگا، وہ حیلہ یہ ہے کہ کسی فقیر کو مال زکوٰۃ دے کر اس سے کہا جائے کہ تم کارخانے و فیکٹریاں بنا دو اور وہ تیار ہو جائے تو جائز ہوگا، اور ایسی صورت میں صدقہ کرنے والے کا ثواب اور فقیر کو مذکورہ کام میں خرچ کرنے کا ثواب ہوگا (فتاویٰ ہندیہ ۶/۳۹۲)۔

اسی طرح حیلہ کا تذکرہ صاحب ”در مختار“ نے کیا ہے:

”أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الاشياء“

(در مختار دہشامی ۲/۶۳)۔

اسی طرح کا حیلہ علامہ ابن نجیم مصری الحرائق میں (۲/۳۲۳) اور علامہ کاسانی نے بدائع میں بیان کیا ہے (بدائع ۲/۱۳۹)، لہذا ان حیلوں کے بعد ہی مذکورہ مصارف پر قوم زکوٰۃ خرچ کئے جائیں۔

مکانات و دکان بنا کر فقراء کو صرف رہائش و تجارت کے لئے دینے کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی:

سابقہ تفصیل سے یہ بات متفق ہو چکی ہے کہ مال زکوٰۃ میں (تملیک) مستحقین کو دے کر مالک بنانا ضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اس تفصیل کی روشنی میں جب ہم غور کرتے ہیں تو مکانات و دکانات تعمیر کر کے فقراء کو بے بغیر مالک بنائے صرف رہائش و تجارت کے لئے دینے میں بھی چونکہ صرف منافع کا مالک بنانا ہوتا ہے، اصل مال کا نہیں، اس لئے تملیک کی شرط مفقود نظر آتی ہے تو لامحالہ ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ”فتاویٰ ہندیہ“ میں ہے:

”لو دفع إليه داراً ليسكنها من الزكاة لا يجوز كذا في الزاهدی“ (فتاویٰ

ہندیہ ۱/۱۹۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کی مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق مالِ زکوٰۃ سے مکانات وغیرہ بنوا کر فقراء کو بغیر مالک بنائے دینے کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ادا نیگی زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عین وہ شئی ہی زکوٰۃ میں دی جائے جس میں زکوٰۃ فرض ہوئی ہے، بلکہ دوسری چیز دے سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ مال مستقوم ہو، خواہ دوسری چیز اسی جیسی ہو، یا دوسری جنس سے (بدائع الصنائع ۱۳۶/۲)۔

اس لئے اگر قوم زکوٰۃ نہ دیکر مکانات و دکانیں تعمیر کر کے فقراء و مستحقین کو دیکر مالک بنا دیا جائے تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، بشرطیکہ یہ عمل خود مزین زکوٰۃ کریں، یا وہ شخص کرے جس کی جانب سے دلالت یا اشارۃ و کالت حاصل ہو کہ اس صورت میں وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہو کر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (دیکھئے: فتاویٰ ہندیہ ۱۹۰/۱، ج۲ اللہ ۳۵/۲)۔

البتہ مکانات و دکانیں بنوا کر دینے والا خود مزین نہیں کوئی کمیٹی ہے، یا کوئی شخص ہے جن کو فقراء کی جانب سے صراحتاً یا دلالتاً و کالت بھی حاصل نہیں ہے تو ایسی صورت میں یہ عمل درست نہیں ہوگا۔



استثمار بہ اموال زکوٰۃ کی شرعی حیثیت

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

سب مصارف مذکورہ میں یہ شرط ہے کہ جن کو زکوٰۃ دی جاوے ان کو مالک کر دیا جائے، بدون تملیک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (بیان القرآن ۱۹/۴-۱۲۰ طبع تاج پبلشرز دہلی)۔

تشریح: چونکہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں پیغمبر ﷺ پر طعن کیا گیا تھا، اس لئے متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے، اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں دیدی ہے، آپ ﷺ اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور کریں گے، کسی کے خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے، حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا، بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کر دئے ہیں، جو آٹھ ہیں..... ”حنفیہ“ کے یہاں تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور فقہ شرط ہے (تفسیر عثمانی، ۲۶۰)۔

زیر بحث مسئلہ میں استثمار کے ناجائز ہونے کے سلسلہ میں صفحہ (۵) سے لے کر مسلسل صفحہ (۹) تک جو معتبر فقہی نصوص پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں استثمار کا عدم جواز بالکل واضح اور مبرہن ہو کر سامنے آ گیا ہے اور ان کا خلاصہ اگر کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ استثمار کا مطلب یہ ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کو عین مال زکوٰۃ کا مالک بنانے کے بجائے اس مال سے حاصل شدہ منافع کا مالک بنایا جائے اور زکوٰۃ کی شرعی تعریف میں مستحق زکوٰۃ کو عین اسی مقدار اور مال

☆ مفتی و صدر مدرس دارالعلوم، محلہ توحید گنج بارہ دولہ کشمیر -

کے جزء کا مالک بنانا لازم قرار دیا گیا ہے جو کہ مزکی (زکوٰۃ دینے والے) نے ادائیگی زکوٰۃ کی نیت سے اپنے مال سے علیحدہ کیا ہے۔

اسکے بعد ہم مندرجہ بالا فقہی نصوص کا ترجمہ پیش کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

۱- لغت میں زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور بڑھوتری کے ہیں اور شرعاً زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ کسی محتاج مسلمان کو جو نہ ہاشمی ہو اور نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام ہو، مال کے اس جزء کا مالک بنا دینا جو شریعت مطہرہ نے مقرر کیا ہے (شامی ۲/۲-۳)۔

درج بالا تعریف فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ”تنویر الابصار“ سے نقل کی گئی ہے، پھر اس کتاب کے شارح علامہ علاء الدین ہسکلی اپنے مشہور و مقبول حاشیہ میں اس تعریف کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

(الف) (اوپر تعریف میں خط کشیدہ لفظ) مالک بنا دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس مستحق کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہا ہو کہ یہ دیا ہوا مال اب میری ملکیت ہے میں جو چاہوں اور جس طرح چاہوں اس میں تصرف کر سکتا ہے، لہذا اگر کوئی شخص کسی محتاج یتیم کو کھانا کھلا دے تو زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوگی، جبکہ زکوٰۃ دینے کی نیت کر کے وہ کھانا باقاعدہ اس یتیم کی ملکیت میں دے دے گا، ایسے ہی کپڑے دینے میں بھی نیت کے ساتھ مستحق زکوٰۃ کو باقاعدہ کپڑے کا مالک بنانا ضروری ہے (دیکھئے: حوالہ سابق)۔

(ب) (اوپر کی تعریف زکوٰۃ میں دوسرے خط کشیدہ لفظ) مال کے جزء کا مالک بنانے کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ صرف منافع کو مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر کے ایک سال اپنے گھر میں (مفت) ٹھہرالے (مثلاً یہ سوچ کر کہ میرے اوپر بارہ ہزار روپے سالانہ زکوٰۃ کے فرض ہو چکے ہیں تو بجائے اس کے کہ میں بعینہ یہ رقم کسی مستحق کو دوں (اور وہ کھاپی کر برابر کر لے) اسے سال بھر تک اپنے گھر میں مفت ٹھہراؤں گا) کیونکہ اس کے پاس رہنے کے لئے مکان تک نہیں ہے)

اور اپنے دل میں اس کا واجب کرایہ وصول شدہ مان کر ہر ماہ زکوٰۃ کی نیت کرتا رہوں گا) تو اس طرح کرنے سے وہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (جس کی اس نے نیت کی ہے) (در مختار علی الشامی ۲/ ۳-۲)۔

۲- تملیک کی تشریح کرتے ہوئے صاحب ”فتح القدیر“ وغیرہ حضرات فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو یہ اطمینان ضرور کر لینا چاہئے کہ جس مستحق کو وہ زکوٰۃ دے رہا ہے وہ سمجھ دار اور اپنے نفع و نقصان سے پوری طرح باخبر ہے، اس معاملے میں اسے دھوکہ نہیں لگانا چاہئے (ورنہ تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی) تاہم اگر مستحق زکوٰۃ نا سمجھ ہے، خواہ بچہ یا لا وارث بچہ ہو، یا دیوانہ و پاگل تو ایسی صورت میں ان کا باپ، وصی اور ان کی کفالت کرنے والا قربت دار یا اجنبی اگر ان کے لئے زکوٰۃ وصول کرے تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (بحر الرائق، و نہر الفائق اور قہستانی نے محیط سے نقل کرتے ہوئے یہی لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ یا تو از خود زکوٰۃ بطور مالک وصول کرے، یا پھر اس کا سرپرست یا کفیل وغیرہ اس کی جانب سے زکوٰۃ وصول کرے) (شامی ۲/ ۳، ۲/ ۶۲)۔

۳- اگر کسی مستحق زکوٰۃ یتیم کی کفالت و پرورش کسی کے ذمہ ہے اور وہ کفیل خود بھی صاحب نصاب ہے تو جو کچھ وہ کفیل اس یتیم پر خرچ کرتا ہے وہ اس وقت تک زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا جب تک کہ کھلاتے، پلاتے اور پہناتے وقت وہ زکوٰۃ کی نیت نہ کر لے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر کے ہی مذکورہ یتیم کو کھلا، پلا اور پہناتا رہے تو اس کی زکوٰۃ یقیناً ادا ہو جائے گی، لیکن اس صاحب نصاب کفیل کے گھر میں پلتے ہوئے جو کھانے پینے کی چیزیں مذکورہ مستحق زکوٰۃ یتیم کو بلا اجازت و اطلاع کھائے گا وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوں گی، کیونکہ بلا اجازت کھانے کی وجہ سے باقاعدہ تملیک مزکی کی جانب سے نہیں پائی گئی۔ صاحب بحر الرائق نے ”ولو الحجیہ“ سے اور تارخانہ نے عیون و محیط سے یہی نقل کیا ہے (شامی ج ۲/ ۳)۔

۴- (اوپر (۱) میں مال کے جز کی تشریح میں در مختار سے جو کچھ منقول ہے) صاحب

”بحر الرائق“ نے کشف کبیر کے حوالے سے اسی بات کو نقل کیا ہے اور اس سے پہلے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اہل اصول نے واضح طور پر مال کی تعریف میں کہا ہے ”مال وہ چیز ہے جس کو ضرورت کی خاطر جمع کیا جاتا ہے“ جس سے ظاہر ہے کہ مال کی تعریف صرف اعیان (موجودات) پر ہی صادق آتی ہے منافع پر نہیں (جس سے یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح ہو گئی کہ استثمار میں اموال زکوٰۃ کو ذریعہ بنا کر یہ سمجھ لینا کہ زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور غریبوں کا بھلا بھی ہو جائے گا نہایت غلط فہمی کی بات ہے، کیونکہ استثمار میں مال کی تملیک نہیں، بلکہ اموال زکوٰۃ کے منافع کی تملیک ہوتی ہے، جبکہ شریعت کا مقصد بعینہ اموال زکوٰۃ کی تملیک ہے (شامی ۳/۲)۔

۵- اوپر فقہاء امت کی جو تصریحات پیش کی گئی ہیں ان سے بطور خلاصہ زکوٰۃ کے صحیح معنی میں ادائیگی کے جو لوازمات، ارکان، و شرائط وغیرہ معلوم ہوتے ہیں وہ سب کے سب استثمار میں مفقود ہیں، مثلاً زکوٰۃ کا مالک ہونا (جس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے) بالکل زیر بحث استثمار میں مفقود ہے اور اسی طرح مال زکوٰۃ کی تملیک (جو کہ زکوٰۃ کارکن اعظم ہے) بھی استثمار میں مفقود ہے، لہذا مجوزہ استثمار کی قطعاً گنجائش نہیں نکلتی جبکہ درج بالا فقہائے کرام نے ہی مختلف رفاہی، فلاحی، اور دینی و اصلاحی کاموں میں بھی اموال زکوٰۃ کو صرف کرنا ناجائز قرار دیتے ہوئے زکوٰۃ کے ادا نہ ہونے کا فتویٰ صادر کیا ہے۔

مسئلہ زیر بحث کا ایک حل:

بطور شرعی حیلہ سے یہ گنجائش نکلتی ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کو رقوم زکوٰۃ کا پوری طرح مالک بنا کر سوال نامہ میں درج نازک صورت حال ان کے سامنے رکھ دی جائے اور پھر استثمار کے مجوزہ منصوبہ کے مطابق ان کی آزادانہ رضا مندی سے ان کی رقوم کا استثمار کیا جائے اور یہ حقیقت بہر حال پیش نظر رہنی چاہئے کہ مالک ہو جانے کی وجہ سے ان کو مجوزہ منصوبے سے مکمل اتفاق کرنے، مکمل اتفاق نہ کرنے، اسے بالکل مسترد کرنے یا اس منصوبے کی افادیت تسلیم کرنے

کے باوجود اس میں تعاون نہ کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ (درمختار مع الشامی ج ۲ / ۶۳)

آخر میں سابقہ تفصیلی بحث کی روشنی میں آپ کے سوالات کے بالترتیب جوابات پیش خدمت ہیں۔

۱- (الف) رقم زکوٰۃ کا است شمار جائز نہیں، کیونکہ تملیک مالک (رکن زکوٰۃ) یہاں معدوم ہے۔

ب- عدم جواز کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

ج- است شمار میں تملیک کا رکن معدوم ہے۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے تیار شدہ مکان یا دکان کو بطور عاریت بغرض رہائش و تجارت مستحقین کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ تملیک نہیں پائی گئی۔

۳- فقراء کو باقاعدہ مالک بنا کر دکان و مکان وغیرہ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔



اموال زکوٰۃ کا استثمار

مولانا محمد اقبال قاسمی ☆

زکوٰۃ کی رقم سے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنا:

زکوٰۃ کی رقم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کارخانوں اور فیکٹریوں میں فقراء اور مساکین کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار اور مستقل ذرائع آمدنی فراہم کر دیا جائے گا ایسا کرنا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے، اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر کسی نے ایسا کیا تو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک مال رکن ہے، یعنی مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم سپرد کر کے اس کو مالک بنا دینا، اس طرح کہ اصل مالک کا قبضہ ختم ہو جائے اور اس کو اس میں کسی طرح کا تصرف کرنے کا اختیار باقی نہ رہے، اور نہ اس سے کوئی مطلب رہے اور مستحق اس کا مالک بن جائے اور مالکانہ تصرف کا اس کا اختیار ہو جائے، علامہ کا سانی اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں:

”وَأَمَّا رُكْنُ الزَّكَاةِ فَهُوَ إِخْرَاجُ جِزَاءٍ مِنَ النَّصَابِ إِلَى اللَّهِ وَتَسْلِيمِ

ذَالِكَ إِلَيْهِ بِقَطْعِ الْمَالِكِ يَدَهُ عَنْهُ“۔

(بہر حال زکوٰۃ کا رکن تو وہ نصاب کے ایک جزء کو اللہ تعالیٰ کی طرف نکال کر اس کو اس کے

سپرد کر دینا، مالک کا اپنے قبضہ کو اس سے ختم کر کے)۔

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ، درہنگ۔

تملیک زکوٰۃ کا عنصر اصلی اور رکن اساسی ہے:

اسی لئے اگر کسی نے اپنا مکان بطور زکوٰۃ رہائش کے لئے کسی مستحق زکوٰۃ کو دے دیا تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، چونکہ تملیک نہیں ہے۔

” ولو دفع إليه دار ليسكنها عن الزکوٰۃ لا يجوز كذا في

الزاهدی“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۹۰۱)۔

فقہائے کرام کی مذکورہ تمام عبارتوں سے یہ بات متّح ہو جاتی ہے کہ بغیر تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، خواہ اس کی رقم سے فقراء کو نفع کیوں نہ پہنچ رہا ہو اور کارخانے قائم کرنے سے اگرچہ نفع کی امید لگائی جاسکتی ہے اور فقراء کو روزگار فراہم ہو سکتے ہیں جس سے ان کے لئے مستقل ذرائع آمدنی کی شکل نکل سکتی ہے، لیکن چونکہ کارخانے کا ان کو مالک نہیں بنایا جاتا، اس لئے تملیک کی شرط نہیں پائی گئی، چنانچہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی استعمار سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کی رقم کا جب تک کسی فقیر محتاج کو مالک نہیں بنا دیا جائے گا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، ان کو اس رقم کا مالک بنا دیا جائے اس کے بعد اگر ان کی اجازت و توکیل سے ایسا کوئی انتظام کیا جائے جو آپ نے لکھا ہے۔ تو درست ہے“ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳۸۲/۳)۔

اسی طرح کے ایک اور سوال کے جواب میں حضرت مولانا یوسف صاحب تحریر کرتے

ہیں:

”زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے فقیر کو یا چند فقراء کو آپ اس کا مالک بنا دیتے ہیں تو جتنی

مالیت کا وہ کارخانہ ہے اتنی مالیت کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (حوالہ سابق ۳۸۲/۳)۔

اور زکوٰۃ کی رقم سے جس کارخانہ اور فیکٹری کو قائم کیا جاتا ہے ان کا مالک چونکہ فقراء کو

بنایا نہیں جاتا، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا مالک کے ذمہ ضروری ہے۔

اموال زکوٰۃ کے استعمار کے عدم جواز کے دلائل:

قرآن پاک میں ہے: "وآتوا الزکاة" (سورہ بقرہ: ۴۳) (تم لوگ زکوٰۃ دو) اور دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کو مالک بنا دیا جائے اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ فقراء کو سپرد کر دیا جائے، اور زکوٰۃ کی رقم کی نسبت مالک سے ختم ہو کر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے اور فقیر اللہ تعالیٰ کا نائب ہو کر اس میں تصرف کرے، اسی کو تملیک کہا جاتا ہے (بدائع الصنائع ۳۹۲)۔

اور جب فقیر اس کا مالک ہو جائے تو اس کو اس میں مالکانہ حقوق حاصل ہو جائیں گے، اب اس کو اختیار ہے کہ وہ رقم جہاں چاہے جس ضرورت میں چاہے خرچ کرے اور اگر کسی دوسرے کو ہیبت اس کا مالک بنا دے تو دوسرے کے لئے اس کو استعمال کرنا بغیر کراہت کے جائز ہو گا۔ خواہ وہ شخص غنی ہو یا غریب، اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط مفقود ہے۔

اور جہاں تک یہ سوال ہے کہ فیکٹری سے حاصل ہونے والے منافع کو تو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، اور ان کو ان منافع کا مالک بنا دیا جاتا ہے تو پھر زکوٰۃ کیسے ادا نہیں ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ روپے پیسے غلے، مویشی وغیرہ مستحقین زکوٰۃ کو دیدے جو زکوٰۃ میں واجب ہوئے ہیں، یا اتنی مالیت کا کوئی دوسرا سامان، یہ جائز نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے کوئی مکان، یا گاڑی وغیرہ خرید کر کرایہ میں لگا دے اور کرایہ کو فقراء میں تقسیم کرے، کیونکہ اس سے تو زکوٰۃ کی رقم فقراء کی ملکیت میں آتی ہے اور نہ اس رقم سے خریدی ہوئی چیز، وہ چیز تو خود مالک ہی کے قبضہ میں رہتی ہے، یا اس کے وکیل کے قبضہ میں اور معوض پر قبضہ عوض پر قبضہ کے حکم میں ہے، اس لئے رقم پر بھی مالک ہی کا قبضہ رہا۔ اور جب فقراء کا قبضہ ہوا ہی نہیں تو زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی، زیر بحث مسئلہ کی بعینہ یہی شکل ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے رہائشی مکان یا دوکان تعمیر کرنا:

زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور انہیں ان کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ

ان کو رہائش یا تجارت کے ذریعہ مکان یا دکان سے نفع حاصل کرنے کی اجازت تو ہے، لیکن وہ اس کے مالک نہیں ہیں اور اس طرح نفع حاصل کرنے کی اجازت دینا اباحت ہے تملیک نہیں ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے فقراء کو مالک بنانا شرط ہے ”در مختار“ میں ہے:

”ویشترط أن يكون الصرف تملیکاً لا إباحة“ (در مختار ۲/۶۸ باب الصرف)۔

(یہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دینا بطور اباحت نہ ہو)۔

اسی لئے اگر کوئی اپنا مکان بیٹھ زکوٰۃ کسی مستحق کو ایک سال تک رہائش کے لئے دیدے تاکہ کرایہ کے بقدر زکوٰۃ ادا ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (در مختار ۲/۳۱، نیز دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳۸۹۳)۔

ایک اور استفتاء کا جواب دیتے ہوئے مولانا یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

ایسے غریب اور نادار لوگ جو نصاب کے بقدر اثاثہ نہ رکھتے ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر مکان کا مالک بنا دیا جائے، ایسے غریب اور ناداروں سے رقم کی واپسی کی توقع رکھنا عبث ہے، اس لئے رضا کارانہ واپسی کا سوال خارج از بحث ہے (حوالہ سابق ۳۰۰۳)۔

اس لئے رہائش کے لئے مکان یا تجارت کے لئے دکان دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی جب تک کہ ان کو مالک نہ بنا دیا جائے

زکوٰۃ کی رقم سے مکان، دوکان بنا کر فقراء کو مالک بنا دینا:

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس لئے کہ زکوٰۃ کی شرط تملیک پائی گئی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے رقم ہی دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ اختیار ہے کہ چاہے رقم دے یا اس رقم کی مالیت کا کوئی سامان دے، اس لئے کہ شریعت میں بدل اور مبدل دونوں کا حکم یکساں ہے، فقہاء کا قول ہے: ”البدل حکم

المبدل“ (عائلیہ ۱۸۲/۱)۔

چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس دو کھنڈل گندم ہوں جس کی قیمت دو سو درہم ہوں تو مالک کو اختیار ہے کہ چاہے زکوٰۃ میں گندم دے یا چاہے تو اس کی قیمت دیدے۔ ”فتاویٰ ہندیہ“ میں ہے:

”وإذا كان لرجل مائة قفيز حنطة قيمتها مائة درهم فصاحبها بالخيار إن شاء أدى زكاة من العين وهي خمسة أقدرة حنطة، وإن شاء أدى زكوتها من القيمة كذا في شرح الطحاوی“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۸۱/۱)۔

(جب کسی کے پاس دو سو قفیز گندم ہوں جس کی قیمت دو سو درہم ہوں تو مالک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اس کی زکوٰۃ خود گندم سے ادا کرے اور وہ پانچ قفیز گندم ہیں، اور چاہے تو اس کی زکوٰۃ اس کی قیمت سے ادا کرے)۔

جب زکوٰۃ میں وہ چیز بھی دینا جائز ہے جو صاحب نصاب مالک کے ذمہ واجب ہوئی ہے اور اس کی قیمت بھی تو پھر زکوٰۃ کی رقم سے دوکان یا مکان بنا کر فقراء کو مالک بنا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، شرط ہے کہ اصل مالک کو اس مکان یا دوکان سے کوئی واسطہ نہ رہے، ان کو کاغذات سمیت تمام مالکانہ حقوق دیدیے جائیں صرف نام کا مالک نہ بنایا جائے۔



تملیک زکوٰۃ کی بعض صورتیں

مولانا ارشار احمد اعظمی

اس پر امت کا اتفاق ہے کہ صدقات واجبہ، یعنی زکوٰۃ انہیں آٹھ اصناف کے لئے مختص ہیں جن کا سورہ توبہ کی آیت:

”انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم
وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل“ (سورہ توبہ: ۶۰)۔

میں ذکر ہے، ان کو فقہاء کی زبان میں مصارف زکوٰۃ کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ کسی اور پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے، کیونکہ ان مصارف کو ”انما“ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو قصر پر دلالت کرتا ہے۔ ابن قدامہ مقدسی کہتے ہیں:

”وانما للحصر والإثبات، تثبت المذكور وتنفی ما عداہ“ (المغنی ۱۲۵۴)۔

(انما حصر اور اثبات کے لئے ہے، یہ مذکور کو ثابت کرتا ہے اور اس کے ماسوا کی نفی کرتا

ہے)۔

اسی لئے کچھ اسباب کی بناء پر علماء نے اس میں سے بعض کے سہم کو ساقط تو کیا ہے، لیکن ان آٹھ مذکورین پر اضافہ کی گنجائش کسی کے نزدیک نہیں ہے۔

”ابوداؤد“ میں زید بن حارث صدیقی کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت کی کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ مجھے صدقہ

☆ استاذ الفقہ والتفسیر والادب العربی، الجلمعہ الاسلامیۃ العربیۃ، بھوپال (الہند)۔

میں سے دیجئے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کی تقسیم کو نبی اور غیر نبی پر نہیں چھوڑا، بلکہ اس نے خود اس کا فیصلہ کر دیا اور ان کو آٹھ اصناف پر تقسیم کر دیا اگر تم ان میں سے کسی سے تعلق رکھتے ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں۔

لیکن ان اصناف کو زکوٰۃ کا مال دینے کی شکل کیا ہوگی؟ کیا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مال زکوٰۃ کا بعینہ ان مستحقین کے ہاتھوں میں پہنچ جانا ضروری ہے یا ان کی طرف سے قبضہ کر کے محض منافع کو ان کے لئے مختص کرنے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

اس سوال کا جواب ایک دوسرے سوال سے جڑا ہوا ہے، اور وہ یہ کہ زکوٰۃ کی تحصیل و

تقسیم اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے؟ یا اس کام کو انفرادی طور پر انجام دینا مطلوب ہے؟

عام طور پر یہ مزاج بن گیا ہے کہ لوگ اپنے اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود مستحقین تک پہنچاتے ہیں ایسی صورت میں اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ مال زکوٰۃ مستحق کو دے دیں اور اس کو اس میں مکمل تصرف کا مختار بنا دیں، اس کو کچھ لوگوں نے کتاب اللہ کا منشا، سنت رسول و سنت خلفائے راشدین اور ہمیشہ سے امت کا معمول بتلایا ہے۔

ان حضرات کے خیال میں کتاب و سنت کے نصوص اور فقہائے متقدمین کی تصریحات اسی پر دلالت کرتی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں زکوٰۃ کا حکم ”وآتوا الزکوٰۃ“ (سورہ بقرہ: ۲۳۳) سے دیا گیا ہے اور ”ایفاء“ کے لئے تملیک لازم ہے، اسی طرح اس کو صدقات کہا گیا ہے اور صدقہ کرنا مالک بنانا ہے، نیز مصارف زکوٰۃ کا ذکر کرتے ہوئے لام کا استعمال کیا گیا ہے جو تملیک کا مفہوم رکھتا ہے اور معاذ بن جبلؓ کی حدیث میں ہے:

”تؤخذ من أغنياء هم فترد على فقراء هم“ (ابوداؤد ۲۲۳۲) لہذا جو غنی

سے اخذ کی شکل ہوگی وہی فقیر پر رد کی بھی ہونی چاہئے۔

اس کے بالمقابل دوسرے لوگ ہیں جو نصوص قرآنی و احادیث نبوی اور اقوال علماء کو

اس معنی میں محصور نہیں کرتے کہ زکوٰۃ کی رقم کو بعینہ مستحق کے ہاتھ میں ہی پہنچنا چاہئے، ان کا

خیال ہے کہ زکوٰۃ کی تحصیل اور اس کی تقسیم اصلاً اسلامی حکومت یا اس کے قائم مقام کی ذمہ داری ہے، چنانچہ مصارف زکوٰۃ میں عالمین کا مستقل سہم اس بات کا بین ثبوت ہے کہ زکوٰۃ کو منظم طریقے سے وصول کرنے اور مستحقین کو مساویانہ طور پر ان کی مصلحت کو نظر میں رکھتے ہوئے تقسیم کرنے کے لئے مستقل طور پر نظام ہونا چاہئے۔

خود حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث کے الفاظ: ”تؤخذ من أغنياء هم فترد على فقراء هم“ (ابوداؤد ۲۳۳۱/۲۳۳۲) اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ ان اغنیاء اور فقراء کے علاوہ کوئی تیسرا بھی ہے جو ایک سے لیکر دوسرے کو دے گا۔

مولانا عتیق احمد قاسمیؒ ”إنما الصدقات للفقراء“ پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ آیت مصارف کی اصل مخاطب حکومت اسلامیہ ہے کہ جب زکوٰۃ وصول ہو کر اس کے پاس پہنچے تو اسے کہاں کہاں اور کس طرح صرف کرے (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ۷۷)۔

اور یہ طے ہے کہ جب اس تیسرے شخص کے ہاتھ میں زکوٰۃ پہنچ گئی تو زکوٰۃ ادا کر نیوالے کی ذمہ داری ختم ہو گئی، مولانا مودودی نے امام احمد کے حوالے سے انس بن مالکؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ”إذا ادیت الزکوٰۃ الی رسولک فقد برئت عنہا الی اللہ ورسولہ“ (جب میں نے آپ کے بھیجے ہوئے عامل کو زکوٰۃ ادا کر دی تو میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے فرض سے بری الذمہ ہو گیا؟ حضور ﷺ نے جواب دیا: ”نعم إذا أدیتها الی رسولی فقد برئت منها أي اللہ ورسولہ فملک أجرها واثمها علی من بدلها“ ہاں! جب تو نے اسے میرے فرستادہ عامل کے حوالے کر دیا تو اللہ اور اس کے رسول کے آگے اپنے فرض سے بری الذمہ ہو گیا اس کا اجر تیرے لئے ہے اور جو اس میں ناجائز تصرف کرے اس کا گناہ اسی پر ہے) (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ۶۷)۔

بہر حال مذکورہ وجوہات کی روشنی میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ علماء متقدمین کی تصریحات میں

تملیک کا مطلب وہ نہیں جو آج لیا جا رہا ہے، بلکہ ان کے اقوال میں تملیک کا بنیادی عنصر یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کے مفاد کا اس مال سے کلی طور پر خاتمہ ہو جائے اور ملکیت کی منتقلی عمل میں آجائے، اب اگر صاحب نصاب نے زکوٰۃ براہ راست فقیر کو دی ہے تو ملکیت فقیر کو منتقل ہوگئی اور وہ اس کے تصرف میں آزاد ہو گیا اور اپنی مصلحت کے لئے اسے کہیں بھی خرچ کر سکتا ہے، لیکن اگر اس نے فقیر کو براہ راست زکوٰۃ دینے کے بجائے اس کے نمائندہ کو دی ہے تو وہ فقیر کی طرف سے مالک ہو جائے گا اور جہاں فقیر کی مصلحت ہوگی اس میں تصرف کا اسے حق حاصل ہوگا، آج دینی مدارس میں عموماً یہی تو ہو رہا ہے، البتہ خود زکوٰۃ دینے والے کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ فقیر کی مصلحت کا یقین کرے۔

غرضیکہ زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کی بہتر شکل یہی ہے کہ اس کام کو اجتماعی طور پر انجام دیا جائے تاکہ اغنیاء پر دباؤ بنا رہے ہر صاحب نصاب سے اس کے مال کی زکوٰۃ لی جاسکے اور مستحقین پر عادلانہ اور منصوبہ بند طریقہ پر اس کو صرف کیا جاسکے اور اسلامی حکومت کی عدم موجودگی یا حکومت کی طرف سے تحصیل زکوٰۃ کا نظم نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مجموعی طریقہ پر اس فریضہ کو انجام دیں اور ہر جماعت اپنے حلقہ اثر میں اس ذمہ داری کو نبھائے اور جو لوگ ان کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں گے ان کو عالمین زکوٰۃ کی حیثیت حاصل ہوگی اور ان کو اپنے حدود میں تصرف کا حق حاصل ہوگا جو لوگ جماعت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو فضولی کہتے ہیں وہ اپنی ذمہ داری سے بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو ان کو زکوٰۃ دینے والوں کا دکیل کہتے ہیں وہ ایک کھلی حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔

آج استثمار کی بیشمار شکلیں ہمارے سامنے ہیں ان میں سے ایک فیکٹریوں اور کارخانوں کا قائم کرنا بھی ہے، ان فیکٹریوں کا شیئر فقراء و مساکین کے لئے مختص کر کے زکوٰۃ کا مال ان میں لگایا جاسکتا ہے یا زکوٰۃ کے مال کے بقدر شیئر و حصص فقراء و مساکین کے لئے محفوظ ہوں گے اور ان کے منافع ان پر تقسیم ہوں گے۔

ان کارخانوں میں اجرت پر کوئی بھی باصلاحیت کام کر سکتا ہے اور اسی طرح فقراء کو روزگار مہیا کر کے ان کی حالت کو سدھارا جا سکتا ہے۔

زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات اور دکانیں تعمیر کرنے کی دو شکلیں ہیں:

۱- خود زکوٰۃ دینے والا اس رقم سے مکان یا دکان تعمیر کرائے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، علماء کی صراحت ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی منشاء کے مطابق مال زکوٰۃ میں تصرف نہیں کر سکتا، چاہے اس کی ملکیت بعد میں فقراء کی طرف منتقل کر دے اس میں کئی انتظامی اور شرعی قباحتیں ہیں۔

۲- پہلے اس زکوٰۃ کی رقم دولت مند کی ملکیت سے نکل کر اس ادارہ کی تحویل میں چلی جائے جو غرباء و مساکین کا نمائندہ ہے، وہ ادارہ پہلے فقراء و مساکین کی طرف سے اس رقم کا تملیک کرے گا اور پھر اپنے حدود میں رہ کر فقراء و مساکین کی مصلحت کے تحت اس میں تصرف کرے گا، اگر وہ غرباء و مساکین میں رقم تقسیم کرنے کے بجائے مکان و دکان کی تعمیر کا کام بھی اپنے ذمے لے لیتا ہے اور پھر رہائش کے لئے مکان اور تجارت کے لئے دکان فقراء کے لئے مختص کر دیتا ہے تو یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ بعض حالتوں میں قرین مصلحت بھی ہے۔

☆☆☆

موجودہ حالات میں اموال زکوٰۃ کا است شمار

مولانا عبدالرشید قاسمی جو پوری

تملیک فقیر اور فقہائے حنفیہ:

امام ابو بکر ابن مسعود کا سانی حنفی (۵۸۷) لکھتے ہیں:

رکن زکوٰۃ یہ ہے کہ نصاب کا ایک حصہ نکال کر اللہ کے حوالہ کیا جائے، خاص طور پر مال کا مالک فقیر، یا اس کا نائب، یعنی عامل صدقہ کی ملکیت اور قبضہ میں وہ مال دے، اس طرح کہ اس مال سے بالکل دست کش ہو جائے، فقیر کی ملکیت اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور فقیر کو مالک بنانے اور فقیر کے حوالے کرنے میں صاحب مال اللہ کا نائب ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

”کیا لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقہ لیتا ہے۔“

اور رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ”زکوٰۃ فقیر کی ہتھیلی میں جانے سے پہلے رحمان کے ہاتھ میں جاتی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے مالکین اموال کو ایسے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

”وَأَتُوا الزَّكَاةَ“ (سورۃ بقرہ: ۴۳) (اور زکوٰۃ دو)۔

اور ایسے (دینا) مالک بنانا (تملیک) ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ”إنما الصدقات للفقراء“، والی آیت میں زکوٰۃ کو صدقہ کا نام دیا ہے اور صدقہ کرنا مالک بنانا ہے، اور اس لئے کہ

زکوٰۃ ہماری اصل کے اعتبار سے عبادت ہے اور عبادت کا مطلب یہی ہے کہ کسی عمل کو کلیۃً اللہ کے لئے کرنا، زکوٰۃ میں یہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب فقیر کے حوالہ کرنے کے بعد زکوٰۃ کے بقدر مال کی نسبت سے زکوٰۃ دھندہ کلیۃً منقطع ہو جائے، اور وہ خالص اللہ کے لئے ہو جائے، زکوٰۃ میں قربت کا مفہوم اپنی ملکیت ختم کر کے اللہ کی طرف اس مال کے نکالنے میں ہی ہے، تاکہ فقیر کو مالک بنانے میں، بلکہ فقیر کو مالک بنانا دراصل اللہ کی جانب سے ہے اور صاحب مال اللہ تعالیٰ کی جانب سے نائب ہے (بدائع الصنائع ۲/۱۴۳)۔

حاصل کلام:

علامہ کاسانی کی تحقیق بالا کا حاصل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی نظر میں زکوٰۃ عند اللہ مقبول اسی وقت ہوگی، جبکہ زکوٰۃ کا مال کی نسبت سے تعلق منقطع ہو جائے اور زکوٰۃ لینے والا جس طرح چاہے اس کو ضروریات زندگی میں خرچ کرتا رہے، خواہ اس سے کپڑے، یا خور و نوش کے سامان خریدے، یا دوکان و مکان کا رخانے، فیکٹری تعمیر کرے، چونکہ اب وہ مال زکوٰۃ کا مکمل مالک ہے، اور اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتا رہے۔

فقہائے شافعیہ:

شیخ ابواسحاق شیرازی اپنے مسلک کا نقطہ نظر لکھتے ہیں:

”صدقات کو آٹھ قسموں میں خرچ کرنا واجب ہے، اس کی دلیل ارشاد بانی ہے: ”إنما الصدقات للفقراء“ اس آیت میں تمام صدقات کی اضافت لام تملیک کے ذریعہ ان آٹھ قسموں کی طرف کی گئی ہے اور شرکت پر دلالت کرنے والے کے ذریعہ انھیں آپس میں شریک بنایا گیا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ انھیں آٹھوں قسموں کی ملکیت اور انھیں کے درمیان مشترک ہے“ (المہذب ۱/۲۳۱)۔

امام نووی (۶۷۶ھ) زکوٰۃ کے پانچویں مصرف ”فی الرقاب“ کی وضاحت فرماتے

ہوئے لکھتے ہیں:

”سیدنا امام شافعیؒ اور ان کے شاگردوں نے فرمایا: ”فی الرقاب“ کا حصہ مکاتب غلاموں پر خرچ کیا جائے گا، یہی ہمارا مذہب ہے اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں، ہمارے فقہاء نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اللہ خالق کا قول ”و فی الرقاب“ اللہ تعالیٰ کے قول ”و فی سبیل اللہ“ کی طرح ”و فی سبیل اللہ“ میں مجاہدین کو دینا واجب ہے، اسی طرح یہاں ”رقاب“ کو دینا واجب ہوگا، اور ”رقاب“ کو دینا ہمارے ہی مذہب کے اعتبار سے ہوگا، جو لوگ کہتے ہیں کہ اس حصہ سے غلام خرید لئے جائیں تو غلاموں کو دینا نہیں ہوا ہے، بلکہ ان کے مالکوں کو دینا ہوا، نیز تمام اصناف میں ضروری ہے کہ حصہ مستحق کے حوالہ کر دیا جائے اور اسے مالک بنا دیا جائے، لہذا یہاں بھی اسی طرح ہونا چاہیے، کیونکہ شریعت نے رقاب کے لئے ایسی قید نہیں لگائی ہے جو دوسرے مصارف سے مختلف ہو (المجموع ۱۳۶/۶، نیز اس سے ملتی جلتی بات امام قرطبی نے کہی ہے، دیکھئے: تفسیر قرطبی ۱۶۷/۸)۔

ماحصل:

”المہذب“ کے مصنف شیخ ابواسحاق شیرازی اور امام نووی اور امام قرطبی کی محققانہ عبارات سے یہ واضح ہوا کہ فقہائے شافعیہ نے ”للفقراء“ وغیرہ کے لام کو لام تملیک قرار دیا ہے، اس لئے ان کے نزدیک بھی فقراء کو مال زکوٰۃ کا مالک بنانا انتہائی ضروری ہے، صرف یہ بات کافی نہیں کہ زکوٰۃ دھندگان اپنے طور پر زکوٰۃ کو مستحقین زکوٰۃ کے مفاد میں خرچ کریں اور ان کے قبضہ میں مال زکوٰۃ کو نہ دیں۔

فقہائے حنابلہ:

مشہور حنبلی فقیہ شمس الدین مقدسی (۷۶۳ھ) لکھتے ہیں:

”زکوٰۃ نکالنے میں یہ شرط ملحوظ رہے کہ جسے زکوٰۃ دی جائے اسے مالک بنا دیا جائے، لہذا یہ جائز نہیں کہ زکوٰۃ سے فقراء و مساکین کو صبح و شام کھانا کھلا دیا جائے، میت کے اس قرض کی ادائیگی نہیں کی جائے گی جو قرض اپنی یا دوسرے کی مصلحت کے لئے لیا ہو، اس بات کو ابو عبید

ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے، کیونکہ میت صدقہ قبول کرنے کا اہل نہیں رہا، اسی طرح مال زکوٰۃ سے میت کی تکفین جائز نہیں“ (کتاب الفروع ۲/۶۱۹)۔

علامہ بہوتی (۱۰۳۶) لکھتے ہیں:

”زکوٰۃ پر فقیر کی ملکیت کے لئے اور صاحب مال کی زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے اس پر فقیر کا قبضہ کرنا شرط ہے، لہذا مال زکوٰۃ سے فقراء کو صبح و شام کھانا کھلانا کافی نہیں، کیونکہ یہ ”ایتاء“ یعنی دینا نہیں ہے، اور نہ ہی زکوٰۃ سے کسی میت کا دین ادا کیا جائے گا، خواہ میت نے اپنی یاد دوسروں کی مصلحت کے لئے وہ قرض لیا ہو، یہ بات ابو عبید ابن عبدالبر نے بصورت اجماع نقل کی ہے۔ کیونکہ میت میں زکوٰۃ قبول کرنے کی اہلیت نہیں، جس طرح اگر صاحب مال زکوٰۃ سے میت کی تکفین کرے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ فقراء و دیگر مستحقین زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ میں قبضہ کرنے سے پہلے تصرف صحیح نہیں، کیونکہ مستحقین زکوٰۃ قبضہ کرنے کے بعد ہی مال زکوٰۃ کے مالک بنتے ہیں“ (کشاف القناع ۲/۱۶۸-۱۶۹)۔

حاصل کلام:

فقہ حنبلی کے دو مشہور محقق ائمہ کی تحقیق سے چند باتیں واضح ہوں گی:

(۱) زکوٰۃ پر فقیر کی ملکیت جہی مکمل ہوگی جب زکوٰۃ دہندہ اس مال سے کھیتہ علیحدہ ہو جائے۔

(۲) مال زکوٰۃ سے ایسا کام کرنا جس سے ضرورت مند کو صرف منفعت ہو اور مال زکوٰۃ سے خریدی ہوئی چیز اس کی ملکیت میں نہ آئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

(۳) امام ابو عبید ابن عبدالبر رحمہما اللہ نے فرمایا کہ تملیک فقیر کے بابت اجماع ہے،

اب یہ اجماع دو صورتوں سے خالی نہیں ہوگا، یا تو فقہائے حنابلہ کا اجماع ہوگا، اگر فقہائے حنابلہ کا اجماع ہے تو اس صورت میں بھی منفعت زکوٰۃ کی صورت مستحقین زکوٰۃ کے لئے اختیار کرنے کی فقہ حنبلی میں گنجائش نہیں، اور اگر یہ جمہور فقہاء کا اجماع ہے تو منفعت زکوٰۃ کی صورت اختیار کرنا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں۔

فقہائے مالکیہ :

احمد بن محمد بن منصور اسکندریؒ (۶۸۳ھ) آخری چار مصارف زکوٰۃ پر لام کے بجائے ”فی“ داخل کرنے کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

”پھر یہاں ایک اور راز ہے جو زیادہ قوی اور قابل قبول ہے، وہ یہ ہے کہ پہلے چار اصناف اس مال کے مالک بن جاتے ہیں جو انھیں دیا جاتا ہے، یہ لوگ مالکانہ طور پر اس مال کو لیتے ہیں اور آخر کے چار اصناف دئے ہوئے مال کے پورے طور پر مالک نہیں ہوتے، بلکہ مال ان پر صرف کئے جانے کے بجائے ان سے وابستہ چند مصالح میں صرف کیا جاتا ہے“
(الاصناف من الکشاف ۱۵۸/۳، ۱۵۹)۔

علامہ شوکانی اپنی مشہور تصنیف ”فتح القدر“ میں فرماتے ہیں :

”إنما من صیغ القصور و تعریف الصدقات للجنس أی جنس هذه الصدقات مقصور علی هذه الأصناف المذكورة لا تجاوزها، بل هی لهم لا لغيرهم“ (فتح القدر للشوکانی ۳۷۱/۲)۔

(کلمہ انما حصر کے صیغوں میں سے ہے اور لفظ ”الصدقات“ کا معرف بلام لانا جنس کے لئے، یعنی ان تمام صدقات واجبہ کی پوری جنس مقصود و محصور ہے کہ یہ زکوٰۃ واجبہ صرف ان مذکورین کے لئے ہیں ان کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں)۔

علامہ شوکانی دو جملوں میں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ لام یہ لام، تملیک ہے تو ان مذکورین کو مالک بنا دینا لازم ہوگا، یہ مالک ہو کر پھر جہاں چاہیں اور جس مصرف میں چاہیں صرف کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی ”التفسیر المنیر“ میں جمہور و فقہاء کے نکتہ نظر کی ترجمانی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

”علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مال زکوٰۃ کو مساجد اور پلوں اور سبیلوں کی تعمیر میں اور

راستے کی مرمت میں اور مردوں کی تکلیفیں میں اور ان کے قرضوں کی ادائیگی اور اسلحوں کی خریداری اور دوسرے اس طرح کے نیک کام میں جن کا اللہ نے ذکر نہیں فرمایا، جن میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے، خرچ کرنا جائز نہیں“ (الشیر الہمیر ۱۰/۲۷۴)۔

خلاصہ:

معروضات بالا سے یہ بات روشن ہوگئی کہ ارشادات ربانی زکوٰۃ کے ساتھ جو فعل ”ایتاء“ استعمال ہوا ہے اس میں مالک بنانے کا مفہوم بدرجہ اتم پایا جاتا ہے، کیونکہ مال زکوٰۃ مالیات میں سے ہے جو ملکیت کے قابل بننے کی چیز ہے اور زکوٰۃ دینے کا مطلب عرفاً یہی ہوتا ہے کہ انسان مال زکوٰۃ سے اپنی ملکیت اور قبضہ ختم کر کے ضرورت مندوں کی ملکیت میں دے دے، اب اگر یوں کہا جائے کہ وہ مال فقیر یا مستحق زکوٰۃ کی ملکیت میں جانا ضروری نہیں، بلکہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مال خدائی ملکیت میں رہے اور مستحق زکوٰۃ کو صرف منفعت حاصل ہو تو وقف اور زکوٰۃ میں کیا فرق رہ جائیگا، اور دونوں کے مابین یہی شئی ماہ الامتیاز ہے اور احکام زکوٰۃ کی یہی شان ہے کہ وہ اصحاب ثروت سے ان کے مال پر سے ایک ایک جزو کی ملکیت ان سے ختم کر کے ضرورت مندوں کی تملیک میں دے دینا ہے اور فقراء اور مساکین جس طرح چاہیں جہاں چاہیں صرف کریں اور وقف کے احکام کی خصوصیت یہ ہے کہ اصحاب ثروت کی ملکیت سے وہ مال نکل تو جاتا ہے، مگر جن اشخاص سے یا جن اداروں پر مال وقف کیا جاتا ہے ان کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ صرف اور صرف منفعت وقف حاصل ہوتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا انھیں حق ہوتا ہے۔

۱- اموال زکوٰۃ کا استثمار:

(الف) اللہ رب العزت نے زکوٰۃ کے مستحق کو خود صریح منصوص فرمایا ہے۔

صیغہ ”إنما الصدقات للفقراء“ کا مفہوم یہی ہے کہ ”الصدقات للفقراء والمساكين“ کا ”لام تملیک“ کا ہے، یعنی ادائیگی زکوٰۃ و صدقات صحیح نہیں ہوگی، مگر انھیں مذكورین میں ایک کو مالک بنانے سے، کسی اور کے دینے سے ادائیگی ہوگی، اگر لام استحقاق کے

لئے لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے مستحق صرف اور صرف یہی مذکورین ہیں، ان کے علاوہ کوئی دوسرا مستحق، یا کسی اور کو دے دینا، یا کسی اور جگہ خرچ کرنا، مثلاً کارخانے وغیرہ بنانا یہ تمام شکلیں مال زکوٰۃ کو غیر مستحق پر خرچ کرنے کے موافق ہوگی جو فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ہے۔ اور زکوٰۃ دہندہ ذمہ سے بری نہ ہوگا اور اگر لام کو استیفاء کے لئے لیا جائے جب بھی یہی مفہوم ہوگا کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ صرف انھیں کو مذکورین کی نفع رسانی کے لئے ہے اور اگر نفع رسانی کے بجائے اور کسی کی نفع رسانی ہو جائے مثلاً نہریں کھدانا، پلوں کی تعمیر کرنا وغیرہ تو یہ شکل بھی جائز نہ ہوگی، بلکہ حضرات مفسرین نے لام کو انتفاع کے معنی میں لیتے ہوئے فرمایا کہ انتفاع کامل مراد ہے، اور انتفاع کامل کی شکل یہی ہے کہ آپ مستحقین زکوٰۃ کو مالک بنا دیں اور وہ جہاں چاہے جب چاہے جس طرح چاہے خرچ کرے، اس کی مرضی کا اس میں پورا دخل ہوگا، لہذا یہ صورت بالاشری نقطہ نظر سے جائز نہیں۔

۲- مال زکوٰۃ سے رہائشی مکانات و دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش، یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور انھیں مکانات و دوکانات کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۳- فقراء میں زکوٰۃ کی رقوم تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے مال زکوٰۃ سے مکانات و دوکانات وغیرہ کو خرید کر کے ان کی ملکیت میں دیا جائے تو ان تمام شکلوں میں تملیک فقیر کی شرط پائی گئی، لہذا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یہ اور بات ہے کہ افضل اور اولی نقد دینا ہے تاکہ مستحق زکوٰۃ جیسے چاہے صرف کرے۔

جوابات سوالنامہ:

نوٹ: اس عنوان کے تحت اگرچہ کئی سوالات کئے گئے ہیں، مگر حقیقی سوال جن سے دیگر سوالات کے جوابات بھی مل جاتے ہیں، راقم کو بس دو معلوم ہوئے۔ (۱) استثماری در دست ہے یا نہیں؟ (۲) زکوٰۃ کے مستحق کو مالک بنانا ضروری ہے، یا نہیں؟ اس لئے صرف ان دو مرکزی

سوالوں کے جوابات دینے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

فقہ حنفی کی رو سے ان دونوں سوالوں کے جوابات متعین ہیں وہ یہ کہ:

(۱) استعمار، یعنی زکاۃ کے اموال کو مستحق کو دینے کے بجائے اسے مثلاً تجارت میں لگا

نا درست نہیں، جیسا کہ بیشتر کتب فقہ میں ملتا ہے، مثلاً فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

(زکاۃ کا مال تجارت میں لگانا درست نہیں اس مال زکاۃ کو بعینہ صدقہ کر دیا جائے (ص ۲۰ ناشر

مکتبہ امدادیہ دیوبند) یہی حکم فتاویٰ رحیمیہ میں ملتا ہے (۱۲/۸ از مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب

لاچوری)

(۲) مستحق زکاۃ کو (مال زکاۃ کا) مالک بنانا ضروری ہے، مالک بنائے بغیر زکاۃ ادا نہ

ہوگی۔

لہذا معلوم ہوا کہ اگر مال زکاۃ سے مکانات یا دوکان وغیرہ تعمیر کر کے فقراء کی ملکیت

میں دے دی جائیں تو زکاۃ ادا ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔

☆☆☆

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک کی شرط

قاضی محمد کمال قاسمی ☆

مال زکوٰۃ سے مستحقین زکوٰۃ کو پورا پورا نفع پہنچانے کے لئے اسلام نے لازم قرار دیا کہ وہ لوگ جن پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے اپنے مال کی زکوٰۃ نکال کر اسے مستحقین زکوٰۃ کی ملکیت اور تصرف میں دے دیں، مال زکوٰۃ پر اپنا کوئی تصرف و کنٹرول باقی نہ رکھیں تاکہ وہ لوگ اپنی صواب دید سے وہ مال جس ضرورت کی تکمیل میں چاہیں صرف کریں۔

قرآن کریم سے شرط تملیک کی دلیل:

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے، اس پر ”بدائع الصنائع“ میں قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: ”وآتوا الزکوٰۃ“ میں ایفاء زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے، ایفاء کے معنی تملیک کے ہیں۔

”وقد أمر الله تعالى الملاك بإيفاء الزكاة لقوله عز وجل ” وآتوا

الزکوٰۃ“ والایفاء هو التملیک“ (بدائع الصنائع ۳۹۲)۔

قرآن کریم میں لفظ ایفاء صدقہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مالک بنادینے ہی کے معنی میں

استعمال ہوا ہے، مثلاً ” وآتوا النساء صدقاتهن نحلة“ (سورۃ نساء: ۴)۔

(عورتوں کے ان کے مہر دیدو)۔ ظاہر ہے کہ مہر کی ادائیگی جب ہی ہوتی ہے جب مہر

کی رقم پر عورت کو مالکانہ قبضہ دے دیا جائے۔

☆ قاضی دارالقضاء دہلی، اوکھلا، جامعہ گریجویٹ دہلی-۲۵۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے: ”خذ من أموالهم صدقة“ (سورۃ توبہ) اور ”إنما الصدقات للفقراء“ الخ (سورۃ توبہ ۶۰) صدقہ میں تملیک ہوتی ہے۔

”سمى الله تعالى الزكاة صدقة بقوله عزو جل: ”إنما الصدقات للفقراء“ و التصدق تملیک“ (بدائع الصنائع ۳۹۲)۔

حدیث معاذ سے استدلال

اگر ہم حدیث معاذ کی روشنی میں دیکھیں تو تملیک کا مسئلہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا: ”إن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم“ (ابوداؤد ۲۳۳۲)۔

(اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو واپس دی جائے گی)۔

اس حدیث میں غور کرنے کی بات ہے کہ صدقہ فرض (زکوٰۃ) کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اغنیاء سے اس کا اخذ (لینا) ہوگا اور فقراء پر اس کا رد (واپس کرنا، دینا) ہوگا اخذ اور رد دونوں مقابل لفظ ہیں، اغنیاء سے جس چیز کا اخذ ہوگا فقراء پر اسی چیز کا رد ہوگا، ظاہر ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے میں اغنیاء سے صرف مال زکوٰۃ کے منافع نہیں لئے جاتے، بلکہ اس کی ملکیت بھی لی جاتی ہے، لہذا فقراء پر رد صرف منافع کا نہیں ہوگا، بلکہ ملکیت کا بھی ہوگا، یعنی فقراء کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے گا، یہی تملیک فقیر ہے (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ۳۱، ۳۲۔ از مولانا متقی احمد قاسمی)۔

یہ نکتہ تو بدیہی اور اجماعی ہے کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد مال زکوٰۃ سے زکوٰۃ دہندہ کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ وہ مال کسی فقیر مستحق زکوٰۃ کی ملکیت میں جانا ضروری نہیں، بلکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مال خدا کی ملکیت میں رہے اور مستحقین زکوٰۃ کو اس سے فائدہ پہنچایا جائے تو وقف اور زکوٰۃ میں کیا فرق رہ جائے گا؟ دونوں کے درمیان ماہہ الاتیاز یہی تو ہے کہ مال وقف ان لوگوں کی ملکیت میں نہیں جاتا جن پر وقف کیا گیا ہے اور مال

زکوٰۃ مستحق زکوٰۃ کی ملکیت بن جاتا ہے (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ۴۱)۔

بہر حال زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کا ضروری ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور عقل بھی اس کی متقاضی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر آخری صدیوں تک زکوٰۃ کی ادائیگی اور تقسیم کا یہی طریقہ رائج تھا کہ زکوٰۃ فقراء و مساکین اور دوسرے مستحقین کو بطور ملکیت دے دی جاتی تھی تاریخ اسلام میں ایک بھی نظیر ایسی نہیں ملتی کہ زکوٰۃ فقراء میں تقسیم کرنے کے بجائے کسی ایسے رفاہی اور فلاحی اسکیم میں لگائی گئی ہو جس کا نفع فقراء کو پہنچتا ہو اور ملکیت ان کی طرف منتقل نہ ہوتی ہو، حالانکہ اس زمانہ میں رفاہی اور فلاحی کام کثرت سے ہوا کرتے تھے (زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک ۴۲، ۴۳)۔

مستحق زکوٰۃ کو دئے گئے مال زکوٰۃ کا حکم:

مستحق زکوٰۃ کو اتنا مال زکوٰۃ دینا مندوب ہے جس سے اس کی اپنی اور اس کے اہل و عیال کی ایک دن کی ضروریات پوری ہو جائیں اور اس دن کے لئے اسے مانگنے کی ضرورت نہ رہے، ایک دن کی ضروریات سے مراد صرف کھانے کی ضروریات نہیں ہیں بلکہ اس دن خود اسے اور اس کے اہل و عیال کی جو بھی ضروریات ہوں سب مراد ہیں، جیسے تیل، صابن، کپڑا اور مکان کا کرایہ وغیرہ، درمختار میں ہے:

”یندب دفع ما یغنیہ یومہ عن السؤال واعتبار حالہ من

حاجۃ و عیال“ (درمختار مع رد المحتار ۲۰۲)۔

مستحق زکوٰۃ اکیلا ہو اور اس کے ذمہ قرض نہ ہو ایسے مستحق کو نصاب کی مقدار یا اس سے زیادہ مال زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، یہ دیا ہوا مال خواہ نامی ہو یا غیر نامی حتیٰ کہ اگر مستحق کو دئے ہوئے مال کی قیمت نصاب کے برابر ہے تو یہ دنیا بھی مکروہ ہے اور خواہ دیا ہوا مال نقد ہو یا جانور، لہذا اگر ایسے پانچ اونٹ جن کی قیمت نصاب کے برابر نہیں ہے ان کا مستحق زکوٰۃ کو بہد

زکوٰۃ دینا مکروہ ہے۔

اگر مستحق زکوٰۃ صاحب اولاد ہے اسے نصاب سے زیادہ مال زکوٰۃ دیا اور دیا ہو مال زکوٰۃ اتنا ہے کہ مستحق اور اس کی عیال پر تقسیم کر دیا جائے تو کوئی بھی صاحب نہ ہوگا تو مکروہ بھی نہیں ہے، یا مستحق زکوٰۃ مقروض ہے اسے نصاب سے زیادہ مال زکوٰۃ دیا اور دیا ہو مال زکوٰۃ اتنا ہے کہ قرض کی ادائیگی کے بعد مستحق زکوٰۃ صاحب نصاب نہ ہوگا تو اس شکل میں بھی کراہت نہیں ہے، تفصیل کے لئے دیکھیے: (شامی ۶۸/۲، بدائع ۴۹/۲)۔

”فتاویٰ رحیمہ“ میں ہے:

سوال:- ایک ہی شخص کو اتنی زکوٰۃ دی جائے کہ وہ مالک نصاب بن جائے تو وہ

درست ہے؟

الجواب:- ایک ہی آدمی کو اس قدر زکوٰۃ دینا کہ وہ صاحب نصاب بن جائے یہ مکروہ ہے، ہاں مقروض کو اس کے قرض کے برابر یا اس سے بھی زائد رقم دے سکتے ہیں، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، مگر یہ زائد رقم ایک نصاب کے برابر نہ ہو، اسی طرح عیال دار کو اتنی رقم دے سکتے ہیں کہ اگر اولاد پر تقسیم کی جائے تو ہر ایک بچہ صاحب نصاب نہ بن سکے اتنی رقم دی گئی اور وہ صاحب نصاب بن گیا تو اب دوبارہ دوسری زکوٰۃ کی رقم اس کو نہیں دی جاسکتی (در مختار مع الشامی ۲/۶۸، فتاویٰ رحیمہ ۲/۱۳)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو اتنا مال دینا جس سے اس کی اپنی اور اسکے اہل و عیال کی ایک دن کی تمام ضروریات پوری ہو جائیں مندوب ہے۔

مستحق زکوٰۃ کو اتنا مال زکوٰۃ دینا جس سے وہ صاحب نصاب نہ ہو بلا کراہت جائز ہے، مستحق زکوٰۃ کو اتنا مال زکوٰۃ دینا جس سے وہ صاحب نصاب ہو جائے جائز ہے، لیکن مکروہ ہے، البتہ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا معروضات کے بعد سوال نامہ میں درج سوال کے جوابات حسب ذیل

ہیں۔

۱- (الف) زکوٰۃ کی رقوم کا استعمار، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر انکے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے گا شرعی نقطہ نظر سے ناجائز ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک، یعنی مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دینا شرط ہے، بغیر تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اس صورت میں مال زکوٰۃ کی تملیک نہیں ہوتی۔

(ب) اموال زکوٰۃ کے استعمار کے ناجائز ہونے کی دلیل قرآن و حدیث سے اوپر پیش کر دی گئی ہے۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک (مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک بنانا) ضروری ہے اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک سرے سے پائی ہی نہیں گئی۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور انہیں ان مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

۳- مکان یا دوکان کی قیمت نصاب زکوٰۃ سے زیادہ ہی ہوتی ہے، لہذا ایسا مستحق زکوٰۃ جو نہ مقروض ہے اور نہ صاحب اولاد ہے، اسے مکان یا دوکان زکوٰۃ کے مال سے تعمیر کرا کر دینا مکروہ ہے، البتہ اگر کسی نے ایسے مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے مال سے مکان یا دوکان تعمیر کرا کر دے دی تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائی گی۔

اگر مستحق زکوٰۃ اتنا مقروض ہے کہ مکان یا دوکان کی قیمت میں سے قرض منہا کرنے کے بعد قیمت کی صرف اتنی رقم باقی بچتی ہے کہ اس سے مستحق زکوٰۃ صاحب نصاب نہیں ہوگا تو زکوٰۃ کے مد سے تعمیر شدہ مکان یا دوکان ایسے مستحق زکوٰۃ کو دینا بلا کراہت جائز ہے۔

یا مستحق زکوٰۃ ایسا صاحب عیال ہے کہ مکان یا دوکان کی قیمت سب برابر تقسیم کر دی جائے تو ان میں کوئی صاحب نصاب نہ ہوگا تو زکوٰۃ کے مد سے تعمیر شدہ مکان یا دوکان کا ایسے مستحق زکوٰۃ کو دینا بھی بلا کراہت جائز ہے۔

☆☆☆

تملیک زکوٰۃ کی بعض صورتیں

مولانا محمد نور القاسمی ☆

ادائیگی زکوٰۃ کے صحیح ہونے کے لئے تملیک:

جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ ”مصارف“ میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، مالکانہ قبضہ دیئے بغیر اگر کوئی مال انہیں لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ قرآن کریم میں عموماً زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ ”ایتاء“ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے مثلاً:

”اقاموا الصلاة و آتوا الزکوٰۃ لهم أجرهم عند ربهم“ (سورہ بقرہ: ۲۷۷)۔

(اور بالخصوص نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی ان کے لئے ان کا ثواب ہوگا ان کے پر

وردگار کے نزدیک)۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی جگہوں میں زکوٰۃ کا مال صرف نہیں کیا جاسکتا جہاں تملیک ممکن نہ ہو۔ علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

”ان مصارف کے علاوہ میں جن کو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے زکوٰۃ کا مال صرف کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً مساجد، پل، حوض و سبیل کی تعمیر میں اور سڑکوں کی اصلاح کے لئے پشتہ و باندھ باندھنے کے لئے، مردہ کے کفن، اور مہمانوں کو کھانا کھلانے میں، ابو داؤد کہتے ہیں کہ امام احمد سے میں نے سنان سے سوال کیا گیا کہ زکوٰۃ کی رقم سے مردے کو کفن دیا جاسکتا ہے؟ تو انہوں نے

☆ استاذ جامعہ ہدایہ، بے پور، راجستھان۔

فرمایا: نہیں، اور نہ ہی میت کے دین کی ادائیگی میں زکوٰۃ کا مال صرف کیا جاسکتا ہے، میت کے دین میں اس کو اس لئے صرف نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ مقروض درحقیقت میت ہے جس کو دینا ممکن نہیں، (الغنی لابن قدامہ ۲۸۱/۲-۵۲۷، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب الاموال ۲۳۲، المدونہ ۱۳۲۵۸، المحلی لابن حزم ۲۶۳/۵، روضة الطالبین ۳۲۰/۲، فقہ السنہ ۳۵۹/۱)۔

زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار:

مذکورہ بالا تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ کا استثمار، یعنی اس مال سے کارخانے، فیکٹریاں اور دوکان وغیرہ قائم کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ایسی صورت میں فقراء و مساکین وغیرہ کی طرف سے قبضہ اور تسلیک نہیں پائی جا رہی ہے، جبکہ ادائیگی زکوٰۃ کی صحت کے لئے تسلیک اور قبضہ شرط اور ضروری ہے، نیز بعض فقہاء جن میں امام کرخی (م: ۳۳۰ھ)، امام مالک، امام شافعی اور احمد بن حنبل (رحمہم اللہ تعالیٰ) ہیں نے فی الفور ادائیگی زکوٰۃ کی شرط لگائی ہے، جو استثمار کی صورت میں بہر حال نہیں پایا جاتا۔ (واضح رہے کہ عام حنفیہ کے نزدیک بغیر کسی عذر کے ادائیگی زکوٰۃ میں تاخیر کرنا مکروہ ہے) دور حاضر کے ایک عالم شیخ عبداللہ ناصر علوان نقل کرتے ہیں:

”یہ بات پہلے ہم نے ذکر کر دی ہے کہ زکوٰۃ فی الفور واجب ہے، نیز قرآن کریم کے مقرر کردہ مصارف میں ہی زکوٰۃ کو صرف کرینکا تقاضہ بھی یہی ہے کہ فی الفور اس کی ادائیگی کی جائے، جبکہ سماج میں مستحقین موجود ہوں اور ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، حنفیہ میں سے امام کرخی اور جمہور فقہاء کا مذہب ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی کے تعیل کے سلسلہ میں شافعیہ میں سے ”صاحب مہذب“ فرماتے ہیں کہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے اس کے لئے ادائیگی میں تاخیر کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ودیعت کا مسئلہ ہے، جبکہ صاحب ودیعت اس کا مطالبہ کرے، قدرت کے باوجود اگر وہ شخص تاخیر کرے گا تو وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ اس نے ادائیگی کے ممکن ہونے کے باوجود اس چیز میں تاخیر کی جو اس پر واجب ہے، لہذا ودیعت کی طرح وہ ضامن ہوگا، مالکیہ نے تو صراحت کر دی ہے کہ فی الفور زکوٰۃ کا نکالنا واجب و ضروری ہے،

بہر حال صاحب مال کا اس رقم کو اپنے پاس رکھ لینا اور سال پھر تک جب مستحق آئے اس میں سے اس کو دیتے رہنا جائز نہیں، جمہور کی رائے اور ائمہ ثقات کے ذکر کردہ بیانات کی بناء پر زکوٰۃ کی رقوم کو تجارتی مراکز و اداروں میں استثمار کے لئے لگانا جائز نہیں، جبکہ سماج میں مستحقین اور محتاج حضرات موجود ہوں، اس لئے کہ اس صورت میں ایک طرف مستحقین تک مال پہنچنے میں تاخیر ہوگی تو دوسری طرف گھائے اور خسارے کی صورت میں رقم کا ہلاک اور ضائع ہونا لازم آئے گا، (دیکھیے: احکام الزکوٰۃ علی ضوء مذاہب ۹۶۱-۹۷۷)۔

اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کا مندرجہ ذیل جزئیہ بھی ہمارے زیر بحث مسئلہ میں چشم کشا ثابت ہوگا جس میں زکوٰۃ کی رقوم کے استثمار کے عدم جواز پر روشنی پڑتی ہے۔

”امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے زکوٰۃ کی رقم میں سے پانچ درہم کسی کو دیئے اس نے رقم پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی دینے والے سے کہا کہ اس سے میرے لئے کپڑے یا نلہ خرید لو اور خریدنے سے پہلے ہی وہ درہم ضائع ہو گئے یا مطلوبہ چیز خریدنے کے بعد وہ چیز ہلاک ہو گئی تو زکوٰۃ دینے والے پر ضروری ہے کہ اس زکوٰۃ کی جگہ دوسری چیز یا رقم ادا کرے، اس لئے کہ لینے والے کا قبضہ اس پر نہ ہو سکا تھا، ہاں اگر قبضہ کر کے وہ دینے والے کو واپس لوٹاتے ہوئے کہے کہ اس سے میرے لئے خرید کر لو اور بغیر اس کے افراط و تفریط کے وہ درہم ضائع ہو گئے یا خرید کر دہی ہلاک ہو گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا، امام احمد نے یہ اس لئے فرمایا کیونکہ فقیر بغیر قبضہ کے زکوٰۃ کا مالک نہیں ہوتا، اب جب اس نے خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو یہ وکیل درست نہ ہوئی اور وہ صاحب مال کی ہی ملکیت میں باقی رہا اور جب ہلاک ہو گیا تو خود اس کا ہلاک ہوا“ (الشرح الکبیر مع المغنی ۲۷۰-۲۷۱)۔

غور کیجئے کہ فقراء کی طرف سے قبضہ کرنے سے پہلے خود فقراء کی طرف سے اجازت ملنے کے باوجود استثمار کی گنجائش نہ نکل سکی تو بغیر فقراء کی ملکیت میں داخل ہوئے اور بغیر اس کے قبضہ کئے ہوئے افراد یا جماعتوں اور اداروں و تنظیموں کا مال زکوٰۃ میں استثمار کی کوشش کرنا کیوں کر درست ہوگا؟

جواز کی صورت:

اگر مصارف زکوٰۃ میں سے کسی بھی مصرف کا وجود نہ ہو اور اموال زکوٰۃ کی بہت زیادہ کثرت ہوگئی ہو تو اس مال کو ہلاکت و ضیاع سے بچانے کے لئے استثماری گنجائش ہوگی، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اگر کاروبار میں گھانا اور نقصان ہو جائے تو استثماری کو شش کرنے والے اس کے ضامن ہوں گے۔

عبداللہ ناصح علوان کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

جی ہاں ایسی حالت میں جبکہ زکوٰۃ کی رقوم کی کثرت ہو اور خزانہ بھر چکا ہو اور سارا اسلامی سماج ایسا خود کفیل ہو کہ سماج اور ماحول میں فقراء و مستحقین نہ ہوں اور زکوٰۃ کے مال کو صرف کرنے کے لئے کسی مصرف کے وجود کا علم نہ ہو تو ایسی صورت میں فقراء کے مصالح کی خاطر ان رقوم کو استثماری مراکز میں لگانا جائز ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ اگر خسارہ و نقصان ہو جائے تو کمپنی اور مراکز اس خسارہ کے ضامن ہوں گے تاکہ مستقبل میں فقراء کا حق ضائع نہ ہونے پائے (احکام الزکوٰۃ علی ضوء المذہب ۹۸)۔

بلا تملیک رہائشی مکانات فقراء کو دینا:

زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو محض رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں مکانات و دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک، یعنی مستحقین کو بلا عوض مالک بنادینا شرط ہے (جیسا کہ مندرجہ بالا سطور سے معلوم ہوا) مشہور مفسر محمد بن احمد القرطبی (م: ۶۷۱ھ) نقل فرماتے ہیں:

”ولا یدفع عند اسی حنیفة سکنی دار بدل الزکوٰۃ مثل ان یدفع علیہ خمسة دارهم فاسکن فیها فقیراً شهراً فإنه لا یجوز قال: لان السکنی لیس بمال“ (الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ۱۱۱/۸)۔

(امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق زکوٰۃ کے بدلہ میں گھر کو رہائش کے طور پر دینا صحیح نہیں ہے، مثلاً کسی شخص کے ذمہ پانچ دراہم واجب ہیں اور وہ گھر میں کسی فقیر کو ایک مہینہ ٹھہرا دے تو یہ جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ محض رہائش مال نہیں ہے)۔

نیز علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

”فلو أسكن فقيراً داره سنة ناوياً للزكوٰة لا يجزيه“ (الدر المختار مع رد المحتار ۲/۳۲)۔

(اگر کسی فقیر کو اپنے گھر میں ایک سال زکوٰۃ کی نیت سے ٹھہرا دیا تو یہ کافی نہ ہوگا)۔

مکانات بنا کر مستحقین کے حوالہ کرنا:

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دیدینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، تاہم دیکھا جائے گا کہ اگر اس فقیر کے پاس پہلے سے رہائش کے لئے مکان نہیں ہے تو ادائیگی بلا کراہت جائز ہوگی، اس لئے کہ ایسی صورت میں فقیر کو مالدار یا صاحب نصاب نہیں بنایا گیا ہے، بلکہ محض ضرورتاً مکان فراہم کیا گیا ہے اور اگر اس فقیر کے پاس پہلے سے گھر موجود ہے، چاہے جس قسم (Quality) کا ہو اور پھر اس کو زکوٰۃ کے مال سے مکان تعمیر کر کے دیا گیا ہے تو زکوٰۃ کی ادائیگی کراہت کے ساتھ درست ہوگی، اس لئے کہ ایسی صورت میں نصاب سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم دینا لازم آئے گا جس کو فقہاء مکروہ قرار دیتے ہیں۔

”فإن دفع لو أحد نصاباً كاملاً فأكثر أجزاءه مع الكراهة“ (کتاب الفقہ علی

المذاهب الاربعہ ۱/۶۲۱)۔

(اگر کسی شخص نے کسی فقیر کو نصاب کے برابر، اس سے زیادہ دے دیا تو کراہت کے

ساتھ درست ہو جائے گا)۔



نظام زکوٰۃ اور اس کے مقاصد

مولانا محمد ابرار خان ندوی ☆

زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک:

فقہاء کرام کی بیان کردہ زکوٰۃ کی تعریف سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ مستحقین کو مالکانہ حیثیت سے مال سپرد کر دیا جائے، اس طور پر کہ وہ اس میں تصرف کرنے کے کلی طور پر مختار و مجاز ہوں، بصورت دیگر اہل ثروت کی زکوٰۃ درست ادا نہ ہوگی، فقہ حنفی کی مستند کتاب ”فتاویٰ ہندیہ“ میں عبارت مذکور ہے:

”إذا دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم مالم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الأب والوصي يقبضان للوصي والمجنون كما في الخلاصة“ (الفتاویٰ الہندیہ ۱۹۰۱)۔

(فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا نہ ہوگی جب تک کہ اس پر وہ قبضہ نہ کر لے، یا اس کی جانب سے ایسا شخص قبضہ کر لے جس کو فقیر پر ولایت حاصل ہے، جسے باپ اور وصی یہ دونوں مجنون اور بچے کی جانب سے قبضہ کریں گے)۔

علامہ داماد آفندی (۱۰۷۸م) رقمطراز ہیں:

”ولا تدفع الزكاة لبناء مسجد، لأن التملك شرط فيه ولم يوجد

.....وكل مالا تملك فيه“ (مجمع الأنهر ۲۲۲)۔

☆ استاذ جامعہ الہدایہ جے پور، راجستھان۔

اس میں تملیک شرط ہے اور وہ یہاں مفقود ہے اور ہر وہ چیز جس میں تملیک نہیں ہو سکتی اس میں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔

نیز شیخ وہبہ زحیلی نقل فرماتے ہیں:

”رکن الإخراج هو التملیک لقوله تعالى وآتوا حقه يوم حصاده والایفاء هو التملیک لقوله تعالى وآتوا الزکاة فلا تتأدی بطعام الاباحة وبما لیس بتملیک“ (الفقه الاسلامی وادلتہ ۲/۸۲۷)۔

(زکوٰۃ نکالنے کا بنیادی رکن، تملیک ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وآتوا حقه يوم حصاده“ اور ”ایفاء“ بمعنی تملیک کے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وآتوا الزکاة“ مباح طریقہ (حق انتفاع) پر کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اس صورت میں بھی جس میں تملیک نہیں ہے۔

علامہ کاسانی (م۔ ۵۸۷) نے مسئلہ تملیک پر بڑی عمدہ اور سیر حاصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول ”وآتوا الزکاة“ میں مالک نصاب کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور یہاں ایفاء بمعنی تملیک ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ”إنما الصدقات للفقراء“ میں زکوٰۃ کو صدقہ کہا ہے اور تصدق تملیک کو کہتے ہیں، لہذا مالک مال زکوٰۃ کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے واسطے اسی تملیک کے طور پر نکالے گا، جس طرح پہلے اللہ کی طرف سے اس پر تملیک تھی، اس لئے کہ زکوٰۃ ہماری شریعت میں ایک عبادت ہے اور عبادت مکمل طور پر عمل کو اللہ کے لئے خالص کرنے کا نام ہے اور یہ اسی صورت میں ہوگا جیسا کہ ہم نے کہا کہ مقدار زکوٰۃ کے برابر مال فقیر کو پوری طرح سے سپرد کرنے سے اس کی ملکیت سے نکل جائے گا (بدائع الصنائع ۲/۳۹۷)۔

اموال زکوٰۃ کا استثمار:

مذکورہ بالا تفصیلی وضاحت سے اس بات کا حکم معلوم ہو گیا کہ بعض دینی، فکری، سیاسی

اداروں، تحریکات اور تنظیموں کی جانب سے زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی رقم سے مستحقین زکوٰۃ کی اقتصادی حالت سدھارنے کے لئے فیکٹریوں اور صنعتی اداروں کا قیام اور ان میں انہیں مستحقین زکوٰۃ کو ملازمت دینا، یہ عمل چند وجوہ سے ناجائز ہے:

پہلی وجہ: اس کے درست نہ ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے زکوٰۃ کی ادائیگی اور صحت کے لئے یہ شرط عائد کی ہے کہ زکوٰۃ اس وقت تک اداء نہ ہوگی جب تک مستحقین کی ملکیت اس میں ثابت نہ ہو جائے اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔ ”وقال أبو حنیفة: لا یزول ملكه عن شیء من المال إلا بالدفع إليه وهو إحدى الروایتین عن أحمد“ (رحمۃ الائمہ ۱/۹۳)۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادت، رکن اسلام، فریضہ دین، غرباء و مساکین کا حق، معذور و بے سہارا افراد کی اعانت کا ذریعہ ہے، ان کا یہ حق ان تک پہنچانا ضروری ہے، ورنہ زکوٰۃ اداء نہ سمجھی جائے گی اور یہاں یہ خطرہ موجود ہے کہ ”زکوٰۃ فنڈ“ سے فیکٹری و صنعتی ادارہ کے قیام، ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے، رجسٹریشن اور دیگر قانون و عدالتی کارروائیوں کی تکمیل میں رشوت کے طور پر خطیر اور معتد بہ رقم صرف ہوگی اور یہ سب زکوٰۃ کے مال سے ہوگا، تو یہ کہاں درست ہے ”تو خذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم“ کے مصرف اور مسلمان اصحاب ثروت کی گاڑھی کمائی معذورین اور معاشرہ کے کم نصیب اقتصادی طور پر کمزور افراد کو دینے کے بجائے بے دین، ظالم شتمگر، اسلام دشمن، بے ضمیر متعصب حکام و امراء کی عیش و مستی اور تزک و احتشام میں صرف ہو۔

تیسری وجہ: یہاں یہ شکل پیش آئیگی کہ ہمیشہ فیکٹری کے ملازمین کو بدلنا ہوگا اس طور پر کہ زکوٰۃ کا مقصد صرف وقتی و عارضی فقر و فاقہ کا سدباب نہیں، بلکہ فقراء و مساکین کی ایسی امداد ہے کہ وہ مادی طور پر سماج کے دیگر افراد کے شانہ بشانہ کھڑے ہو سکیں اور حتی الوسع ان کی اتنی اعانت ہو کہ وہ صاحب نصاب تو نہ ہوں، مگر ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے پھر مستقبل میں دست سوال دراز کرنے سے محفوظ رہ سکیں۔

اب مقاصد زکوٰۃ کے پیش نظر فیکٹیوں میں جب ان ملازمین کی امداد ہوگی تو وہ استحقاق سے باہر نکل کر اہل غناء میں داخل ہو سکتے ہیں تو پھر ان ملازمین کو ہٹا کر دوسرے مستحق زکوٰۃ کو تلاش کرنا ہوگا، اور بار بار کی اس تبدیلی سے تجارت و صنعت بری طرح متاثر ہوگی کہ اس کو از سر نو تربیت دینا اور دنیا کے اہل تجارت سے رابطہ قائم کرنے میں تعارف اور اپنا اعتماد ثابت کرنے میں وقت درکار ہوگا اور پریشانی بھی ہوگی۔

شیخ سید سابق محمد الشہامی (۱۹۱۵-۲۰۰۰) تحریر فرماتے ہیں:

”من مقاصد الزکاة کفاية الفقير وسد حاجته فيعطى من الصدقة القدر الذي يخرج من الفقير إلى الغنى ومن الحاجة على الدوام، وذلك يختلف باختلاف الأحوال والأشخاص“ (فکرانہ ۱/۳۳۸)۔

(زکوٰۃ کا مقصد فقیر کی کفایت اور اس کی حاجت برآری و محتاجی کا خاتمہ ہے تو اس کو اتنی زکوٰۃ دیجائے گی جو اسے فقر سے نکال کر بے نیاز کر دے، اور ہمیشہ کے لئے اس کی ضرورت پوری کر دے اور یہ حالات و افراد کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے)۔

استثماء کے قائلین:

لیکن بیسویں صدی کے مستند و ثقہ علماء حق میں اصحاب علم و تحقیق کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو زکوٰۃ کو مستحقین کی ملکیت ذاتی میں دینے کے بجائے غرباء و اہل ضرورت کی اجتماعی اقتصادی بہبود اور معاشی ترقی میں استعمال کی پوری قوت دلائل کیساتھ حمایت اور وکالت کرتی ہے، البتہ بعض نے کچھ شروط و قیود عائد کی ہیں اور ان افراد کا استدلال قرآن کی اسی آیت قرآنی ”إنما الصدقات للفقراء“ الخ سے ہے، جس سے فقہاء کرام نے استدلال کیا ہے، فقہاء ”ل“ کو تملیک کا مانتے ہیں اور یہ حضرات ”ل“ کو انقاع اور دوسرے معنی میں لیتے ہیں، اب ذیل میں ان علماء علم و تحقیق کی آراء نقل کی جاتی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنی معرکہ الآراء کتاب ”سیرت النبی“ جلد پنجم کے حاشیہ

میں تحریر فرماتے ہیں:

”اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا کہ زکوٰۃ میں تملیک، یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا ضروری ہے مگر ان کا استدلال جو ”لفقراء“ کے ”لام“ تملیک پر مبنی ہے بہت کچھ مشتبہ ہے، ہو سکتا ہے کہ لام انشاع ہو جیسے ”خلق لکم ما فی الأرض جمیعاً“ (سورہ بقرہ: ۲۹) (سیرۃ النبی: ۱۷۶/۵)۔

معروف مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر تدریج قرآن میں لکھتے ہیں:

ہمارے فقہاء کا ایک گروہ ”انما الصدقات للفقراء“ کے ”ل“ کو تملیک ذاتی کے مفہوم کے لئے خاص کرتا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ صدقات و زکوٰۃ کی رقوم فقراء و مساکین کی کسی ایسی اجتماعی بہبود پر صرف نہیں ہو سکتیں جس سے ملکیت ذاتی تو کسی کی بھی قائم نہ ہو، لیکن اس کا فائدہ بحیثیت مجموعی سب کو پہنچے، ہمارے نزدیک یہ رائے کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں ہے، اول تو ”ل“ کچھ تملیک ہی کے معنی کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ یہ متعدد معانی کے لئے آتا ہے اور ان سب معانی کے لئے یہ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے تملیک ذاتی ہی کے معنی کے لئے اس کو خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے آخر نفع رسائی، بہبود اور استحقاق کے معنی کے لئے بھی جب اس کا استعمال معروف ہے تو ان معانی میں یہ کیوں نہ لیا جائے پھر آیت میں آپ نے دیکھا کہ بعض چیزیں فی کے تحت بیان ہوئی ہیں اور فی کا متبادر مفہوم تملیک نہیں بلکہ خدمت، مصرف، رفاہیت، اور بہبود ہی ہے اس سے کہیں زیادہ نفع ان کو بعض حالات میں اس صورت میں پہنچایا جا سکتا ہے جب کہ ان کی اجتماعی بہبود کے لئے بڑے بڑے کام کئے جائیں، پھر تملیک ذاتی کے ساتھ اس کو خاص کر کے اس نفع کو محدود کیوں کیا جائے (تدریج قرآن ۱۳/۵۹۳)۔

علامہ یوسف القرضاوی تحریر فرماتے ہیں:

”زکوٰۃ کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ وقتی امداد کے ذریعہ فقر و فاقہ کے خلاف جہاد کیا جائے، بلکہ تملک کے قاعدے کو وسیع کرنا اور مالکان کی تعداد بڑھانا بھی زکوٰۃ کے مقاصد میں شامل ہے، اجتماعی و اقتصادی شعبہ میں اسلام کا بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ خیر و منفعت کی چیزوں

میں جنہیں خالق زمین نے ودیعت کیا ہے سب لوگ شریک ہوں۔

قبل اس کے کہ ہم مانگنے کے خلاف لوگوں کو نصیحت کریں ہمیں چاہئے کہ سب سے پہلے ان کے مسائل حل کریں اور بے روزگاروں کو روزگار مہیا کریں، اس سلسلہ میں زکوٰۃ جو کردار اداء کر سکتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے، جو شخص بے روزگار ہو، لیکن کوئی پیشہ اختیار کر سکتا ہو اس کی مدد ضروری سامان یا سرمایہ سے کی جاسکتی ہے یا اسے متعلقہ کام کی تربیت دی جاسکتی ہے، اس طرح اجتماعی طور پر ایسے منصوبے اور اسکیمیں بنائی جاسکتی ہیں جن کے ذریعہ بے روزگاروں کو کام مہیا ہو سکے اور وہ کلی یا جزوی طور پر ان کی مشترک ملکیت ہو، مثلاً کارخانوں وغیرہ کا قیام“ (فقہ الزکوٰۃ ۵۵۶)۔

شیخ عبداللہ صاحب علوان نے اسے اصلاً تو ناجائز قرار دیا ہے، البتہ چند شرائط کے ساتھ جواز کی ایک شکل تحریر فرمائی ہے:

”جمہور علماء کی رائے اور ائمہ معتمدین کی بیان کردہ تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب معاشرہ میں ضرورت مند اور مستحق افراد موجود ہوں تو مال زکوٰۃ کا تجارتی ترقی و فروغ کی اسکیموں میں لگانا درست نہیں ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ استثمار (مال کے فروغ) کے سبب زکوٰۃ مستحقین تک تاخیر سے پہنچے گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ خسارہ ہو جانے کی صورت میں ختم بھی ہو سکتا ہے۔

ہاں اگر زکوٰۃ کا مال خوب زائد ہو اور اسلامی معاشرہ خود کفیل و بے نیاز ہو اور امت مسلمہ میں فقراء و مستحقین زکوٰۃ نظر نہ آئیں اور کسی دوسرے مصرف زکوٰۃ میں بھی اسے خرچ نہ کیا جاسکے تو ایسی صورت میں فقراء کے مصالح کے پیش نظر اور ان کے مفاد کی خاطر ان مالوں کو تجارتی فروغ کی اسکیموں میں لگانا اس شرط کیساتھ جائز ہوگا کہ اگر مال میں خسارہ ہو تو اس کا خسارہ مال کو فروغ دینے والی اسکیم پر ہوگا تاکہ مستقبل میں فقراء کا حق ضائع نہ ہو“ (ادکام الزکوٰۃ علی ضوء

المدابہ الاربعہ ۹۷-۹۸)۔

موجودہ صورت حال کے مقابلہ کی تدبیر:

راقم کار۔ تان عدم جواز کا ہے، البتہ یہ صورت حال جو نہایت سنگین و خطرناک ہے اور صاحب ایمان کی غیرت ایمانی کو بھڑکا دینے والی ہے اور مومن کامل کی حمیت اور اسلامی جوش میں زلزلہ طاری کر دے، کہ افسوس صد افسوس! وہ امت جو غلبہ اسلام، اور نظام مصطفیٰ اور قانون الہی کے نفاذ کے لئے برپا کی گئی تھی دعوت حق جس کا مشن تھا آج اس کی اقتصادی بد حالی، معاشی، پسماندگی، ودین سے دوری اور غربت و جہالت کا فائدہ اٹھا کر عیسائی مشنریاں، قادیانی تحریکیں، یہودی تنظیمیں، غریب و فاقہ زدہ مسلمانوں کے ایمان پر ڈاک ڈال رہی ہیں، فلاحی، رفاہی، تعلیمی اور امدادی کاموں اور اقتصادی اعانت کے ذریعہ ان کے ایمان کا سودا کر رہی ہیں اور عقیدہ توحید، شعائر اسلام کی عظمت و تقدس کے نقوش ان کے دل و دماغ سے منادینے کے درپے اور ہمہ تن مصروف ہیں اور بے چارے فقر و فاقہ کا شکار مسلمان ان کے جال میں پھنستے چلے جا رہے ہیں، اس لئے کہ غربت و افلاس میں آدمی کے ضمیر کا سودا کرنا آسان ہوا کرتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: ”کاد الفقر ان یکون کفراً“ (۱) اس خطرناک صورت حال کا مقابلہ بڑی دانشمندی، منصوبہ بند حکمت عملی کے ساتھ کرنا ہوگا۔ اور اس کے لئے دو طریقہ اپنانا ہوں گے۔

۱- دعوت و تبلیغ:

اس بڑھتے ہوئے سیلاب پر بندھ باندھنے کے لئے سب سے کارگر اسلام، دعوت و تبلیغ ہے، خلوص نیت کے ساتھ انفرادی، و اجتماعی طور پر حالات کے پیش نظر موجودہ ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹیلیوژن، انٹرنیٹ، اسلامی لٹریچر والے رسائل و جرائد کا استعمال اور انفرادی و اجتماعی ملاقاتوں کے ذریعہ اس پر قابو پایا جاسکتا ہے، اس لئے کہ دعوت کا نشانہ قلب ہوتا اور آدمی جو بات کہتا ہے وہ سامنے والے کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

۲- اقتصادی ترقی:

اس کے مقابلہ کے لئے اقتصادی استحکام بھی نہایت ضروری ہے، اس لئے کہ باطل

تحریکات مسلمانوں کی غربت ہی کا فائدہ اٹھا کر ان کے ایمان پر حملہ کر رہی ہیں اور مذہب اسلام بھی فی نفسہ مال کو مذموم نہیں قرار دیتا ہے، بلکہ اس کے غلط استعمال پر پابندی عائد کرتا ہے اور ارتکاز کی مذمت کرتا ہے، مال کے ذریعہ اسلام کے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں اور اسلام کے اقتصادی نظام نے امت مسلمہ اور حکومت اسلامی کی ترقی میں بے مثال فائدہ پہنچایا ہے، اس لئے ضرورت آن پڑی ہے کہ منصوبہ بند طریقہ سے اسلام کا نظام اقتصاد پھر سے زندہ کیا جائے اور اسلامی اصول و ضوابط کی روشنی میں اقتصادی میدان میں قدم آگے بڑھائیں تاکہ اہل اسلام اور مسلمانوں کے اقتصادی و معاشی مسائل کا حل ہو سکے اور غربت و افلاس کا شکار مسلمانوں کے عقیدہ کو حیدر و رسالت کا تحفظ کیا جاسکے اور ان کو اہل اسلام کی دشمن تحریکوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچایا جاسکے، لیکن یہ منصوبہ پورا کیسے ہو کیا زکوٰۃ کے مال سے یا دوسرے ذرائع سے؟

تو یاد رکھئے! زکوٰۃ ایک عبادت ہے اس کی ادائیگی کے لئے تسلیم شرط ہے، لہذا زکوٰۃ فنڈ سے اقتصادی ترقی اور مستحقین زکوٰۃ کی معاشی امداد کے لئے فیکٹریوں اور صنعتی اداروں اور کارخانے قائم نہیں کئے جاسکتے، اس کے لئے دوسرے ذرائع تلاش کرنے ہوں گے، شریعت اسلامی میں یہ ہدایت موجود ہے کہ اچانک مسلمانوں پر کوئی پریشانی آپڑے اور زکوٰۃ سے ان کی ضروریات پوری نہ ہوں تو اصحاب ثروت مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ ان کی مدد کریں اور ان مسلمانوں کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

بلا تسلیم مکان یا دوکان تعمیر کر کے دینا:

زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں مکانات دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ اداء نہ ہوگی، اس لئے کہ زکوٰۃ کی صحت اور ادائیگی کے لئے فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ شیخ علاء الدین حصکی (م۔ ۱۰۸۸ھ) نقل فرماتے ہیں۔

”فلو اسکن فقیرا داره سنة ناويا للزکوة لا یجزئه“ (الدرع ارد ۳/۲)۔
 (اگر فقیر کو ایک سال کے لئے اپنے گھر میں زکوٰۃ کی نیت سے ٹھہرا دیا تو (زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے) یہ کافی نہیں ہے)۔
 مکان یا دوکان کا فقیر کو مالک بنا کر دینا:

زکوٰۃ کا مقصد حاجت مندوں، فقراء و مساکین کی ضروریات کی تکمیل ہے، ان کی یہ ضرورت لباس، غذا، روٹی مکان، دوا علاج میں سے کوئی بھی ہو سکتی ہے، لہذا ان کو جس چیز کی شدید فوری ضرورت ہو زکوٰۃ میں وہی شیء دینا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس میں ”نفع للمفقر“ کا لحاظ کیا گیا ہے، مکان، دوکان، تعمیر کر کے کھلی مالک بنا دیا جائے تو اس سے فقراء و مساکین کو رہنے کے لئے مکان مل جائے گا اور کھلے آسمان کے نیچے سونے کے بجائے چھت کے تلے آرام کی نیند سو سکیں گے اور معاش کے لئے اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں گے، تفصیل کے لئے دیکھئے: (مجمع ۱۱۱ انہر ۱/۲۰۳)۔

اور جہاں تک یہ سوال ہے کہ ایک آدمی کو مکمل نصاب کے بقدر مال دینا مکروہ ہے، اور یہاں مکان یا دوکان جو اس کو دیا جا رہا ہے اس کی قیمت دو سو درہم سے کسی حال میں کم نہیں ہوگی، ہاں یہ درست ہے اور فقہاء نے مکروہ نہیں لکھا ہے، اس لئے کہ اس سے فقیر صاحب نصاب مالدار نہیں ہوا، بلکہ اس کی ضرورت پوری ہو رہی ہے اور فقیر کو اتنا مال دینا جس سے خود اس کی اور ما تحت افراد کی حاجت پوری ہو مکروہ نہیں ہے، اور نہ اس میں کوئی شرعی قباحت ہے، بلکہ زکوٰۃ کا مقصود اور مطلوب یہی ہے۔

شیخ ابو بکر حصاص رازمیؒ (م۔ ۷۰۔ ۳) نقل فرماتے ہیں:

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے مکروہ قرار دیا ہے کہ ایک آدمی کو دو سو درہم دیئے جائیں، اس لئے کہ دو سو درہم مکمل نصاب ہے تو وہ صدقہ کا مالک ہوتے ہی مالدار ہو جائے گا..... امام ابو حنیفہ کا یہ قول کہ وہ آدمی کو اتنا مالدار کر دے، یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اس سے ان

اموال زکوٰۃ کا استثمار

مولانا محی الدین غازی خلافتی ☆

زکوٰۃ کی رقوم کے استثمار کا مسئلہ میرے علم کی حد تک ایک نیا مسئلہ ہے، اس سلسلے میں دور حاضر کے چند فتاویٰ ”البحرۃ الدائمۃ للبحوث العلمیہ والافتاء“ اور ”بیئۃ الفتویٰ والرقابۃ الشرعیہ بیت التمويل الکویتی“ میری نظر سے گذرے۔

ان فتاویٰ سے تین مختلف طرح کے موقف سامنے آتے ہیں:

۱- اموال زکوٰۃ کا استثمار جائز ہے، خواہ وہ مشارع مستحقین کی ملکیت میں ہوں، یا کسی

ذمہ دار ارے کی نگرانی میں ہوں، البتہ دو شرطوں کے ساتھ۔

پہلی شرط: مستحقین زکوٰۃ کی انتہائی ضروری اور فوری ضروریات کی تکمیل ہو چکی ہو۔

دوسری شرط: خسارے سے محفوظ رہنے کے امکانات موجود ہوں۔

۲- اموال زکوٰۃ کا استثمار درست نہیں ہے۔

۳- استثمار مطلقاً جائز ہے، البتہ خسارے سے بچنے کے حتی الامکان اقدامات کئے

جائیں، مذکورہ بالا موقعوں میں ایک اور موقف کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور وہ ہے مولانا مودودیؒ کا

جس کی رو سے ”عالین علیہا“ کو زکوٰۃ کے اموال میں ایسے ہر تصرف کا اختیار ہے جو مستحقین زکوٰۃ

کے مفاد میں ہو۔

راقم السطور کے نزدیک مسئلہ کا جواب یوں ہے:

☆ دینی ہمتہ عرب امارات۔

۱- زکوٰۃ کی رقوم کا آستثمار فی نفسہ درست ہے، یعنی اگر مستحقین زکوٰۃ اپنے حصے کی زکوٰۃ کے مالک بن جاتے ہیں اور پھر وہ کسی مشروع میں لگا کر اس کا آستثمار کرتے ہیں تو اسکے جواز میں کوئی شبہہ ہی نہیں رہ جاتا۔

لیکن کسی ادارے کو یا خود اصحاب اموال کو اس کا اختیار نہیں دیا جاسکتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقوم کو مستحقین کے حوالے کرنے کے بجائے اس کا آستثمار کریں۔
دلائل:

۱- زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے۔

اس کلیہ کی لوگوں نے مختلف انداز سے تعبیر کی ہے، میرے نزدیک فی سبیل اللہ کی دو شرط تملیک سے خالی ہے، نیز ”فی الرقاب“ اور ”الغارمین“ اور ”ابن السبیل“ کی مدبھی شرط تملیک سے خالی ہے، بقیہ تمام میں تملیک ضروری ہے، تملیک کے حق میں دلائل کے لئے زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک مرتبہ مولانا عتیق احمد قاسمی بڑی حد تک کافی ہے، مختصر چند دلائل پیش خدمت ہیں:
آتوا الزکاة: لفظ ”ایاء“ تملیک کا مقتضی ہے، الا یہ کہ کوئی قرینہ صارفہ ہو، یا برائے اختصاص اتنا تو واضح ہے کہ زکوٰۃ مذکورہ مستحقین کا حق ہے، یعنی ان کے علاوہ کسی اور کا اس میں تصرف جائز نہیں ہے، نہ اس سے انقاع درست ہے۔

”وفی أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم“ (سورۃ زاریات: ۱۹)۔

حدیث معاذ: ”فاعلم أن الله افترض علیهم صدقة تؤخذ من اغنیائهم وترد إلى فقرائهم“ (ابوداؤد ۲۳۳/۲، ترمذی ۱۳۶۱) یہاں فقراء کا خاص طور سے تذکرہ اور پھر رد کی تعبیر بڑی واضح دلالت رکھتی ہے کہ اموال زکاۃ میں اولیت فقراء کو حاصل ہے اور یہ انہیں کا مال ہے جو انہیں دیا نہیں جا رہا ہے، بلکہ لوٹایا جا رہا ہے۔

یہاں یہ تذکرہ بھی ضروری ہے کہ تملیک کی شرط صرف فقہاء احناف نے نہیں لگائی ہے بلکہ ائمہ اربعہ کے یہاں یہ قید موجود ہے۔

اس کے بعد یہاں یہ دیکھنا ہے کہ مسئلہ استثمار میں کیا تملیک کی شرط پوری ہو رہی ہے؟ اگر مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ پر تصرف کا اختیار دے بغیر زکوٰۃ کی رقم کا استثمار کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں تملیک کی شرط پوری نہیں ہوگی ہاں اگر مستحق زکوٰۃ کو تصرف کا اختیار دے دیا جائے اور پھر اس کی اجازت سے اس رقم کو استثماری اسکیم میں لگایا جائے تو تملیک کی شرط پوری ہو جائے گی، اس کی نظیر ہے فقیر کے قرض کی ادائیگی۔ امام کا سائی نے لکھا ہے:

”ولو قضی دین فی فقیر إن قضی بغیر أمره لم یجز، لأنه لم یوجد التملیک من الفقیر لعدم قبضه، وإن کان بأمره یجوز عن الزکاة لو جود التملیک من الفقیر، لأنه لما أمره به صارو کیلا عنه فی القبض فصار کان الفقیر قبض الصدقة بنفسه وملكه من الغریم“ (بدائع الصنائع ۲/۱۳۳)۔

۲- زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلے میں فقہاء کے پیش نظر یہ بات بھی رہی ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو تصرف کی پوری آزادی فراہم کی جائے، چنانچہ زکوٰۃ کی ادائیگی بصورت قیمت کے تحت ڈاکٹر وہب زحیلی علماء احناف کے موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وإذا القيمة مثل أداء الجزء من النصاب من حیث أنه مال، ولأن فی ذلك تیسیر اعلی المزکی وتوفر الحرية الفقیر فی التصرف بالمال حسب الحاجة“ (الفقه الاسلامی وأدلته، کتاب الزکوٰۃ ۲/۸۵۵)۔

یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ استثمار کی شکل میں اس مستحق زکوٰۃ کی تصرف کی آزادی کسی قدر سلب ہو جاتی ہے، وہ ایک بڑی رقم کا مالک ہوتے ہوئے بھی اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے بے بس ہوتا ہے وہ تنگ حال اور ضرورت مند ہوتا ہے اور اس کا مالک خسارے کے خطرے سے دوچار رہتا ہے۔

۳- زکوٰۃ کی ادائیگی میں اس کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جلد از جلد مستحق زکوٰۃ تک پہنچ جائے، استثمار کی صورت میں اس میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے اور خسارے کی صورت

میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ رقم اس کو مل بھی نہ سکے، لہذا جب اس رقم کا مستحق تک پہنچنا باسانی ممکن ہو تو محض ایسے تصرف کی وجہ سے اس کو معرض خطر میں ڈال دینا جس میں اس کی مرضی بھی شامل نہ ہو، کہاں تک درست ہے۔

۴۔ قرآن پاک نے زکوٰۃ کے مستحق کا ذکر جس ترتیب سے کیا ہے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ زکوٰۃ کے استحقاق میں بنیادی حیثیت فقراء کو حاصل ہے، حدیث معاذ سے اس کی بھر پور تائید بھی ہوتی ہے، جب فقراء کو اولیت حاصل ہے تو فقر کے جو بہت سے مراتب ہیں ان میں بھی درجہ بندی ہونا چاہئے جو فقیر انتہائی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہے وہ زیادہ مستحق قرار پائے اور جس کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو چکی ہوں اس کا بعد میں نمبر آئے۔

بنیادی ضرورتوں سے محروم فقراء و مساکین کے ہوتے ہوئے رقم زکوٰۃ کا استثمار کہ جس کے منافع سال بھر بعد ملیں یا خسارے کی صورت میں مل ہی نہ سکیں بڑی عجیب سی بات ہے۔

۵۔ موجودہ حالات میں جبکہ اوقاف کی حالت خود بدتر ہے، سرمایہ کاری کے نام پر چلنے والے مسلم ادارے ناکام اور کرپٹ قرار پا چکے ہیں اور اس طرح کا عمدہ تصور اپنا وقار کھو چکا ہے، مسلمانوں کی اخلاقی حالت تشویشناک ہے، سرمایہ دارانہ ذہنیت مذہبی تقدس کو داؤ پر لگائے ہوئے ہیں۔

قاعدہ ”سد الذرائع“ اور قاعدہ ”دفع الضرر اولیٰ من جلب المنافع“ کے تحت ضروری ہے کہ اس خیال کو فتویٰ شرعی کی تائید حاصل نہ ہو۔

ورنہ اندیشہ ہے کہ غلط قسم کے لوگ اس سے غلط فائدہ اٹھائیں گے زکوٰۃ کے استثمار کے نام پر اسکیمیں آئیں گی۔ لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اور بالآخر غریب لوگ اس سے محروم ہی رہ جائیں گے۔

اس لئے ضروری ہے کہ زکوٰۃ کا نظام جس طرح سادہ ہے اور اپنی سادگی ہی میں جتنا محفوظ ہے اسے محفوظ رہنے دیا جائے۔

ہاں اگر کہیں اس طرح کی اسکیم کی ضرورت سمجھی جا رہی ہو تو مستحقین زکوٰۃ کے درمیان رائے عامہ ہموار کی جائے کہ اگر بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد ان کے پاس کچھ رقم بچتی ہے اور وہ خود کو اس طرح کی اسکیموں پر اعتماد کرنے کے لائق پاتے ہیں تو وہ ایسا کریں۔ یہ محض جذباتی رائے دہی نہیں ہے، قاعدہ ”سد الذرائع“ کا اعتبار انہیں پہلووں سے ہوتا ہے۔

البتہ یہاں یہ بتانا شاید بر محل ہو کہ اکیڈمی کی جانب سے دئے گئے سوالنامے کا انداز کچھ جذباتی بھی ہے، مثلاً یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ ایسے کارخانوں میں غریب ملازم رکھے جائیں گے کیونکہ اس سے مسئلے کی شرعی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے جائز استثمار میں باثرت ملازم بھی رکھنا جائز ہیں، اور ناجائز استثمار غریب ملازم رکھنے سے جائز نہیں ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائشی یا تجارت کے لئے دینا اور انہیں مکان یا دوکان کا مالک نہ بنانا قطعاً جائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ کارکن یعنی تسلیم اور قبضہ دینا ایسی صورت میں مفقود ہے۔

فقہاء نے تو عام طور سے اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے کہ مال زکوٰۃ فقراء کے حوالے کرنے کے بجائے انہیں اس میں سے کھانا کھلایا جائے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۱۳۳، کتاب الفروع ۶۱۹/۲)۔

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ:

زکوٰۃ دینے والے کو یا زکوٰۃ تقسیم کرنے والے کو زکوٰۃ کی رقم یا اس کے نوع میں ایسے کسی تصرف کا اختیار نہیں ہے جس سے اس کی مالیت محدود ہو جائے یا کم ہو جائے۔

ایسے تصرف سے مستحق زکوٰۃ کی آزادی تصرف متاثر ہوتی ہے، کیونکہ مکان بننے کی

صورت میں وہ مکان میں رہنے پر مجبور ہوگا ضرورت پڑنے پر فروخت کرنا ہے تو اس کی قیمت گھٹ سکتی ہے اور اس میں مشقت بھی ہے۔

اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ میں جزء نصاب ہی کی ادائیگی ہو، احتیاف نے قیمت کی صورت میں ادائیگی جائز قرار دی ہے، اس علت سے کہ ”فی ذلک تیسر علی المزکی وتوفیر لحرية الفقير فی التصرف بالمال حسب الحاجة“ (الفقه الإسلامی وادلتہ ۸۵۵/۷)۔

اس اصل سے ہٹ کر کسی طرح کا تصرف بذات خود دلیل کا محتاج ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی دہرائی جاسکتی ہے کہ فقراء کی انتہائی بنیادی ضرورتیں مثلاً کھانا اور کپڑا زیادہ مد نظر رہنا چاہئیں۔

یہ بات بھی سامنے رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اگر قیمت یا جزء نصاب کی صورت میں ہو تو اس سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔



زکاۃ کے اموال کا استثمار

مولانا ثار احمد قاسمی

فقہاء حنفیہ میں سے علامہ علاء الدین محمد بن علی (التونسی ۷۸۸ھ) ”در مختار“ میں زکاۃ کی تعریف کرتے ہیں ”شرعا: (تملیک) خروج الإباحة.....“

”الفقہ علی المذاهب الاربعہ“ میں حنابلہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کی طرف سے زکاۃ کی جو تعریف نقل کی ہے اس کی ماہیت میں بھی تملیک کو ذکر کیا ہے:

”وشرعا: تملیک مال مخصوص المستحقۃ بشرائط مخصوصة“

(کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ)۔

حنابلہ کی تعریف میں تملیک کا ذکر صراحتاً نہیں ہے، لیکن ادا ہوگی زکاۃ کے لئے تملیک کی شرط ان کے یہاں بھی ہے جس کو تصریح ”المغنی“ کے حوالہ سے عنقریب آرہی ہے۔

علاوہ ازیں لفظ ”ایتاء“ زکاۃ و صدقات کے علاوہ دوسرے مواقع میں بھی استعمال ہوا ہے، وہاں بھی ایتاء کا مفہوم یہی ہے کہ ان کو مالک بنا دیا جائے، مثلاً ”وآتوا النساء صدقتهن نحلة“ (سورۃ نساء: ۴) (یعنی عورتوں کو ان کے مہر دے دو) ظاہر ہے کہ مہر کی ادا ہوگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کا مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، ورنہ اس کے بغیر مہر کی ادا ہوگی نہیں ہوئی اسی طرح یہاں بھی سمجھنا چاہئے کہ جب تک کہ رقم زکاۃ کا کسی مستحق کو مالک نہ بنا دیا جائے اس وقت تک زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

صدقہ کے حقیقت کی وضاحت:

اللہ تعالیٰ نے اس کا نام صدقہ رکھا ہے اگر صدقہ کی حقیقت ہی میں غور کر لیا جائے تو اس سے بھی تملیک ضروری معلوم ہوتی ہے۔

علامہ ابن ہمام صدقہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”فان الله سماها صدقة و حقيقة الصدقة تمليك المال من الفقير“ (بخ

القدیر ۲/۲۶۷، بدائع الصنائع ۲/۱۳۲، احکام القرآن للرازی ۱۳۵/۳)۔

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کا سانی نے مذکورہ مفہوم کی ان الفاظ میں ترجمانی کی

ہے:

”ولذا سمي الله الزكاة صدقة بقوله عز وجل : إنما الصدقات الاية

والتصدق تمليك“

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ اور عبارات فقہیہ سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ حقیقت کے

نزدیک بھی ادائیگی زکاۃ کے لئے تملیک شرط اور امر لابدی ہے۔

”وقد روى زياد بن الحارث الصدائي قال: أتيت النبي ﷺ، فبايعته

قال: فاتاه رجل فقال: اعطمني من الصدقة، فقال له رسول الله ﷺ: إن الله لم

يرض بحكم بنى ولا غيره فى الصدقات حتى حكم فيها فجزأهما ثمانية

أجزاء، فإن كنت من تلك الأجزاء أعطيتك حقه“ (ابوداؤد ۳۳۰/۱)۔

نبی کریم ﷺ حضرت معاذ بن جبل کو جب یمن کے لئے روانہ فرما رہے تھے تو اس

موقع پر آپ ﷺ نے لمبی نصیحت فرمائی تھی جس میں ایک جملہ یہ بھی تھا:

”فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة أموالهم تؤخذ من أغنيائهم وترد

على فقرائهم“ (ترمذی ۱۳۶/۱)۔

ترمذی ہی میں ایک دوسری روایت ہے جو مذکورہ روایت کے مفہوم کی تائید کرتی ہے۔

”عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه قال: قدم علينا مصدق النبي ﷺ فأخذ الصدقة من أغنيائنا فجعلها في فقرائنا“ (ترمذی ۱۳۱۱)۔

مذکورہ روایات میں ”اعطاء“، ”و“ ”رد“ کے الفاظ آئے ہیں جو تملیک سے قبل متحقق نہیں ہو سکتا۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے:

احقر کے مبلغ علم کے مطابق تقریباً جمہور فقہاء امت اس امر پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے مذکورہ مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، مالکانہ قبضہ دیئے بغیر اگر کوئی مال زکوٰۃ انہی لوگوں کے فائدہ کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کو رفاہی کاموں، مساجد، مدارس، یتیم خانے، شفاخانے کی تعمیر، پلوں کی مرمت، تکفین میت یہ اور اس طرح کے ہر وہ کام جس میں تملیک نہیں پائی جاتی میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء ہی کو پہنچتا ہو جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا ان اشیاء پر مالکانہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھیے: بسوط ۲/۲۰۲، بدائع ۲/۱۵۰، الکانی فی فقہ المالکی ۱/۳۲۸، کتاب الأموال الرض المربع ۲۳/۴)۔

تملیک کے سلسلہ میں قابل غور امور:

فقہاء کرام نے ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کی شرط کتاب و سنت کی تعبیرات کو سامنے رکھ کر لگائی ہے، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور قابل ذکر ہیں۔

۱- قرآن مجید میں مصارف زکوٰۃ کا آغاز ”لام“ سے کیا گیا ہے، جو تملیک کے لئے آتا ہے۔

۲- قرآن مجید نے متعدد مواقع پر ”وآتوا الزکوٰۃ“ (سورہ بقرہ: ۴۳) کہا ہے، ایتاء

اعطاء کے معنی میں ہے، جیسا کہ مہر سے متعلق ارشاد خداوندی ہے: ”وآتوا النساء صدقاتهن نحلة“ (سورہ نساء: ۴) یہاں بھی ایتاء تملیک کے معنی میں ہے۔

۳۔ رسول اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا: ”تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم“ (ترمذی ۱۳۶۱) اور لفظ ”رد“ تملیک کو مستلزم ہے۔
عرض تمام قرآن یہ بتلاتے ہیں کہ زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے۔

مال زکوٰۃ سے بغرض آمدنی فیکٹریوں کے قیام کا حکم:

مذکورہ بالا مباحث و تفصیلات کی روشنی میں سوالات کے ہر ہر جز کا جواب بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے، مزید وضاحت کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم مختصر عرض کرتا ہوں۔
استثمار کے ارکان وغیرہ کے مباحث سے قطع نظر مذکورنی سوال صورت میں زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک، یعنی مستحقین زکوٰۃ کو بلا عرض مالک بنا دینا شرط ہے، آمدنی کے لئے فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنے کی صورت میں تملیک نہیں پائی جائے گی جو ادائیگی زکوٰۃ کے لئے رکن کی حیثیت رکھتا ہے اور جب تملیک نہیں پائی جائے گی تو زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی، لہذا آمدنی کے لئے مال زکوٰۃ سے فیکٹریاں وغیرہ بلا حیلہ تملیک قائم کرنا جائز نہیں ہے، خواہ اس کی آمدنی مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کی جائے یا فقراء کو اس فیکٹری میں ملازمت دی جائے۔

منافع پر ملکیت سے ادائیگی زکوٰۃ:

زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دکانیں وغیرہ بنا کر فقراء و مساکین کو محض نفع اٹھانے، یعنی رہائش یا تجارت کے لئے دے دیے جائیں اور ان کا مالک نہ بنایا جائے تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے کہ اصل مال کا مالک نہیں بنایا جا رہا ہے، بلکہ منافع کا مالک بنایا جا رہا ہے، اور فقہاء کرام نے جو زکوٰۃ کی تعریف کی ہے اس سے منافع خارج ہو جاتا ہے (دیکھیے: در مختار ۱۲۹/۲، البحر الرائق ۲/۳۵۳، فتاویٰ ہندیہ ۱۹۰)۔

۳- اموال زکوٰۃ سے مکان، دوکان وغیرہ تعمیر کر کے فقراء کو مالک بنا دینے میں کوئی شرعی قباحت ہے؟

مذکورہ سوال کے جواب سے قبل چند باتیں بطور تمہید ملاحظہ ہوں:

۱- سز کی خود ہی مذکورہ امور کی انجام دہی کرتا ہے، یا اپنے نائب اور وکیل سے کراتا ہے۔

۲- اموال زکوٰۃ وصول کرنے والا خود ہی مستحق زکوٰۃ ہے یا اس مستحق کا ولی اور نائب

ہے۔ یا کوئی ایسا ادارہ ہے جو عرفاً فقراء و مساکین کے وکیل ہوتے ہیں۔

۳- اموال زکوٰۃ وصول کرنے والا اجنبی ہو، یعنی فقراء کا نہ حقیقہ وکیل ہونہ عرفاً۔

اب اصل مسئلہ ملاحظہ ہو۔

فقراء کو اموال زکوٰۃ کا بلا عوض مالک بنانا ضروری ہے، خواہ عین رقم کا مالک بنایا جائے یا اس رقم سے کوئی شئی خرید کر یا عمارت وغیرہ بنوا کر ان کے حوالہ کر دیا جائے اور ان کو اس کا مالک بنا دیا جائے بہر صورت حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

مذکورہ امور کی انجام دہی کے لئے، ۲ کے لوگوں کو اموال زکوٰۃ میں تصرف کرنا جائز ہے

ان کے علاوہ تیسرے لوگوں کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے۔

شرعی قباحت کی وضاحت:

مذکورہ صورت میں شرعی قباحت کتب فقہ کی ورق گردانی سے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ

حنفیہ (امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام احمدؒ) کے نزدیک کسی فقیر و محتاج کو مالدار، یعنی صاحب نصاب بنا دینا مکروہ ہے، اگرچہ زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

حنفیہ میں سے امام زفر فرماتے ہیں کہ نہ تو دینا جائز ہے اور نہ زکوٰۃ ذمہ سے ساقط ہوگی، اور فی الحال بیابلیس سو روپے کی مالیت جس شخص کے پاس ہو وہ صاحب نصاب ہو جاتا ہے (فی الوقت ایک تولہ چاندی کی قیمت ۸۰ روپے ہے تو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت

بالیس سو روپے ہوئی) اور فی زمانہ ایک کمرہ تیار کرانے پر کم از کم پندرہ ہزار روپے کا صرف ہوتا ہے تو اگر ایک ہی کمرہ کسی فقیر کو دیا جائے تو گویا اس کو پندرہ ہزار روپے کا مالک بنا دیا اور یہ مقدار نصاب سے بہت زیادہ ہے، اور ایسا کرنا عند الحنفیہ مکروہ ہے۔

علامہ کاسانی ”بدائع الصنائع“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”ویکرو لمن علیہ الزکوٰۃ ان يعطى فقیراً مائتی درهم أو أكثر ولو

اعطى جاز سقط عنه الزکوٰۃ فى قول أصحابنا الثلاثة وعند زفر: لا يجوز ولا يسقط“ (بدائع الصنائع ۲/۱۶۰)۔

احقر کی ناقص رائے:

مذکورہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، عبارات فقہیہ اور قرآن و دلائل کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم کا استعمار، یعنی فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا، یا اموال زکوٰۃ سے مکانات و دکانیں تعمیر کر کے محض رہائش کے لئے دے دیئے جائیں، انہیں مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لئے کہ ان صورتوں میں تملیک (جو رکن زکوٰۃ ہے) نہیں پائی جاتی ہے، اور فقہاء امت نے ہر وہ کام جس میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے، اموال زکوٰۃ کو خرچ کرنے کی کلا اجازت نہیں ہے، البتہ فقہاء نے جو حیلہ بیان کیا ہے اس پر عمل کیا جاسکتا ہے، اگر اموال زکوٰۃ سے مکانات وغیرہ تعمیر کرا کر فقراء کو مالک بنا دیا جائے تو یہ صورت جواز کی ہے۔



جدید فقہی تحقیقات

تیسرا باب
مختصر تحریریں

زکاة کی سرمایہ کاری

مولانا محمد برہان الدین سنہلی ☆

اس عنوان کے تحت اگرچہ کئی سوالات کئے گئے ہیں، مگر حقیقی سوال جن سے دیگر سوالات کے جوابات بھی مل جاتے ہیں۔ راقم کو بس دو معلوم ہوئے۔

۱- استثمار درست ہے یا نہیں۔

۲- زکاة کے مستحق کو مالک بنانا ضروری ہے یا نہیں؟

اس لئے صرف ان دو مرکزی سوالوں کے جوابات دینے پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

فقہ حنفی کی رو سے ان دونوں سوالوں کے جوابات متعین ہیں، وہ یہ کہ:

۱- استثمار، یعنی زکاة کے اموال کو مستحق کو دینے کے بجائے اسے تجارت میں لگانا درست

نہیں ہے، جیسا کہ بیشتر کتب فقہ میں ملتا ہے، مثلاً فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

”زکاة کا مال تجارت میں لگانا درست نہیں، اس مال زکوة کو بعینہ صدقہ کر دیا جائے

(فتاویٰ دارالعلوم ۲، ۳۰/۳۲ ناشر مکتبہ امدادیہ دیوبند)۔

یہی حکم فتاویٰ رحیمیہ میں بھی ملتا ہے (فتاویٰ رحیمیہ ۸۲)۔

۲- مستحق زکاة کو (مال زکوة کا) مالک بنانا ضروری ہے، مالک بنائے بغیر زکاة ادا نہ

ہوگی۔

☆ استاذ تفسیر و فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

یہ حکم بھی تمام کتب متعلقہ میں ملتا ہے، مثلاً فقہ حنفی کی معتبر ترین کتاب ”بدائع الصنائع“ میں ہے:

”وأما ركن الزكاة..... هو إخراج جزء من النصاب و تسليم ذلك إليه يقطع المالك يده بتكميله من الفقير و التسليم إليه أو إلى من هو نائب عنه و المصدق و الملك ذلك للفقير يثبت من الله..... و قد أمر الله تعالى إلى الملاك بإتباء الزكاة لقوله عز و جل: و أتوا الزكاة و الإيتاء هو التملك..... و كذا سمي الله تعالى الزكاة صدقة..... إنما الصدقات للفقراء و التصدق تملك فيصير المالك مخرجاً قدر الزكاة الخ“ (بدائع الصنائع ۲۹۲)۔

لہذا معلوم ہوا کہ اگر مال زکوٰۃ سے مکانات یا دوکانیں وغیرہ تعمیر کر کے فقراء کی ملکیت میں دے دی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔

☆☆☆

مال زکوٰۃ کا استثمار

مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی ☆

۱- (الف، ب) زکوٰۃ کی رقم کو جلد از جلد مستحقین تک پہنچایا جانا ضروری ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، غرباء کی مدد کے لئے دوسری مدوں کی رقوم سے کارخانے قائم کئے جائیں، یا انہیں کو زکوٰۃ کی رقوم دے کر آمادہ کیا جائے، ان کے شیر وغیرہ رکھے جائیں۔

(ج) تملیک: فقہ اکیڈمی اس مسئلہ کو پہلے ہی طے کر چکی ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، لہذا تملیک کی صورتوں کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے بنے مکانات وغیرہ کا عارہ وغیرہ۔

اموال زکوٰۃ عاریۃ یا وقتی استفادے کے لئے دیئے جائیں تو تملیک نہ پائے جانے کی بناء پر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

۳- زکوٰۃ کی رقوم کا مختلف اشیاء کی شکل میں مستحقین کو دینا۔

مال زکوٰۃ جب مستحق کے ہاتھ میں پہنچا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، خواہ جس شکل و صورت میں ہو، یعنی اس مال سے کپڑا وغیرہ خرید کر دیا جائے، یا مکان وغیرہ تعمیر کرا کے یا گاڑی خرید کر دی جائے، مالک بنا دیا تو ادا ہوگی، بظاہر اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

☆☆☆

☆ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ ہتھورا، ہانڈہ۔

استثمار باموال الزکاة

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

اسباب ظاہری کی حد تک یہ بھی ضرور کیا جانا چاہئے کہ کسی طرح ایسا فنڈ جمع ہو جائے اور ایسے کارخانے اور فیکٹریاں قائم ہو جائیں جو مستقل اور پائیدار انداز سے مسلمانوں کی غربت و فلاکت کا مداوا بنتا رہے۔

اس لئے ایک صحیح راستہ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قیمتی اثاثہ و جائیداد جو بشکل اوقاف موجود ہیں، مگر بہت سی جگہوں پر خود مسلمانوں کے ہاتھوں خرد برد اور برباد ہو رہی ہیں، ان کا صحیح اور مناسب سروے کر کے معقول نظم کیا جائے، اس کے بعد دوسرا صحیح طریقہ اسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ارباب مال اور صاحب ثروت حضرات جو اپنی مختلف تقریبات میں ہزاروں لاکھوں روپے محض نام آوری کی مد میں خرچ کرنے سے نہیں ہچکچاتے وہ اپنی عاقبت سنوارنے کے صحیح فکر اور امنگ کے ساتھ اپنے ذاتی اثاثہ اور نجی کاموں سے اس طرح کا فنڈ جمع کر دیں، یہ ایک بے خطر اور متفق علیہ فنڈ ہوگا، لیکن اپنے ذاتی اثاثہ کے بجائے اللہ کے لازم کردہ مالی حقوق، یعنی اموال زکاۃ وغیرہ سے اس قسم کے فنڈ کی فراہمی اور تعاون کی کوششوں کو یہی کہا جائے گا کہ یہ مفلوک الحال مسلمانوں کے حال زار پر محض مگر مچھ کا آنسو بہانا ہے، اور اپنے کاندھے پر کوئی ادنیٰ بار اٹھائے بغیر بس اللہ تعالیٰ ہی کے مالی حقوق کے کاندھے پر رکھ کر امداد و تعاون کی بندوبست فائر کرنا ہے۔

”رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف“

☆ مہتمم اشرف العلوم کہنواں، سیتا مڑھی، بہار۔

”اب آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے“ کے تحت اپنے کڑوے کیلئے اظہار خیال کے بعد سلسلہ سوالوں کے جوابات عرض کئے جا رہے:

۱- (الف) کسی دوسرے دبستان فقہ کے امام و مشائخ کے مسلک و اجتہاد کے مطابق فریضہ زکاۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کیلئے فقراء و مستحقین کو مکمل طور پر مالک بنا دینا ضروری نہ ہو تو نہ ہو، مگر فقہ حنفی میں تو تملیک شرط لازم ہے۔ ”آ تو الزکاۃ“ کے لفظ ”ایتاء“ اور ”انما لصدقات“ کے لفظ صدقہ کا مفہوم و مقتضاء یہی ہے جو اپنی جگہ پوری تفصیل کے ساتھ مدلل طور پر فقہ حنفی کی کتابوں میں موجود مذکور ہے۔

اس لئے عندالاحناف رقوم زکاۃ سے استثمار کا وہ طریقہ جو سوانامہ میں لکھا گیا ہے کہ ان رقوم زکاۃ سے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کر کے مستحقین زکاۃ ہی کو ان میں ملازمت دیکر ان کے لئے ایک روزگار فراہم کر کے ان کی فلاکت اور معاشی پسماندگی کو دور کیا جائے اور پتہ چان فقراء و غرباء کے دین و ایمان کی حفاظت کی جائے، شرعی نقطہ نظر سے صحیح اور درست نہیں ہو سکتا، لعدم التملیک۔

(ب) اموال زکاۃ سے استثمار کے عدم جواز کی اصلی اور بنیادی وجہ صرف وہی تملیک کا فقدان ہے، جبکہ ادائیگی زکاۃ کی صحت و تمامیت کیلئے تملیک کا ضروری ہونا ہی حدیث و قرآن کے نصوص اور تعامل اسلاف کی روشنی میں رائج اور لائق تمسک بھی ہے۔

(ج) ادائیگی زکاۃ کی صحت کیلئے تملیک، فقہ حنفی کے معمول بہا اور مفتی بہا روایت کے مطابق بہر حال لازم شرط ہے، اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط ہرگز نہیں پوری ہو رہی ہے۔

۲- زکاۃ کے اموال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں بنا کر مستحقین فقراء کو محض رہائش یا تجارت کیلئے دیا جائے مالک نہیں بنایا جائے تو بھی ادائیگی زکاۃ نہیں ہوگی، لعدم التملیک العین، و لکن التملیک المنافع۔ فقط

۳- ہاں اگر اموال زکاۃ تقسیم کرنے کی جگہ ان سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء

مستحقین کو اس کا مکمل مقدار مالک بنا دیا جائے تو یہ صحیح ہوگا اور ایسی زکاۃ ہو جائے گی۔

بظاہر نظر اس میں ایک قباحت یہ ضرور محسوس ہوا کرتی ہے کہ دوکان، یا مکان کی قیمت، یا اس کا صرفہ و لاگت یقیناً کم از کم بیس پچیس ہزار روپے ہونگے جو بقدر نصاب ہو جائے گا۔ اور فقراء و مستحقین کو اموال زکاۃ سے بقدر نصاب دیدینا مستحسن نہیں سمجھا گیا ہے۔

لیکن رہائشی مکان تو حوائج اصلیہ میں داخل ہو جانے کے بعد سبب کا لمعدوم ہی ہو جائے گا کوئی قباحت نہ رہ پائیگی، البتہ دوکان والی صورت کسی نہ کسی درجہ میں قبیح اور غیر مستحسن رہے گی، جسے فقراء کے مستقبل کو سنوارنے اور اس کے دین و ایمان کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہونے کی بنا پر نظر انداز کیا جاسکتا ہے (واللہ اعلم بالصواب)، بلکہ ایک ذریعہ معاش ہونے کے سبب آلات التحریر، اور اراضی کاشت کی طرح اسے بھی حوائج اصلیہ میں داخل مان کر کا لمعدوم کر دیا جائے۔



اموال زکاة کا است شمار

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

- ۱- اموال زکوة کی دو قسمیں ہیں: اموال ظاہرہ، اموال باطنہ۔
اموال ظاہرہ مراد، سائتمہ جانور ہیں۔ اور اموال باطنہ سے مراد اموال تجارت اور سونا چاندی وغیرہ ہے۔
- ۲- اموال ظاہرہ میں مزکی کو اختیار نہیں ہے کہ از خود زکوة کی رقم اس کے مصارف میں خرچ کرے
- ۳- اموال باطنہ کی زکوة مزکی خود اس کے مصارف میں خرچ کر سکتا ہے، اور اگر سامان تجارت لے کر کسی عاشر کے پاس سے گزرے اور زکوة کی رقم اس کے حوالہ کر دے تو بھی زکوة ادا ہو جائے گی۔
- ۴- زکوة کی رقم کے است شمار کے مسئلہ پر غور کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ است شمار کا یہ عمل کون کر رہا ہے؟ خود مزکی، اس کا وکیل یا سلطان وقت۔
- ۵- اگر سلطان وقت اموال زکوة کو ان کے مصارف میں خرچ کرنے کے بجائے اس سے کوئی کارخانہ قائم کرتا ہے، تاکہ اس سے مزید آمدنی حاصل کی جائے، اور اس سے فقراء و مساکین کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچایا جائے، تو یہ جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ زکوة کی رقم صرف کرنے میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اختیار نہیں دیا ہے، بلکہ اس نے خود اس کے مصارف بیان کر دیا ہے، اس

☆ قاضی امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ، جھاڑکھنڈ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

کے علاوہ کہیں خرچ کرنے کا اختیار ان کو نہیں دیا ہے۔

نیز حضور ﷺ کے زمانہ میں مسلمانوں میں فقر و فاقہ اور مالی بد حالی زیادہ تھی، مگر کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ مسلمانوں سے فقر و مسکنت کو دور کرنے کے لئے زکوٰۃ کو اس کے مصارف میں خرچ کرنے کے بجائے اس میں اضافہ کے لئے کوئی طریقہ اختیار کیا گیا ہو، آپ ﷺ کے بعد بھی خلفاء راشدین کے دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔

اس کے باوجود اگر سلطان وقت نے زکوٰۃ کی رقم سے کوئی کارخانہ قائم کر لیا تو وہ گنہگار ہوگا، مزکی پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس نے جب زکوٰۃ کی رقم حکومت کی طرف سے وصول کرنے والے کو ادا کر دیا ہے تو اب وہ زکوٰۃ کی ذمہ داری اس سے ساقط ہوگئی۔

۶۔ اگر مزکی خود، یا اس کا کوئی وکیل زکوٰۃ کی رقم سے کوئی کارخانہ قائم کرتا ہے تو دراصل یہ کارخانہ زکوٰۃ کی رقم کا نہیں ہے، مزکی پر لازم ہوگا کہ زکوٰۃ کی رقم اس کے مصارف میں صرف کرے، کارخانہ قائم کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار نہیں ہوگا، لیکن اگر کارخانہ قائم کر لینے کے بعد زکوٰۃ کی رقم فقراء کو ادا نہیں کیا تو زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کا گنہگار نہیں ہوگا، اور کارخانہ کی آمدنی سے بقدر زکوٰۃ بہ نیت زکوٰۃ اس نے فقراء کو دیدی تو بھی زکوٰۃ کی ذمہ داری سے بری ہو جائیگا، البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر پر گناہ گار ہوگا۔

۷۔ زکوٰۃ کی رقم سے کارخانہ قائم کرنے میں زکوٰۃ اس لئے ادا نہیں ہوتی ہے کہ اس کے لئے مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا ضروری ہے، اور یہاں تملیک نہیں پائی جا رہی ہے۔

۸۔ اسی طرح اگر زکوٰۃ کی رقم سے دوکان یا رہائش کے لئے مکان تعمیر کر کے فقراء و مساکین کو صرف رہائش یا دوکان داری کے لئے دیئے جائیں تو چونکہ اس میں تملیک نہیں ہے، اس لئے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (ہدایہ ۱/۱۸۵)۔

۹۔ حنفیہ کے یہاں اگر کسی فقیر کو دو سو درہم یا اس سے زائد دیدیا جائے تو مکروہ ہے، مگر جائز ہوگا، البتہ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ بقدر نصاب دینے پر وہ غنی ہو

جائے گا اور ادائیگی اور غناء ایک ساتھ پائے جائیں گے، یہ گویا ایسا ہوگا کہ کسی غنی صاحب نصاب کو زکوٰۃ دی گئی، اور صاحب نصاب غنی کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے، اس لئے بقدر نصاب، یا اس سے زائد رقم کسی فقیر کو دیدی جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، حنفیہ کہتے ہیں کہ جب فقیر کو مال دیا جائے گا وہ مالک ہو جائیگا تب غنی ہوگا، اس طرح ادائیگی کے بعد غنا پایا جائے گا، اس لئے غنی کو دینے کے حکم میں نہیں ہے، البتہ چونکہ ادائیگی کے فوراً متصل غنا پایا جا رہا ہے، اس لئے زیادہ سے زیادہ کراہت ہوگی (ہدایہ ۱/۱۸۷)۔

۱۰- اس کے باوجود اگر رہائش، یا مکان کے لئے مکان تعمیر کر کے کسی فقیر کو دیا جائے اور اس میں نصاب سے زائد مقدار خرچ ہو یا ہو تو بھی میرے خیال میں یہ صورت اور کسی بھی قباحت اور کراہت کے بغیر جائز ہوگی، اس لئے کہ حضرات فقہاء نے اس صورت کو مکروہ قرار دیا ہے، جس میں فقیر نصاب کا مالک ہو کر غنی ہو جاتا ہے، لیکن مکان دینے کی صورت میں، جبکہ اس کے پاس رہائش، یا دوکان کے لئے دوسرا مکان نہ ہو تو اس مکان کی وجہ سے وہ صاحب نصاب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مکان اس کے حوائج اصلیہ میں داخل ہوگا، اس مکان کے لینے کے باوجود اگر اس کے پاس دوسرا کوئی مال نہ ہو تو زکوٰۃ کا مستحق ہوگا، اس لئے فقہاء نے جس صورت کو مکروہ قرار دیا ہے، اس میں یہ صورت داخل نہیں ہوگی۔

لہذا زکوٰۃ کی رقم سے رہائش، یا دوکان کے لئے مکان تعمیر کرنا اگر فقیر کو دے کر مالک بنا دینا کسی بھی قباحت و کراہت کے بغیر جائز ہوگا۔



اموال زکوٰۃ کو آمدنی کا ذریعہ بنانا

منہجی جمیل احمد ندوی ☆

زکوٰۃ کی رقم کو آمدنی اور استثمار کا ذریعہ بنانا درست نہیں، کیونکہ اس میں تملیک نہیں ہوگی اور جب تملیک نہیں ہوگی تو زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی، ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے۔

فیکٹریاں اور کارخانے دوسری رقم سے قائم کئے جائیں، زکوٰۃ کی رقم مستحقین میں اس طرح تقسیم کر دینا ضروری ہے کہ انہیں بلا شرکت غیر مالک بنا دیا جائے، زکوٰۃ کی رقم سے فیکٹریاں اور کارخانے قائم کر کے ان کے منافع، مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کرنے یا مستحقین زکوٰۃ کو ان کارخانوں اور فیکٹریوں میں ملازمت دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسی طرح زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقیر کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں ان مکانوں اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو بھی زکوٰۃ نہ ادا ہوگی، کیونکہ اس زکوٰۃ میں تملیک کی شرط پوری نہیں ہوئی۔

”و یشرط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة کما مر“ (درمختار ۲/۶۸)۔

طحاوی میں ہے:

”وأخرج بالتملیک الإباحة“ (لطحاوی علی مراقی الفلاح ۲/۴۱۳، نیز دیکھئے:

ہدایہ ۱/۲۰۵، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۶۲۲)۔

☆ مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ مبارکپور اعظم گڑھ۔

زکوٰۃ میں تملیک رکن ہونے کی دلیل:

امام کا سائی رقم طراز ہیں:

”فرکن الزکوٰۃ هو إخراج جزء من النصاب إلى الله تعالى و تسليم ذلك إليه يقطع المالك يده عنه، بتمليكه من الفقير و تسليمه إليه أو إلى يد من هو نائب عنه وهو المصدق“ (بدائع الصنائع ۲/۲۹۰)۔

زکوٰۃ کے باب میں تملیک کا رکن ہونا ائمہ اربعہ کے یہاں مصرح ہے، یہ تنہا فقہ حنفی کا مسئلہ نہیں ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلہ ۲/۸۷۵، الفقہ علی المذاهب الاربعہ ۱/۵۹۰، المہذب ۱/۲۳۱، المجموع شرح المہذب ۶/۱۳۶۲۱۳۰، کتاب الفروع ۲/۶۱۹)۔

مالی زکوٰۃ سے فقراء کو دوکان و مکان بنا کر دینا:

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو شرعاً جائز ہے۔

اولاً: اس لئے کہ زکوٰۃ کا استبدال جائز ہے، یعنی جس چیز کی زکوٰۃ ذمہ میں واجب ہوئی ہے، اس کے بجائے اس کی قیمت ادا کرنا جائز ہے، یا اسی مالیت کی کوئی اور چیز دے دینا جائز ہے (حسامی/۹۹)۔

ثانیاً: اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ اس صورت میں مستحق زکوٰۃ کو نصاب یا نصاب سے زیادہ دینا لازم آئے گا جو کہ فقہائے عظام نے مکروہ لکھا ہے، مگر چونکہ مدیون اور ذی عیال کے اس کی اجازت دی گئی ہے، اس لئے ایسا مستحق زکوٰۃ جس کے پاس رہنے کا مکان نہ ہو، یا معاش کا کوئی معقول ذریعہ نہ ہو اس کی ضرورت اور محتاجگی کو دیکھتے ہوئے مذکورہ مدیون ذی عیال درجہ میں رکھا جاسکتا ہے۔

”و كره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو

مختصر تحریریں

{۲۰۶}

كان صاحب عيال بحيث لو فرق عليهم لا يخصص كلاً أولاً يفضل بعد دينه
نصاب، فلا يكره فتح“ (در مختار ۲/ ۷۴)۔

”و الأصل أن المزكى أن ينظر إلى ما يقضيه حال الفقير من عيال
وحاجات أخرى كتياب وكراء منزل وغير ذلك“
علامہ یوسف القرضاوی نے ”فقہ الزکوٰۃ“ (جلد ثانی / ۵۷۳-۵۷۴) اس موضوع
پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور جواز کو راجح قرار دیا ہے۔

☆☆☆

اموال زکوٰۃ کا استثمار

مولانا ڈاکٹر عبداللہ جلم ☆

بعض اموال زکوٰۃ کا استثمار جائز ہے، اور تملیک ضروری نہیں، رسول اللہ ﷺ جہاں زکوٰۃ تقسیم کرتے تھے وہیں زکوٰۃ کے کچھ اونٹوں کو پالتے بھی تھے اور مستحقین کو اس سے استفادہ کا موقع دیتے تھے، ملکیت میں دیئے بغیر، اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

”عن انس أن أناسا من عرينة اجتود المدينة فرخص لهم رسول الله ﷺ أن يأتوا إبل الصدقة فيشربو من ألبانها وأبوالها فقتلوا الراعي و استاتوا الدور فأرسل رسول الله ﷺ فأتى بهم فقطع أيديهم وأرجلهم وسمر أعينهم وتركهم بالحرّة يعضون الحجارة“ (اخرج البخاري في باب استعمال ابل الصدقة والبانها لا بناء السبيل)۔

ابن حجر کہتے ہیں: اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس کا مالک بنا دیا، بلکہ اس میں یہ ہے کہ انہیں علاج کے لئے اونٹ کا دودھ پینے کی اجازت دی۔ ابن حجر کی عبارت یہ ہے:

” ليس في الخبر أنه ملكهم رقابها، وإنما فيه أنه أباح لهم شرب ألبان الإبل للتداوى، فاستنبط منه البخاري جواز استعمالها في بقية المنافع إذلا فرق، وأما تمليك رقابها فلم يقع“ (فتح الباری ۳/۳۶۶)۔

☆ استاذ جامعہ دار السلام، عمر آباد، تامل ناڈو۔

پھر ابن حجر کہتے ہیں:

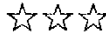
” فغاية ما يفهم من حديث الباب أن للإمام أن يخص بمنفعة مال

الزكوة دون الرقبة صنفادون صنف بحسب الاحتياج“ (فتح الباری ۳/۳۶۶)۔

اس موضوع پر مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے ۱۹۸۶ء میں اردن میں کانفرنس کی تھی اس

کے اجاث وقرارداد (مجله مجمع الفقہ الاسلامی العدد الثالث الجزء الاول میں مطبوع) ہیں اس

سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔



ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کا مسئلہ

مفتی انور علی اعظمی ☆

۱- (الف، ب، ج) ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ”إنما الصدقات للفقراء الخ“ (سورہ توبہ: ۶۰) کا منشا بھی یہی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث: ”توخذ من أغنيائهم وترد إلى فقرائهم“ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، اس لئے اموال زکوٰۃ سے کارخانے اور فیکشریاں قائم کرنا ادائیگی زکوٰۃ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر فقراء کو روزگار تو مل جائیگا، لیکن تملیک نہ پائے جانے کی بنا پر زکوٰۃ معلق رہے گی۔

۲- اموال زکوٰۃ سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش، یا تجارت کے لئے دے دیئے جائیں اور انہیں مالک نہ بنایا جائے، تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ کیونکہ ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے۔

۳- فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اس صورت میں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ اس فقیر کے پاس واقعی رہنے کا مکان نہیں ہے اور اس کو رہائش کے لئے مکان کی ضرورت ہے، اسی طرح دوکان بھی ایسے فقیر کو دی جائے

☆ استاذ دارالعلوم مئو، مئو (یوپی)۔

جس کے پاس حرفت اور تجارت کی کوئی صورت موجود نہ ہو اور وہ صاحب نصاب بھی نہ ہو۔ مکان اور حرفت کا سامان حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے، ان کے مالک بنانے سے فقیر غنی کی حد میں داخل نہیں ہوگا، حرفت کے آلات میں دوکان براہِ راست تو داخل نہیں ہے، لیکن بہت سے پیشے دوکان کے بغیر صحیح طور پر انجام نہیں دئے جاسکتے، اسی طرح تجارت کے لئے دوکان ایک بنیادی ضرورت ہے، اس لئے ایک فقیر کے فقر کو مستقل دور کرنے کے لئے دوکان بھی دی جاسکتی ہے، تاکہ تھوڑی موٹی پوجی کا انتظام کر کے وہ کاروبار شروع کرے اور اپنے پیر پر کھڑا ہو سکے۔

حضرت عمرؓ کے ارشاد: ”إذا اعطيتم فاغنو یعنی فی الصدقة“ اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی: ”ورجل أصابته جائحة احتاجت ماله مخلت له المسئلة، حتى يصيب قوا اما من عيش أو قال: سدادا من عيش“ سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (الفقہ الاسلامی صفحہ نمبر ۳۸۳، ۳۸۵)۔



زکوٰۃ سے سرمایہ کاری کے مسائل

مولانا سلطان احمد اصلاحی ☆

۱- (الف) رقوم زکوٰۃ استثمار درست ہے، اس رقم سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کی جاسکتی ہیں جن سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے اور ان کارخانوں میں فقراء و مساکین کو ملازم رکھ کر ان کو روزگار فراہم کیا جائے، سوال نامہ میں دیئے گئے پس منظر کی روشنی میں یہ مسئلہ مزید توجہ کا طالب ہو جاتا ہے، البتہ توازن کا دھیان رکھا جائے، امت کی سطح پر زکوٰۃ کا ایک حصہ ہی اس مد میں صرف ہو جس سے کہ مصارف زکوٰۃ کے فوری ضرورت کے دیگر تقاضے مجروح نہ ہوں۔

۲- اموال زکوٰۃ کے استثمار کے جواز کی دلیل میں سرمدست قرآن، حدیث اور تاریخ سے ایک ایک نظیریں پیش خدمت ہیں:

قرآن شریف میں یتیم کے مال کو بڑھانے کا حکم ہے۔

”وَيَسْتَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ“ (بقرہ: ۲۲)۔

(اور (اے نبی!) آپ سے لوگ یتیموں کے معاملے میں دریافت کرتے ہیں آپؐ

کہہ دیجئے ان کے لئے افزائشی اور بڑھوتری کا طریقہ بہتر ہے)۔

صاحب جلالین نے اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر کی ہے:

”(قل اصلاح لہم) فی أموالہم بتنمیتہا و مداخلتکم (خیر) من ترک

ذکر۔“

(تمہارا یتیموں کے مال کو بڑھانا اور اس کے لئے تنوع کی تدبیریں کرنا اس کے برعکس کے معاملے میں بہتر ہے) (تفسیر الجلالین ۳۶، دار المعرفۃ بیروت طبع جدید، ۱۹۸۳ء مطابق ۱۴۰۳ھ)۔
نبی ﷺ کی اس حدیث میں بھی یہی مضمون ہے جس کی روایت حضرت عمرو بن شعیب سے ان لفظوں میں ہے:

”إلا من ولی یتیم له مال فلیتجر فیہ ولا یترکہ حتی تأکلہ الصدقة“

(اچھی طرح سن لو جو کسی یتیم کا ذمہ دار ہو اور اس کا کوئی مال ہو تو چاہئے کہ وہ اس میں تجارت کرے) (جس سے کہ وہ بڑھے) اور اسے یوں ہی نہ چھوڑے رکھے یہاں تک کہ زکوٰۃ میں نکل کر وہ بالکل ختم ہو جائے)۔

انہی راوی سے یہ روایت حضرت عمر بن الخطاب سے موقوف بھی ہے (جامع ترمذی جلد ۱، ابواب الزکوٰۃ من رسول اللہ ﷺ باب ما جاء فی الزکوٰۃ مال الیتیم۔ رشیدیہ دہلی)، اس کی سند میں کچھ کلام بھی ہے لیکن اس سے استدلال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تاریخ سے اس کے حق میں نظیر حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی اور حضرت امیر معاویہؓ کی ماں ہند بنت عتبہؓ کی ہے۔ جنہوں نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے ان کی خلافت کے زمانہ میں ان سے بیت المال سے تجارت کی غرض سے قرضہ کی درخواست کی، خلیفہ دوم نے انہیں اس شرط پر دینا منظور کیا کہ وہ نفع و نقصان ہر دو صورت میں اصل کی ضامن ہوں گی

”إن ہند ابنة عتبة قامت إلی عمر بن الخطابؓ فاستقرضه من بیت المال اربعة آلاف درهم تتجر فیہا و تضمها فأقرضها الخ“ (طبری ۱۰۳، تاریخ اربل و الملوک ۲۲۱۳، طبع جدید، دار المعارف، مصر نیز ابن اثیر: الکامل فی تاریخ ۳۳۳، دار الکتب العربیہ بیروت ۱۹۸۶ء مطابق ۱۴۰۶ھ)

دوسرے موقع پر اس کی صراحت ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ ایسی تجارت پر نفع کا حصہ

نصف لیتے اور خسارہ کی صورت میں بھی قرض لینے والا اصل ضامن سمجھا جاتا (ماہانہ حجاب رام پور فاروق اعظم نے نمبر ۱۶۳ مطبوعہ ۱۹۸۸ء میں جناب ڈاکٹر حمید احمد (پریس) کا مضمون)۔

یہ تینوں نظائر رقوم زکوٰۃ کے استنثار کے حق میں دلیل فراہم کرتے ہیں، بالخصوص آخری نظیر اس کے حق میں بہت صریح ہے، اس لئے کہ بالیقین بیت المال کا بڑا حصہ رقوم زکوٰۃ پر مشتمل ہوگا، اگر اس میں کوئی کراہت یا ممانعت کا پہلو ہوتا تو اس موقع پر حضرت فاروق اعظمؓ اس کی ضرور وضاحت کرتے کہ دی جانے والی رقم زکوٰۃ کی نہیں ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ کی رقم کا کسی پیداواری کام میں لگانا جائز نہیں ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ہندوستان میں تنظیم زکوٰۃ کے چند مسائل مطبوعہ ماہانہ زندگی نورج ذیل ہیں، ص ۲۰۰)۔

(ج) اپنی زوال پذیر صورتوں سے بچتے ہوئے عام حالات میں ادائیگی زکوٰۃ

کے لئے تملیک بہتر ہے، صورت مسئولہ میں استحساناً بالواسطہ تملیک کی شرط پوری ہو جاتی ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات اور دوکانیں تعمیر کرا کے صرف فقراء و مستحقین کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ان دوکانوں اور مکانوں کا ان کو مالک بنایا جانا ضروری ہے۔

۳۔ فقراء میں مال زکوٰۃ کا تقسیم کرنا ہی ضروری نہیں ہے، اس کی رقم سے ان کے لئے دوکانیں یا مکانات تعمیر کرا کے انہیں دے دیئے جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات یہ مندوب و مستحسن ہوگا۔



زکاۃ کے نئے مسائل

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی ☆

۱- (الف، ب): چونکہ آج کل لوگ جس طرح زکاۃ دیتے ہیں اور وصول کرنے والے وصول کرتے ہیں اس سے زکاۃ کی افادیت تیزی کے ساتھ ختم ہوتی جا رہی ہے، اس لئے زکاۃ کی رقوم کا استعمار درست ہونا چاہئے، تاکہ فقراء کو معاشی استحکام حاصل ہو اور ان کو در یوزہ گرمی اور کشتکول گدائی لئے پھرنے سے بچایا جاسکے، نیز زکاۃ کی رقوم کو انتشار اور عدم افادیت اور بسا اوقات عدم ادائیگی سے (جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ زکاۃ کی رقم دراصل مستحق تک نہ پہنچ سکی) بچایا جاسکے، بنا بریں زکاۃ کی رقوم کا استعمار بندہ کے خیال میں اس شرط کے ساتھ درست ہونا چاہئے کہ جو لوگ فیکٹری و کارخانے قائم کرنے کی غرض سے زکاۃ وصول کرتے ہیں وہ انتہائی دیندار اور ملت کے بھی خواہ ہوں اور ان کی کمیٹی ہو جس کا رجسٹریشن ہو اور رجسٹریشن میں فقراء کا بھی نام دیا جائے۔

ج- بندہ کی ناقص رائے یہ ہے کہ رجسٹریشن میں فقراء کا نام دے دینے سے من وجہ تسلیک ہو جائیگی۔

۲- صورت مسئلہ پر زکاۃ ادا نہ ہونی چاہئے، کیونکہ مکان و دوکان کا انہیں مالک نہیں بنایا گیا، بدون مالک بنائے صرف رہائش کے لئے دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

(آپ کے مسائل ۴۰۶۳) پر اس طرح تحریر ہے: ”جو فلاحی ادارے زکاۃ کی رقم

☆ پرنسپل و شیخ الحدیث دارالعلوم مئو، مئو (یو پی)۔

جمع کرتے ہیں وہ زکاۃ کی رقم کے مالک نہیں ہوتے، بلکہ زکاۃ دہندگان کے وکیل اور نمائندے ہوتے ہیں، جب تک پیسہ ان کے پاس جمع رہے گا بدستور زکاۃ دہندگان کی ملک ہوگا اگر وہ صحیح مصرف میں خرچ کریں گے تو زکاۃ دہندگان کی زکاۃ ادا ہوگی، ورنہ نہیں۔

۳- اگر زکاۃ کے مال سے مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء کی ملکیت میں دے دی جائیں تو زکاۃ ادا ہو جانا چاہئے، ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی کتاب ”فقہ الزکاۃ“ کا ترجمہ مولانا شمس پیرزادہ نے کیا ہے اسکے صفحہ ۴۵۸ پر فٹنپا تھ پر رہنے والوں کے متعلق اس طرح تحریر ہے:

”ایسے لوگ ابناء سبیل ہونے کی بنا پر انہیں اتنا مال دیا جائے گا کہ ان کے مناسب حال رہائشی مکان کا انتظام ہو جائے اور ان کے فقراء ہونے کی بنا پر ان کی اتنی مدد کی جائے گی۔“



اموال زکوٰۃ کا استثمار اور تملیک کی بعض صورتیں

مولانا ابوسفیان مفتاحی ✽

(۱) الف۔ زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے نیکشریاں وغیرہ قائم کرنا تاکہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے گا اور ان کا خزانوں میں فقراء کو ملازمت دیکر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے گا تو شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے، چنانچہ فقہ شافعی کی کتاب الاقناع (۱/۳۶۲) میں مذکور ہے:

”و يعطى فقير و مسكين كفاية عمر غالب يشريان بما يعطيانه عقاراً يستغلانه واللام أن يشتري له ذلك كما في الغازي هذا فيمن لا يحسن الكسب بحرفة ولا تجارة، أما من يحسن الكسب بحرفة فيعطى ما يشتري به الاتها او ينجاره فيعطى ما يشتري به ما يحسن التجارة فيه ما يفى ربحه بكفايته غالباً“

خلاصہ کلام:- یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں مقصد مذکور کے لئے زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار شرعاً جائز ہے۔

(ب)۔ اسباب جواز:

(۱) فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی۔

- (۲) ان کو کام سے لگا دینا۔
- (۳) تاکہ بھیک مانگنے کے عادی نہ ہوں۔
- (۴) اسلام و مسلمانوں کو دنیا کی نگاہوں میں عزیز بنانا۔
- (۵) مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی دور کرنے کی کوشش کرنا۔
- (ج)۔ زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط یوں پوری ہوگی کہ مسلم تنظیم کو یا کوئی ایک دیندار شخص کو ان فقراء کا وکیل بنا دیا جائے وہ زکوٰۃ کی رقوم کو اپنے قبضہ میں لے کر ان فقراء کے لئے صورت مذکورہ کو انجام دے، چونکہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ شرعاً متصور ہوتا ہے (دیکھئے: فتاویٰ عالمگیری ۱: ۱۷۱)۔

”در مختار علی ہامش الشامی“ میں ہے:

” و شرط صحة أدائها نية مقارنة له أى للأداء، ولو كانت المقارنة حكما، كما ولو دفع بلا نية ثم نوى والمال قائم فى يد الفقراء أو نوى عند الدفع للوكيل ثم دفع الوكيل بلا نية أو دفعها لدمى ليدفعها؛ لأن المعتبر للفقراء جاز نيته الأمر“ (۱۱/۲)۔

خلاصہ کلام:- یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں تملیک کی شرط پوری کرنے کے لئے کسی کو ان فقراء کا وکیل بنا دیا جائے تو یہ شرط پوری ہو جائے گی۔

۔ زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے، بایں طور کہ ان کو مکانات یا دوکان کا مالک بنا دیا جائے تو جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

چنانچہ ”احسن الفتاویٰ“ میں ہے: ”اگر رقم مسکین کو نہ دی جائے، بلکہ اس رقم سے مکان خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہت نہیں اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے بلکہ کچھ حصہ دے دے جب تعمیر پر خرچ ہو جائے تو مزید کچھ حصہ دیدے اس طرح تعمیر کی تکمیل کرادے“ (احسن الفتاویٰ ۹۴)۔

”فتاویٰ عالمگیری“ میں ہے:

”و یا مرہ أن يدفع إلى رجل مأتی درهم مصاعدا، وإن دفعه جاز كذا فی الهدایة، هذا إذا لم یكن الفقیر مدیونا، فإن كان مدیونا فمدفع إليه مقدار مالو قضی به دینه لا یبقی له شیء أو یقبی له دون المأتین لا بأس به، كذا لو كان معیلاً جاز أن يعطى له مقدار مالو وزع علی عیاله یصیب كل واحد منهم دون المأتین كذا فی فتاویٰ قاضیخان“ (۱۸۸/۱)۔

خلاصہ کلام: زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو مالک بنا کر رہائش کے لئے یا تجارت کے لئے دیدیا جائے تو جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دی جائیں تو شرعاً جائز ہے اور اس میں شرعی قباحت فقراء کو بقدر نصاب دیئے جانے کی کراہت ہو سکتی تھی جس کو فقہاء رحمہم اللہ نے جائز کر دیا ہے، بایں طور کہ اگر رقم مسکین کو نہیں دی، بلکہ اس رقم سے مکانات خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہت نہیں، اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے، بلکہ کچھ حصہ دے دے جب وہ تعمیر پر خرچ ہو جائے تو مزید کچھ حصہ دیدے اس طرح تعمیر کی تکمیل کرادے۔

غرض یہ کہ صورت مسئلہ میں وہ تعمیر کردہ مکان فقراء کی ملکیت میں دے دینا جائز ہے

اور اس میں شرعی قباحت کو فقہاء رحمہم اللہ نے بطریق مذکور ختم کر کے جائز کر دیا ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ مقصد مذکور کے لئے زکوٰۃ کی رقوم کا استیثار شرعاً جائز ہے۔

نیز یہ کہ صورت مسئولہ میں تملیک کی شرط پوری کرنے کے لئے کسی کو ان فقراء کا وکیل

بنایا جائے تو یہ شرط پوری ہو جائے گی۔

زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو مالک بنا کر رہائش کے

لئے یا تجارت کے لئے دے دیا جائے تو جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔



اموال زکوٰۃ کا استثمار - شرعی ضوابط کی روشنی میں

مفتی نسیم احمد قاسمی ☆

زکوٰۃ اسلام کی ایک اہم ترین عبادت اور مقدس فریضہ ہے، جس کی فرضیت و اہمیت کا علاج قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث کریمہ میں کیا گیا ہے، زکوٰۃ کی فرضیت کا مقصد ایسے معاشرہ کی تشکیل ہے جس میں دولت و ثروت چند اشخاص تک مرکوز نہ ہو اور اس پر چند افراد کا قبضہ نہ ہو، بلکہ غرباء و مساکین، اور ضرورت مندوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے۔

زکوٰۃ ایک مالی فریضہ ہے جس کی ادائیگی کے ذریعہ صاحب دولت و ثروت اپنے مال کی گندگی کو دور کرتا ہے، اور اسے بابرکت بناتا ہے اور زکوٰۃ کے ذریعہ غرباء و مساکین اور اصحاب حاجت کی ضرورت پوری کر کے رضاء الہی کا مستحق قرار پاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكهم بها“ (سورہ توبہ: ۱۰۳)۔

(لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس

کی وجہ سے)۔

زکوٰۃ کے مصارف اور مستحق زکوٰۃ کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد باری ہے:

”انما الصدقات للفقراء والمساكين والعملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم،

وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضة من اللہ، واللہ علیم

حکیم۔“

☆ سابق نائب ناظم امارت شرعیہ، پبلواری شریف پٹنہ۔

(زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پھر جانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستہ میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے)۔

”اس آیت کریمہ میں“ مصارف زکوٰۃ کا بیان ”إنما الصدقات للفقراء“ سے کیا گیا ہے انما‘ حصر کے لئے ہے، اور للفقراء‘ میں لام تملیک کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم بطور تملیک دینا ضروری ہے، بغیر تملیک کے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، اس لئے اگر کسی نے مصارف زکوٰۃ میں سے کسی مصرف میں بغیر تملیک یا غیر مصرف میں زکوٰۃ کی رقم دے دی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، لہذا مال زکوٰۃ کو مذکورہ بالا آٹھ مصارف کے علاوہ مساجد، پلوں مدارس کی تعمیر، نہروں کی کھودائی، راستوں کی تعمیر و درستی، مردوں کی تکفین و تجہیز، کارخانے اور فیکٹریوں کی تعمیر، قرضوں کی ادائیگی، اور وسائل جہاد کی تیاری میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ ان تمام صورتوں میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے۔

۱- اموال زکوٰۃ کا استعمار

(الف) زکوٰۃ کی رقم کا استعمار، یعنی زکوٰۃ کی رقم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو زکوٰۃ کے مستحقین میں تقسیم کیا جائے، ایسا کرنا شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے، اور اس طرح فیکٹریوں اور کارخانوں کی تعمیر سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرعاً یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کو تملیک کے طور پر مستحقین زکوٰۃ کو دیا جائے اور انہیں اموال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے کہ وہ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں اور اس صورت میں ”تملیک مستحق“ مفقود ہے، لہذا زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

(ب) زکوٰۃ کے اموال کے استعمار کے ناجائز ہونے کے اسباب و وجوہ حسب

ذیل ہیں:

۱- اموالِ زکوٰۃ کے استثمار کی صورت میں مستحقینِ زکوٰۃ کو رقمِ زکوٰۃ تملیک کے طور پر نہیں دی جاتی ہیں، بلکہ اصل رقم کو کارخانے میں لگا کر صرف اس کے نفع کو فقراء و مساکین پر تقسیم کیا جاتا ہے اور اصل رقم مستحقین کے حوالے نہیں کی جاتی ہے، قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے ہیں اور ”انما الصدقات للفقراء“ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان مصارف میں تملیک کے طور پر زکوٰۃ کی رقم صرف کی جائے۔

۲- فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ وہ تمام صورتیں جن میں تملیک مستحق نہیں پائی جاتی ہے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، چنانچہ صاحب ”درمختار“ نے مصارفِ زکوٰۃ کے ذیل میں ذکر کیا ہے:

”و يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت و قضاء دينه“

اور اس عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے تحریر کیا ہے:

”كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات و كرى الأنهار والحج و الجهاد و كل ما لا تملك فيه“ (رد المحتار ۲/۳۴۴، نیز دیکھیے: البحر الرائق ۲/۲۴۳، خلاصۃ الفتاویٰ ۱/۲۴۳، المغنی ۲/۶۶۷، الانصاف للمرادوی ۳/۲۱۶، حلیۃ العلماء ۳/۱۶۷)۔

فیکٹری اور کارخانے کی اموالِ زکوٰۃ کے ذریعہ تعمیر کی صورت میں زکوٰۃ کی رقم فیکٹری اور کارخانے کی تعمیر پر صرف کر دی جاتی ہے اور اس سے حاصل ہونے والے منافع فقراء پر تقسیم کئے جاتے ہیں، صاحب ”حلیۃ العلماء“ نے امام ابوحنیفہ سے اس کے عدم جواز کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

”وقال أبو حنيفة يجوز إخراج القيمة في ذلك، ولا يجوز إخراج

المنافع“ (حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء ۳/۱۶۷)۔

مذکورہ بالا عبارات فقہیہ کا حاصل یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کی رقم کو مستحقین کو بطور تملیک دیکر مالک بنانا ضروری ہے اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک کی شرط پوری نہیں ہو رہی ہے۔

۳۱۲- زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات اور دکانوں کی تعمیر:

اسی طرح یہ صورت بھی شرعاً جائز اور درست نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء و مساکین کو رہائش یا تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں مکانات و دکانوں کا مالک نہ بنایا جائے، اس صورت میں بھی ”تمنا یک مستحق“ کے نہیں پائے جانے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، البتہ اگر فقراء میں زکوٰۃ کا مال نقدی صورت میں تقسیم کرنے کے بجائے ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں اور ان پر فقراء کا مکمل قبضہ و دخل کر دیا جائے تو اس صورت میں چونکہ تملیک پائی جا رہی ہے، اس لئے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی، لیکن یہ صورت بہتر نہیں ہے، کیونکہ مقدار نصاب زکوٰۃ یا اس سے زیادہ ایک فقیر کو زکوٰۃ کی رقم دینا خلاف اولیٰ ہے۔

درمختار میں ہے:

”و کره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر“ (درمختار مع الرد ۲/۶۸)۔



استثمار باموال زکوٰۃ کی شکلیں

مولانا محمد نعت اللہ ناظم ☆

استثمار زکوٰۃ کی شکلیں:

۱- زکوٰۃ کی رقم کسی مالدار کو دی جائے اور وہ اس سے فیکٹری وغیرہ قائم کر کے اس کے منافع کو غرباء اور دیگر مصارف زکوٰۃ میں تقسیم کرے۔

۲- زکوٰۃ کی رقم فقراء کے وکیل کو دے دی جائے اور وہ اس سے کارخانہ وغیرہ چلا کر اس کے منافع کو ان پر تقسیم کرے۔

۳- زکوٰۃ کی رقم مستحقین زکوٰۃ کو دی جائے اور ان میں کوئی ایک سربراہ اور مینیجر بن کر کوئی تجارت یا فیکٹری قائم کر کے اس کے منافع کو ان پر خرچ کرے۔

احکام:

استثمار زکوٰۃ کی پہلی صورت جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں پائی جا رہی ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کا پایا جانا ضروری ہے۔

مسئلہ تملیک: www.KitaboSunnat.com

ادائیگی زکوٰۃ کی صحت کے لئے جمہور فقہاء کرام نے تملیک (مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مالک بنادینا) کو شرط قرار دیا ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

”يشترط التملك لصحة الأداء“ (الفقه الاسلامي وأدلته ۷۲/۲)۔

☆ ریسرچ اسکالر جامعہ القریٰ مکہ مکرمہ

استثمار زکوٰۃ کی تین صورتیں ہیں:

۱- زکوٰۃ کی رقم کسی مالدار کو دی جائے اور وہ اس سے فیکٹری وغیرہ قائم کر کے اس کے منافع کو غرباء اور دیگر مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کرے تو یہ صورت درست نہیں، کیونکہ تملیک کی شرط نہیں پائی جا رہی ہے۔

۲- زکوٰۃ کی رقم فقراء کے وکیلوں کو دے دی جائے، خواہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو اور وہ اس سے کارخانہ وغیرہ چلا کر اس کے منافع کو ان پر تقسیم کرے تو یہ صورت جائز ہوگی، بشرطیکہ اس سے حاصل شدہ آمدنی انہیں فقراء کو دیدی جائے جن کی رقم سے فیکٹری کا قیام عمل میں آیا، ہاں اگر ان فقراء نے اگر اپنے مینیجر کو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ اس سے حاصل شدہ آمدنی کو وہ جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے تو ایسی صورت میں اس وکیل (مینیجر) کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ دوسرے غرباء کو بھی اس کی رقم دے۔

۳- زکوٰۃ کی رقم خود مستحقین زکوٰۃ کو دے دی جائے اور یہ لوگ بطور خود کسی کو اپنی رقم دے دیں اور وہ اس رقم کے ذریعہ کوئی فیکٹری لگائے تو یہ صورت بھی جائز ہوگی۔

جواب سوال (۲):

زکوٰۃ کی رقم سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو اس سے صرف نفع حاصل کرنے کے طریقہ پر دیا جائے اور انہیں اس کا مالک نہ بنایا جائے تو اس صورت میں باتفاق فقہاء اربعہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے جو یہاں نہیں پائی جا رہی ہے، بعض کتب فقہ میں تو اس طرح کا جزئیہ صراحتہ مذکور ہے کہ یہ صورت زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہے اور بعض میں اشارۃً تملیک کے رکن ہونے کے سبب اس کا پتہ چلتا ہے۔

فقہ حنفی کی کتب متداولہ میں اس صورت کے بارے میں صراحتہً عدم ادائیگی زکوٰۃ کا قول منقول ہے، چنانچہ ”ردالمحتار“ میں ہے:

”فلو أسکن فقیرا داره سنة ناویا للزکوٰۃ لا یجزی به“ (ردالمحتار ۳/۱۷۳)۔

اور ”ردالمحتار“ میں ہی بطور قاعدہ یہ ہے:

”ویشترط أن يكون الصرف تملكاً بإباحة“

اسی طرح دوسرے تمام فقہاء کرام نے مال زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کے لئے تملیک کو شرط قرار دیا ہے، چنانچہ ”امداد الاحکام“ (جلد سوم ر ۶۳) پر ”رحمۃ الاممہ اختلاف الاممہ“ سے نقل کیا گیا ہے:

”مال زکوٰۃ کو ایسے مواقع ہی پر صرف کرنا جن میں تملیک نہ ہو باتفاق ائمہ مذاہب و باجماع جملہ مجتہدین جائز نہیں ”رحمۃ الاممہ“ میں ہے:

”واتفقوا علی منع الإخراج لبناء مسجد او تکفین میت“ (ایضاً ۳/۲۹۱)۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ بنائے مسجد اور کفن میت میں صرف کرنا ممنوع ہے اور یہ اتفاق صرف ائمہ اربعہ کا ہی نہیں، بلکہ جملہ ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے، مثلاً اوزاعی، کھول، سفیان ثوری، حسن بصری وغیرہم، کیونکہ صاحب ”رحمۃ الاممہ“ نے اس کتاب میں اس کی تصریح کی ہے کہ جن مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو اور کسی دوسرے کا اختلاف ہو تو میں مخالف کا قول بھی نقل کر دوں گا تاکہ مسئلہ کا اختلافی ہونا معلوم ہو جائے اور یہاں کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق ہے (رحمۃ الاممہ ۵/۴۵، ۴، ۳)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام ہی فقہاء و مجتہدین کرام نے زکوٰۃ کی صحت ادائیگی کے لئے تملیک کو شرط قرار دیا ہے اور زکوٰۃ کی رقم سے مکانات تعمیر کر کے فقراء کو بغیر مالک بنائے ہوئے دینے میں تملیک کی شرط پائی نہیں جا رہی ہے، اس لئے اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۳- زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر اس سے فقراء کے لئے دوکانیں یا مکانات تعمیر کرا کے ان کی ملکیت میں دے دیا جائے تو فقہ حنفی کے مطابق یہ مطلقاً جائز ہے، کتب فقہ حنفی میں یہ مسئلہ زکوٰۃ کی ادائیگی قیمت کے ذریعہ کے ضمن میں مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کے نئے مسائل

ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی

۱- مسلمانوں کی موجودہ مفلوک الحالی اور معاشی پس ماندگی کا فوری تدارک ہو، تاکہ غریب مسلمان باطل مذاہب اور افکار کے شکار نہ ہو جائیں، مستحقین زکوٰۃ کے لئے مستقل ذرائع پیدا کرنا درست ہے، صدقات اور زکوٰۃ کے رقوم کا استثمار قلیل ترین مدت میں ہو، تاکہ مستحقین کے درمیان منافع کی تقسیم بھی ہو اور ملازمت بھی مل جائے، مگر اس کاروبار میں شریک مستحقین زکوٰۃ کی اجرت عام مروج معیار سے بالاتر ہو۔

حصول زکوٰۃ کے کارندوں پر زکوٰۃ سے اجرت ادا کرنا شرعی مقررہ مدت میں شمار ہوتا ہے اور حصول زکوٰۃ پر انہیں اجرت دی جاتی ہے، زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو دیئے جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور فقراء کی وقتی ضرورت بھی پوری ہوگی۔ زکوٰۃ کے مال سے تعمیر کردہ مکانات یا دوکانیں فقراء کی ملکیت میں اس وقت دیئے جاسکتے ہیں جب تک وہ صاحب نصاب کی حد تک نہ پہنچیں اور یہ تملیک اسی وقت تک ہوگی۔

۲- جس طرح غریب طلباء یا یتیم خانہ کے ذمہ داروں کو تعلیمی و تربیتی ضروریات کے انتظام کی اجازت دی جاسکتی ہے، اسی طرح فقراء کو رہائشی مکان یا دوکان دیئے جاسکتے ہیں اور جب ان کی بڑھوتری حد نصاب تک پہنچ جائے دوسرے مستحقین زکوٰۃ کو دیئے جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

۳- فقراء کو زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر کردہ مکانات اور دکانیں صرف صاحب نصاب کی حد تک رسائی ہونے تک ہی دیئے جائیں۔

☆☆☆

زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

نیاز احمد عبدالحمید طیب پوری ☆

۱- (الف) نہیں۔

(ب) زکوٰۃ کی ادائیگی میں تعجیل تو جائز ہے، لیکن تا جیل درست نہیں، اور ضروری ہے کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد اسے مستحقین کے حوالہ کر دیا جائے، استعمار کی صورت میں زکوٰۃ کا مال روک لیا جاتا ہے اور مستحقین کے حوالے نہیں کیا جاتا ہے، صرف حاصل شدہ فائدہ ان کے حوالے کیا جاتا ہے، اگر ایسا کرنا ہے تو اسلامی بینکوں سے قرض لیکر کمپنی قائم کرنا جائز ہے، یا مالدار لوگ تعاون یا قرض دیں۔

(ج) ہماری سمجھ سے تملیک ضروری ہے اور زیر بحث صورت میں یہ شرط پوری نہیں ہوتی (تحفۃ الاحوذی شیخ الحدیث عبدالرحمن مبارک پوری ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱)۔

۲- (الف): اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۳- ایسا کرنا صحیح ہے اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

☆☆☆

☆ استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ خیر العلوم ڈومریانگ سدھارتھ نگر، یوپی۔

اموالِ زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

مولانا فضل الرحمن، حیدرآباد

دورِ حاضر کے مسلمان جن پریشان کن مراحل اور معاشی تنگی سے گزر رہے ہیں وہ محتاج بیان نہیں، چنانچہ وہ اپنی معاشی زندگی سے پریشان ہو کر اپنے دین و ایمان کو چند پیسوں کی لالچ میں فروخت کر رہے ہیں جس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا نظم کیا جائے جس کے ذریعہ مسلم معاشرہ کی غربت دور ہو اور وہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کر سکیں اور جناب رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان: ”كاد الفقر أن يكون كفراً“ کا مصداق نہ بنیں، لیکن سوال اول و ثانی میں جو صورت ذکر کی گئی ہے اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ تملیک پائی جائے، جیسا کہ ارشاد بادی ہے: ”وأتوا الزکوٰۃ“ اور ”ایثناء“ کہتے ہیں مالک بنا دینے کو (بدائع ۱۴۲/۲)۔

چنانچہ فقہاء کرام کی مختلف عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر تملیک نہیں پائی گئی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے اگر کوئی شخص مسجدوں کی تعمیر، پلوں کی تعمیر اور میت کے کفن میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرتا ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ ان چیزوں میں تملیک کی کیفیت نہیں پائی جاتی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

”وعلى هذا يخرج صرف الزکوٰۃ أى وجوه البر من بناء المساجد والرباطات والسقايات وإصلاح القناطر و تكفين الموتى ودفنهم أنه لا يجوز، لأنه لم يوجد التملیک اصلاً“ (بدائع ۱۴۲/۲، بحر ۴۳۲/۲۔ ہندیہ ۱۰/۱۷۰، رد المحتار ۲۱۱/۳)۔

اسی طرح اگر زکوٰۃ کی رقم سے کھانا خرید کر فقراء کو بٹھا کر کھلاتا ہے تو تملیک نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (دیکھئے: بدائع ۲/۱۳۳ فتح القدر ۲۰۸)۔

البتہ اس کے لئے ایک صورت مناسب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی فقیر کو دوکان خرید کر اس کا مالک بنا دیا جائے تو اس صورت میں تملیک بھی ہو جائے گی اور شریعت کا جو مقصد ہے کہ انسان کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے وہ بھی پورا ہو جائے گا، کیونکہ زکوٰۃ کی کچھ رقم دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اس کو کھاپنی کر پھر دست سوال دراز کرتا ہے اور اگر کسی تجارت کا اس کو مالک بنا دیا جائے گا تو باری تعالیٰ سے توقع ہے کہ آئندہ یہ شخص بجائے سوال کرنے کے اعانت کرنے والا بن جائے گا اور کم سے کم سوال سے تو ضرور ہی بچ جائے گا۔

اور تیسرے سوال میں جو صورت مذکور ہے وہ صورت بہت ہی بہتر ہے، کیونکہ اصل تملیک ہے اور اس صورت میں تملیک پائی جا رہی ہے، چنانچہ حضرت مفتی رشید صاحب (احسن الفتاویٰ جلد ۳۰۰/۳) پر تحریر فرماتے ہیں کہ کسی بھی فقیر و مسکین کو گھر یا دوکان بنا کر مالک بنا دینا بلا کراہت جائز ہے۔



اموال زکاۃ کا استثمار اور رتملیک زکاۃ

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

۱- قرآن مجید میں عموماً زکاۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ ”ایتاء“ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور ”ایتاء“ کے معنی عطا کرنے کے ہیں اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ”ایتاء“ کے لفظ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطا کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے اور علاوہ زکاۃ و صدقات کے بھی لفظ ”ایتاء“ قرآن کریم میں مالک بنا دینے کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں زکاۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجت مند کو اس کا مالک بنا دیا جائے۔

کسی کو کھانا کھلا دینا یا رہا عام کے کاموں میں خرچ کرنا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا، شیخ ابن ہمام نے ”فتح القدر“ میں فرمایا کہ حقیقت صدقہ کی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنا دیا جائے، اسی طرح امام جصاص نے ”احکام القرآن“ میں فرمایا کہ لفظ ”صدقہ“ تملیک کا نام ہے، جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکاۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکاۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکاۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ کے دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدہ کے لئے خرچ کیا

☆ بانی و مہتمم خیر العلوم بھوپال۔

جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم کو مساجد یا مدارس، یا شفا خانے، یتیم خانے کی تعمیر میں، یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر بچوں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے، اسی طرح شفا خانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے اس کی رقم زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے، اسی طرح دینی مدارس کے غریب طلبہ کی خوراک پوشاک ہے، اسی طرح رفاہ عام کے سب کام، جیسے کنواں یا پبل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی ہوتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی، ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمد کی کتابوں کی ”شرح مبسوط“ اور ”شرح سیر“ میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں (جواہر الفقہ)۔

مساجد و مدارس اسلامیہ اور غریبوں کے لئے شفا خانے وغیرہ بنانا مسلمانوں کے لئے بڑے ضروری اور اہم کام ہیں، ان میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب بھی عظیم ہے، مسلمانوں کو زکوٰۃ کے علاوہ ان کاموں کے لئے مستقل چندہ کرنا ضروری ہو گیا ہے، زکوٰۃ کی رقم بہر حال ان کاموں پر خرچ کرنا درست نہیں (جواہر الفقہ ۱۰۶/۶)۔

زکوٰۃ کا استثمار کرنے، یعنی زکوٰۃ کی رقوم سے کارخانے، فیکٹریاں قائم کر کے حاصل شدہ منافع کو غریبوں کے درمیان تقسیم کرنے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۲- کیونکہ کارخانے و فیکٹریاں قائم کرنے میں زکوٰۃ کی رقم لگا دی گئی، مستحقین کو اس کا مالک نہیں بنایا گیا تو تملیک کی شرط نہیں پائی گئی۔ ”مبسوط“ میں ہے:

”والاصل فيه أن الواجب فيه فعل الايتاء في جزء من المال ولا يحصل الايتاء إلا بالتملك، فكل قربة خلت عن التملك لا تجزئ عن الزكاة“
(مبسوط ۲/۲۰۲)۔

زکاة میں اصل واجب ایتاء ہے اور ایسا بغیر تملیک کے حاصل نہیں ہوتا، لہذا جو قربت تملیک سے خالی ہو اس میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ کی ادائیگی کافی نہ ہوگی۔

اور زکاة کو مساجد، خانقاہوں، قلعوں، سیلوں اور پلوں کی تعمیر میں اور مردوں کو کفن دینے اور ان کو دفن کرے میں خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ تملیک بالکل نہیں پائی گئی (بدائع الصنائع ۳۹۲)۔

۲۔ زکوٰۃ کی رقم سے مکان یا دکان تعمیر کر کے تملیک کے بغیر غریب کو دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

۳۔ جن مستحقین زکوٰۃ کو رہائش کے لئے واقعی مکان کی ضرورت ہے ان کو مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، لیکن ایک ساتھ اتنی رقم نہ دی جائے کہ وہ گھر والوں پر تقسیم کی جائے تو وہ صاحب نصاب بن جائیں، وہ خود ہی مکان بنائیں یا اس کام کے لئے جو کمیٹی بنی ہو اس کو رقم حوالہ کر دیں اور کمیٹی والے اپنی نگرانی میں مکانات بنوادیں (فتاویٰ رحیمیہ ۱۶۱/۵)۔

مکان یا دکان تعمیر کر کے مستحقین کو مالک بنا دیا جائے تو اس کی گنجائش ہوگی۔



زکوٰۃ کے مال کا استثمار

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری ☆

(الف) زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور تبع تابعین، ائمہ اربعہ، جمہور علماء و فقہاء عظام سے ثابت و منقول نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دور حاضر میں دنیا کے اکثر ممالک میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی ناقابل بیان ہے، لیکن ان مجبور یوں کی آڑ لے کر زکوٰۃ کی رقوم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا تاکہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے، شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی رقوم سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنے میں یہ خرابی اور دشواری مانع ہے کہ اس سے نفع حاصل ہونے کی صورت میں بجائے فقراء کے تعاون و امداد کے خود اقرباء پروری کے لوگ شکار بن کر رہ جائیں گے اور بالآخر فقراء کا استحصال ہوگا۔

مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی:

زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دیا جائے اور انہیں مکانات یا دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس طریقے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (بدائع الصنائع و در مختار وغیرہ)۔

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھروارہ درہمگند۔

ہو بہو اسی طرح کے سوال کے جواب میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ رقمطراز

ہیں:

”زکوٰۃ تب ادا ہوتی ہے جب محتاج کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے اور زکوٰۃ دینے والے کا اس سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ رہے آپ کے ذکر کردہ شرائط نامہ میں جو شرطیں ذکر کی گئیں ہیں وہ عاریت کی ہیں تمکین کی نہیں، لہذا ان شرائط کے ساتھ اگر کسی کو زکوٰۃ کی رقم سے فلیٹ بنا کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، زکوٰۃ کے ادا ہونے کی صورت یہی ہے کہ جن کو یہ فلیٹ دیئے جائیں ان کو مالک بنا کر دیا جائے اور ملکیت کے کاغذات سمیت ان کو مالکانہ حقوق دے دیئے جائیں کہ یہ لوگ ان فلیٹس میں جیسے چاہیں مالکانہ تصرف کریں اور جماعت کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ ہو، اگر ان کو مالکانہ حقوق نہ دیئے گئے تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اور ان پر لازم ہوگا کہ اپنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳۸۹/۳)۔

مستحق کو زکوٰۃ سے مکان بنا کر دینا اور واپسی کی توقع کرنا

اس سوال کے جواب میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ رقمطراز ہیں:

”ایسے غریب اور نادار لوگ جو نصاب کے بقدر اثاثہ نہ رکھتے ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اور اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر ان کو مکان کا مالک بنا دیا جائے، ایسے غریب و ناداروں سے رقم کی واپسی کی توقع رکھنا عبث ہے، اس لئے رضا کارانہ واپسی کا سوال خارج از بحث ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴۰۰/۳)۔

فقراء کو مکانات یا دوکانیں دیں جائیں مگر مالکانہ حقوق نہ دیئے جائیں، یا قرض دہندگان فقراء کے قرضوں کو معاف کر دے، زکوٰۃ دہندگان اس رقوم سے مدارس اسلامیہ یا عصری یونیورسٹی، بینک، اسٹیڈیم، مارکیٹ، مسجد، پل، پانی کی ٹنکی، تالاب، نہر، راستوں کی درستگی وغیرہ کرادے یا بنادے، معلم علوم اسلامیہ یا معلم علوم عصریہ کو اس مدد سے اس کی تنخواہ دے یا غنی طالب علم کو چاہئے وہ علوم اسلامیہ حاصل کر رہا ہو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں

ہوگی، زکوٰۃ دہندگان پر لازم ہوگا کہ وہ لوگ پھر سے اپنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں (بدائع الصنائع ۳۹۲-۳۱)۔

ان مذکورہ دلائل کی روشنی میں میری ذاتی رائے عدم جواز ہے۔

مسکین کو مد زکوٰۃ سے مکان بنوا کر دینا:

فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو شرعی نقطہ نظر سے بلاشبہ جائز ہے اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت یا کونئی شائبہ نہیں ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ میں تملیک فقیر شرط ہے جو مکمل طور پر اس صورت میں تملیک فقیر پائی گئی، بایں طور یہ اقدام جائز ہے اور زکوٰۃ ادا ہوگئی (رد المحتار ۳۱۲)۔

ہو بہو اسی طرح کے سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی لکھتے ہیں:

”اگر رقم مسکین کو نہیں دے، بلکہ اس رقم سے مکان خود بنوا کر دیا تو اس میں کراہت نہیں، اس لئے کہ اس سے مسکین صاحب نصاب نہیں ہوا، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تعمیر مکان کے تخمینہ کی کل رقم مسکین کو یکمشت نہ دے، بلکہ کچھ حصہ دیدے جب وہ تعمیر پر خرچ ہو جائے تو مزید کچھ حصہ دیدے اس طرح تعمیر کی تکمیل کرادے“ (احسن الفتاویٰ ۳۰۷، نیز دیکھیے: بدائع الصنائع ۳۹۲)۔

مسکین کو مد زکوٰۃ سے مکان یا دکان بنوا کر ان کی ملکیت میں دے دیا جائے، مسکین کی اجازت سے اس کا قرض مد زکوٰۃ سے ادا کر دیا جائے یا مسکین کے لڑکے کو دینی و عصری تعلیم پڑھا کر تعلیم یافتہ بنا دیا جائے، ہر صورت میں تملیک پائی جاتی ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے، ان مذکورہ مدد لائل کی روشنی میں میری ذاتی رائے جواز کی ہے۔



رقوم زکوٰۃ کا استنثار اور مسئلہ تملیک

مولانا عطاء اللہ قاسمی ☆

مد زکوٰۃ میں اس بات کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم اس طور پر خرچ کی جائیں کہ زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک رکن ہے، تملیک کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رقوم زکوٰۃ پر زکوٰۃ دہندگان کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر طرح کا تعلق قطعی طور پر ختم ہو کر مستحقین زکوٰۃ کی نجی ملکیت ثابت ہو جائے، تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تصرف کر سکیں (بدائع الصنائع ۲۳۹)۔

صاحب بدائع تحریر فرماتے ہیں:

”وقد أمر الله تعالى الملاك بابتاء الزكوة لقوله عز وجل وآتوا الزكوة والابتاء هو التملیک“۔

(حق تعالیٰ نے ابتاء زکوٰۃ کا حکم دیا ہے فرمایا زکوٰۃ دو اور دینا مالک بنانا ہے)۔

اس لئے بغیر تملیک، زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، چنانچہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر رقوم زکوٰۃ مستحقین کی ملکیت میں دیئے بغیر مستحقین ہی پر خرچ کر دی گئیں تب بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

”إذا اشترى بالزكوة طعاماً فأطعم الفقراء عداً وعشاءً ولم يدفع عين

الطعام إليهم لا يجوز لعدم التملیک“ (۳۹۲)۔

(رقوم زکوٰۃ سے غلہ خرید کر فقراء کو دینے کے بجائے صبح وشام کھلا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا

نہیں ہوگی، کیونکہ کہ تملیک نہیں ہے)۔

☆ استاذ جامعہ امداد العلوم کوپال گنج، منو۔

فقہی جزئیات میں یہاں تک صراحت ہے کہ اگر بہت زکوٰۃ اپنا غلام آزاد کر دے یا رقوم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، وجہ یہ ہے کہ تملیک نہیں ہے۔ تملیک کے سلسلہ میں یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ رقوم زکوٰۃ پر فقراء و مستحقین کی انفرادی طور پر نجی ملکیت ثابت ہونی چاہئے، نہ کہ اجتماعی ملکیت۔

” والأصل أنه لا بد لأداء الزكاة من تملیک من هو مستحق لها“ (التسبیل الضروری ۱۳۱/۱۳۰)۔

(اصول یہ ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مستحق زکوٰۃ کا مالک بننا ضروری ہے)۔
 حاصل کلام یہ کہ: ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا ضروری ہے۔
 مستحق زکوٰۃ کی انفرادی اور نجی ملکیت ثابت ہونی چاہئے، ان چند تمہیدوں کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے:

۱- (الف) صورت مسؤلہ شرعی فقط نظر سے جائز نہیں، کیونکہ کارخانے اور فیکٹریاں کسی کی ملک نہیں ہوں گی۔

(ب) اموال زکوٰۃ کا استثماریا جائز ہے، کیونکہ اس سے رکن زکوٰۃ فوت ہو جائے گا۔
 (ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری (بمعنی رکن) ہے، اور زیر بحث مسئلہ میں یہ تملیک مفقود ہے۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور انہیں مالک نہ بنایا جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔
 ۳- اگر فقراء کو اموال زکوٰۃ سے تعمیر شدہ دکان اور مکانات کا مالک بنا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور ایسا کرنا جائز ہوگا، بشرطیکہ مکانات یا دکانوں کی مالیت مقدار نصاب کو نہ پہنچتی ہو۔
 ” وكره أبو حنیفة أن يعطى أحد من المساكین مقدار نصاب “ (بدایہ الحجہ ۲۸۶)۔

(امام ابوحنیفہ نے ایک مسکین کو بقدر نصاب زکوٰۃ دینا مکروہ قرار دیا ہے)۔

اموالِ زکوٰۃ کا استثمار

مولانا محمد صادق مبارک پوری ☆

۱- (الف) احقر کے خیال میں زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار درست نہیں ہے (مستفاد از فتاویٰ رحمیہ ۸/۲)۔
(ب) اموالِ زکوٰۃ کا استثمار متعدد وجوہ سے جائز نہیں ہے۔

۱- استثمار کی صورت میں نفع کا ہونا کوئی یقینی نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ نقصان ہو جائے
رقمِ اصلِ زکوٰۃ سے کم ہو جائے تو پوری زکوٰۃ مستحق تک نہیں پہنچے گی۔

۲- احقر کے علم و مطالعہ میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؓ اور فقہائے
مستفدینؓ کے دور میں زکوٰۃ کے استثمار کا تصور نہیں تھا۔ اگر یہ طریقہ درست ہوتا تو ضروری اس کو
اپنایا جاتا۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے
لئے دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔
”در مختار“ میں ہے:

”فلو أسكن فقير اِداره سنة ناويا للزكوٰة لا يجزيه“ (۳/۲ كذاني طحاوی علی

المرآۃ ۳۸۹)۔

۳- زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء وغیرہ کو ان کا مالک بنانے سے

☆ استاذ جامعہ احیاء العلوم مبارکپور، اعظم گڑھ

زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۰۰)۔
لیکن ایسا کرنا اچھا نہیں ہے، کیونکہ معلوم نہیں ہے کہ فقیر کو اس وقت کس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔



زکوٰۃ کے نئے مسائل

مولانا محمد یعقوب قاسمی ☆

۱- الف- سوال میں مذکورہ صورت شرعاً درست نہیں، اس لئے کہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے، حالانکہ ادائیگی زکوٰۃ کے واسطے تملیک شرط ہے۔

(ب) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے اور زیر بحث مسئلہ میں تملیک مفقود ہے اور اموال زکوٰۃ کا استیثار کسی بھی حالت میں شرعاً جائز نہیں۔

(ج) زکوٰۃ اور تمام صدقات واجبہ میں تملیک شرط ہے، یعنی کسی مستحق کی ملکیت میں دے دینا، نیز اباحت، یعنی مالک بنانے کے بجائے صرف استعمال کرنے کی اجازت دینا کافی نہیں، لہذا مکان یا دوکان بنا کر فقراء کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے، اس کے بغیر زکوٰۃ شرعاً ادا نہ ہوگی، چنانچہ ”بحر الرائق“ میں ہے:

”ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مال کا کسی فقیر مسلم کو مالک بنا دینا اور وہ فقیر ہاشمی یا زکوٰۃ دینے والے کا آقا نہ ہو اور مالک بنانے والے کی منفعت اس زکوٰۃ کے مال سے بالکل ختم ہو، اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے اور زکوٰۃ ادا کرو، اور زکوٰۃ کا دینا وہ مالک بنانا ہے، اور اس کی مراد یہ ہے کہ اپنے مال کے ایک حصہ کا مالک بنانا ہے، اور اس سے مراد مال کا چالیسواں حصہ ہے، یا وہ جزء ہے جو کہ چالیسواں حصہ کے قائم مقام ہو“ (کنز الدقائق مع بحر الرائق ۲۰۱۲)۔

۳- زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء و مساکین کو رہائش کے

لئے یا تجارت کے لئے دے دی جائے اور انہیں اس کا مالک نہ بنایا جائے تو زکوٰۃ شرعاً ادا نہ ہوگی۔

زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء و مساکین کی ملکیت میں دے دی جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اس صورت میں مکان کی ملکیت کا اعتبار ہوگا، نہ کہ اس کی تعمیر پر صرف شدہ رقم کا۔

☆☆☆

اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری

مولانا نعیم اختر قاسمی ☆

اسلام نے جہاں ایک طرف اس محتاج طبقہ کی ضروریات، انسانی ہمدردی کی بناء پر پوری کرنے کا واسطہ دیا ہے وہیں ان کو فقر و فاقہ کے دلدل سے نکالنے اور معاشی تحفظ فراہم کرنے کے لئے ان کے لئے ایک محفوظ فنڈ قائم کر کے اسے مستقل عبادت کا درجہ بھی دیا ہے، اس عبادت کے بجالانے پر دینی و اخروی کامیابی اور کوتاہی کی صورت میں دارین کی ناکامی اور سزا و عقاب سے ڈرایا ہے۔

مال و دولت کی یہ قدرتی تقسیم ایسی ہے کہ اگر مال دار لوگ اپنے مال کی باضابطہ زکوٰۃ نکال کر مصرف میں اسے صحیح طور پر خرچ کریں تو پچھڑے طبقہ کا کوئی فرد شاید اس سے محروم نہ رہے، جیسا کہ اس کے متعلق حدیث شاہد ہے:

”إن الله فرض على الأغنياء في أموالهم بقدر ما يكفي فقراء هم، وإن جاعوا وعروا وجهدوا فممنع الأغنياء وحق على الله أن يحاسبهم يوم القيامة ويعذبهم عليه“ (کنز العمال ۳۰۳-۳۰۴)

۱- (اللہ نے اہل دولت پر جو زکوٰۃ فرض کی ہے وہ اتنی مقدار ہے کہ فقراء کے لئے کافی ہو جائے اگر یہ بھوکے، بے لباس اور پریشان رہیں تو یہ اغنیاء کے فریضہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ

☆ استاذ مدرسہ اعداد العلوم کوپانج، ضلع سوا (یو پی)۔

ہے ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ قیامت کے دن ان کا محاسبہ کریں اور ان کو اس پر عذاب دیں۔

اور دنیا نے خلافت راشدہ کا وہ زریں عہد بھی دیکھا ہے کہ ایک شخص زکوٰۃ کی رقم لے کر مستحق کو تلاش کرتا پھرتا، مگر وہ ناکام ہو کر واپس آتا۔

خلافت اسلامی کے زوال کے بعد نہ بیت المال رہا اور نہ زکوٰۃ کا اجتماعی نظام، ہندوستان جہاں ایک اندازہ کے مطابق ہر سال تقریباً پانچ سو کروڑ روپے کی زکوٰۃ نکالی جاتی ہے، لیکن اس کے اجتماعی نظام کے فقدان اور اس کی بے ضابطہ تقسیم کی وجہ سے اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا ہے، آج بھی غریب طبقہ اپنی حالت پر برقرار ہے۔

ایسی صورت میں مسئلہ مال زکوٰۃ کے استثمار کا نہیں جس کی بناء پر ہم اپنی قوم سے غربت و افلاس کو دور کر سکیں، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ

اولاً: زکوٰۃ کی حقیقت، اس کے دینے کے اجر و ثواب اور نہ دینے کی سزا و عقاب کو لوگوں کے ذہنوں میں جاگزیں کر کے زکوٰۃ ادا کرنے کا پورے ملک اور پورے معاشرہ میں ماحول پیدا کیا جائے، تاکہ جو لوگ سرے سے زکوٰۃ ہی نہیں نکالتے یا اگر نکالتے ہیں تو صرف اندازہ کر کے ادا کر دیتے ہیں وہ باضابطہ طور پر زکوٰۃ نکالیں۔

ثانیاً: زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے قیام کی جانب پیش قدمی کی جائے تاکہ سارے مستحقین کی رعایت کے ساتھ مال زکوٰۃ کی تقسیم عمل میں آسکے، امید کہ ان شاء اللہ اس سے زکوٰۃ کی برکات کھلی آنکھوں نظر آنے لگیں۔

مال زکوٰۃ کے استثمار کا مقصد، خواہ بظاہر کتنا ہی خوشنما اور دلکش کیوں نہ ہو بہت سی قباحتوں کو ہے۔

(۱) اس کے اندر مال زکوٰۃ کی تملیک نہیں ہو پاتی، جبکہ فقہاء زکوٰۃ کی ادا کیلئے تملیک کو لازمی شرط قرار دیتے ہیں۔

(۲) ایسے کارخانوں اور فیکٹریوں میں نفع ہونے کی ضمانت اور گارنٹی نہیں دی جاسکتی، نقصان ہونے کی صورت میں مستحقین کی حق تلفی ہوگی۔

(۳) سابقہ زمانہ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کے لئے تملیک ضروری ہے، اس کی رو سے ہر وہ صورت درست ہوگی جس میں تملیک پائی جائے اور وہ صورت درست نہ ہوگی جس میں تملیک نہ پائی جائے۔

جیسے پلوں، نہروں کی تعمیر اور راستوں کی اصلاح کے لئے خرچ کرنا، زکوٰۃ کا مقصود فقراء کی ضروریات کی تکمیل ہے، لہذا اس کی حالت پر نظر کرتے ہوئے جو اس کے حق میں زیادہ مفید ہو وہ دینا بہتر ہے، خواہ نقد مال ادا کرے یا اس سے دوکان یا مکان خرید کر اس کی ملکیت میں دے۔



استثمار باموال زکوٰۃ کا شرعی جواز

مولانا شوکت صبا

اسلام میں ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنا اور ان کی ہر ممکن امداد کرنا نہایت ہی اچھی بات ہے، بلکہ انسانیت کے ناطے لازم و ضروری ہے، فقیروں اور بے روزگار غریبوں کے لئے روزگار فراہم کرنا اور اس کے لئے مختلف قسم کی اسکیموں کا قیام نہایت ہی ضرورت اور وقت کا اہم تقاضہ ہے، خصوصاً ان ممالک میں جہاں مسلمانوں کی مالی حالت کافی خستہ اور معیشت تباہ و برباد ہو چکی ہے اور اسلام و مسلمان کے دشمن مسلمانوں کی مفلوک الحالی، معاشی پسماندگی اور اقتصادی بد حالی سے فائدہ اٹھا کر ان غریب اور بھولے بھالے مسلمانوں کے ایمان اور عقیدے پر ڈاکہ ڈالے رہے ہیں، ان حالات میں ان کو فقر و فاقہ اور اندیشہ ارتداد سے بچانے کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کرنا کہ جس سے یہ مقاصد بخوبی حاصل ہو سکیں بہتر اقدام ہے، لیکن اس کے لئے غیر شرعی طریقے اختیار کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں مل سکتی، چنانچہ اس مقصد کے لئے رقوم زکوٰۃ کا استثمار بایں طور کہ اس مقصد کے ماحصول کے لئے زکاۃ کی رقم سے فیکٹریاں وغیرہ قائم کی جائیں، اور اس کے منافع کو فقراء پر تقسیم کیا جائے اور ملازمت بھی انہیں کو دی جائے درست معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ کو اصناف ثمانیہ میں محدود کر دیا (سورہ توبہ: ۶۰)، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کے لئے تملیک، یعنی فقراء کو مالک بنانے کی شرط ضروری قرار دی گئی ہے، لہذا بلا تملیک کارخانے وغیرہ قائم کرنا درست نہیں ہوگا اگرچہ فقراء و مساکین ہی کے لئے کیوں نہ ہو، البتہ ان رقوم زکوٰۃ کا فقراء کو

مالک بنا دیا جائے اور پھر ان کی اجازت اور رضامندی سے فیکٹریاں وغیرہ قائم کی جائے اور اس کے لئے ایسا مستحکم نظام قائم کیا جائے کہ اس کا نفع مستمر ہو اور اس کے منافع اور اصل دونوں فقراء ہی کے لئے ہوں تو یہ شکل بلاشبہ جائز و درست ہوگی۔

دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ فقراء کی طرف سے بطور وکالت رقوم زکوٰۃ پر قبضہ کر کے کارخانے وغیرہ قائم کئے جائیں اور اس کی آمدنی ان فقراء اور مساکین پر حسب ضرورت خرچ کی جائے جس کی وجہ سے وہ حضرات فقر وفاقہ کے دلدل سے نکل جائیں اور خطرہ ارتداد بھی ان سے ٹل جائے اور شریعت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کی جو بنیادی شرط ہے اس کی بھی رعایت ہو جائے، یہ دونوں طریقے اس مقصد کے حصول کے لئے موثر ہو سکتے ہیں۔

لہذا مطلقاً اموال زکوٰۃ کا استثمار درست نہیں ہوگا، کیونکہ اگر مطلق اس کی اجازت دے دی جائے تو اس میں غت رپود ہوگا اور بجائے اس کے کہ یہ فقراء کے فقر وفاقہ اور حاجت مندوں کی حاجت روائی ہونے کا سبب بنے، مزید ان کے نقصانات کے باعث بن سکتے ہیں۔

دیانت کے اس فقدان اور مادی دور میں، جبکہ عام انسان دولت کے پیچھے بھاگ رہا ہے، اس بہانے کتنی فیکٹریاں اور کارخانوں کا قیام اور اموال زکوٰۃ میں دھاندھلیاں شروع ہو جائیں گی اور جو اصل مقصد ہے وہ فوت ہو جائے گا یا اس کے حصول میں کافی کمی آجائے گی، علاوہ ازیں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک جو بنیادی شرط ہے اموال زکوٰۃ سے کارخانے اور فیکٹریاں محض اس مقصد کے لئے کہ اس کے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کی جائے گی، قائم کرنے سے حاصل نہیں ہوگا۔

چنانچہ کتب حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کا شرط ہونا بالکل واضح ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین تحریر کرتے ہیں:

”قوله نحو مسجد) كبناء القنا طير والسقايات وإصلاح الطرقات

و كرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تملك فيه“ (رد المحتار ۲/۶۲)۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”و يشترط أن يكون الصرف تملكاً لا إباحة“ (حوالہ مذکور باب الصرف)۔

اور علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

”الزكوة لا تتأدى إلا بتمليك عين متقومة“ (البحر الرائق ۲/۲۵۱)۔

علامہ ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

”لا يجوز صرف الزكوة إلى غير من ذكر الله تعالى من بناء المسجد

والقناطر والسقايات وإصلاح الطرقات ————— وأشبه ذلك من القرب

التي لم يذكرها الله تعالى“ (المغنى مع الشرح الكبير ۲/۵۲۸)۔

اور علامہ نووی رقم فرماتے ہیں:

”ويجب صرف جميع الصدقات إلى ثمانية أصناف وهم الفقراء

والمساكين والعاملون عليها إلى الآخر“ (المجموع شرح المنهاج ۱/۱۷۳)۔

فقہاء کرام کی مذکورہ بالا عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے

تملیک بنیادی شرط ہے، لہذا تملیک پائی جائے گی جب ہی زکوٰۃ درست ہوگی، چنانچہ فقہاء نے

صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی نیت سے ایک فقیر کو سال بھر اپنے گھر میں سکونت اختیار

کرنے کی اجازت دیدے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا تعلق عین

مستقیم کی تملیک سے ہوتا ہے، نہ کہ اس کی منفعت سے اور یہاں پر فقیر نے عین سے نہیں، بلکہ اس

منافع سے فائدہ حاصل کیا، اور اسی کا مالک رہا ہے، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

اس لئے زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا

تجارت کے لئے دیدیا جائے اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مستقل مالک نہ بنایا جائے تو

تملیک نہ پائے جانے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

۳- فقراء اور مساکین کو مختلف اوقات میں مختلف قسم کی ضرورتیں درپیش ہوتی ہیں، اس لئے ان کو ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اسی کے مطابق ان کی ضرورت کی تکمیل نہایت ہی موزوں اور مناسب ہے، اب اگر فقیروں کو مکان و دوکان کی ضرورت ہو اور رقوم زکوٰۃ نقد دینے کے بجائے ان رقوم سے مکان و دوکان بنا دی جائے اور پھر ان کو مستقل طور پر اس کا مالک بنا دیا جائے تو یہ بہت ہی بہتر ہے، اور ایک غریب و محتاج کی اہم ضرورت کی تکمیل ہے جو یقیناً اس کے لئے بڑا مفید ہوگا اور وہ فقراء ایک بہت بڑی مشکل سے نجات پالیں گے، حاصل یہ ہے کہ حالات کو دیکھ کر فقراء کی مختلف طریقوں سے مدد کی جائے تو زیادہ بہتر اور موثر ہوگا۔



اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کا شرعی حکم

مولانا فلاح الدین قاسمی

مذکورہ صورت میں اگر زکوٰۃ کے رقوم کا استثمار جو فقراء یا ان کے ناسین کریں تو استثمار جائز و درست ہے، اور اس صورت میں تملیک کی شرط بھی پوری ہو جا رہی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم اولاً فقراء کو دی جائے پھر وہ لوگ خود یا اپنا نائب بنا کر کارخانے اور فیکٹریاں تعمیر کرنے پر صرف کریں اور اگر مزید خود مستثمر ہوں تو بھی صحیح ہے مگر زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہو گی، اس لئے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے جو صرف کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرنے سے پوری نہیں ہو گی، البتہ جب اس سے حاصل شدہ منافع کو فقراء کے مابین بیت زکوٰۃ تقسیم کریں گے تو بقدر تقسیم زکوٰۃ ادا ہوتی جائے گی، البتہ ادا زکوٰۃ میں تاخیر ہو گی، مگر بعض حنفیہ کے نزدیک اداء میں تاخیر کی گنجائش ہے، بلکہ علامہ کاسانی نے عام مشائخ کا یہی مذہب نقل کیا ہے، دوسرا سوال یہ ہے کہ، زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور انہیں مکانات، دکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے، اور تملیک منفعت کی بھی ہو سکتی ہے، جیسے اجارہ، اور تملیک عین کی بھی ہو سکتی ہے، جیسے بیع و شراء۔

فقہاء کی صراحت یہ ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے عین مقوم ہی کا مالک بنانا ضروری ہے، منفعت کی تملیک سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، لہذا اگر کوئی شخص بیت زکوٰۃ چند دنوں کے لئے کسی

فقیر کو مکان صرف رہنے کے لئے دے اور اس کا مالک نہ بنائے تو زکاۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ یہ تملیک منفعت ہے اور منفعت مقنوم نہیں ہوتی، جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے ”الکشف الکبیر“ کے حوالہ سے ”البحر الرائق“ میں تحریر فرمایا ہے:

”الزکاۃ لا تتأدی إلا بتملیک عین مقنوم حتی لو أسکن الفقیر داره سنة بینه الزکاۃ لا یجزئہ، لأن المنفعت لبست بعین مقنوم“ (البحر الرائق ۲/۳۵۳)۔
بلکہ ائمہ، ثلاثہ حضرت امام مالک، وشافعی، و احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک تو اسی عین سے زکاۃ نکالنا ضروری ہے جس میں زکاۃ واجب ہوئی ہے، قیمت ادا کرنا جائز ہی نہیں ہے، جیسا کہ ”المجموع“ میں ہے:

”وقد ذکرنا أن مدہبنا أنه لا یجوز إخراج القیمتفی شی من الزکوات، وبہ قال مالک أحمد“ (المجموع ۵/۳۲۵)۔

لہذا ان کے نزدیک تو بدرجہ اولی عین مقنوم کی ہی تملیک ضروری ہے، کیونکہ زکاۃ عین مقنوم پر ہی واجب ہوتی ہے اور عین مقنوم ہی کی تملیک اس لئے ضروری ہے کہ مالدار پر زکاۃ لازم کرنے کی ایک حکمت فقراء کی حاجت روائی بھی ہے اور اس حکمت کی تکمیل تب ہی ہو سکتی ہے، جبکہ بحسب امکان عین اموال کو امراء اور فقراء کے مابین مشترک رکھا جائے اور امراء کی طرح فقراء بھی مال اور عین کے مالک ہوں، تاکہ ان کی طرح یہ بھی ہر طرح کا تصرف کر سکیں اور اپنی تمام ضروریات پوری کر سکیں۔

اب آخری سوال یہ ہے کہ

فقراء میں زکاۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکاۃ کے مال سے مکانات یا دکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟۔
اس بارے میں عرض ہے کہ:

ماقبل میں یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ تملیک کے بغیر زکاۃ ادا نہیں ہوگی، نیز دوسرے کے

مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف جائز نہیں، لہذا اگر زکاۃ کی رقم سے خود مزکی مکانات یادگان میں تعمیر کر کے بنیت زکاۃ فقراء کی ملکیت میں دے دیتا ہے تو یہ جائز ہے، اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک خلاف جنس سے زکاۃ ادا کرنا جائز ہے، البتہ خلاف جنس کی صورت میں چونکہ قیمت کا اعتبار ہوتا ہے، اس لئے مکانات یادگانوں کی جتنی قیمت ہوگی اسی قدر زکاۃ ادا ہوگی، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

”وأجمع أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة — فإن

أدالقيمة وقعت عن القدر المستحق“ (شامی کتاب الزکوۃ)۔

کیونکہ اصل مال زکاۃ یہ مکانات اور دکانیں ہیں، نہ کہ وہ رقوم، جس سے یہ چیزیں تعمیر کرائی گئی ہیں، اور اگر مزکی نے زکاۃ کی رقم فقیر کو دینے کے لئے کسی کو دیا ہے تو فقیر کو دینے سے پہلے اس کے لئے مکانات یادگان میں تعمیر کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ دوسرے کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا ہے۔



استثمار با موال زکوٰۃ

حکیم علی الرحمن، دہلی

۱- (الف) زکوٰۃ کی رقم سے اس مقصد سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کرنا کہ ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے، شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟
جواب:

(الف) قطعاً نہیں، کیونکہ:

(ب) دلائل:

زکوٰۃ کی ادائیگی میں مستحق زکوٰۃ کا فوری ملکیت قبضہ اور حق تصرف ضروری ہے، جو اسے حاصل نہیں ہوگا۔ کارخانے، فیکٹریوں اور کاروبار میں نقصان کا بھی امکان ہے، اس طرح زکوٰۃ کی رقم ضائع ہو سکتی ہے۔

زکوٰۃ کی اصل رقم ہمیشہ کاروبار کے اصل سرمایہ کے طور پر کاروبار میں مشغول رہے گی اور ملازمین کو اجرت کاروبار کے منافع سے ادا ہوگی زکوٰۃ کی رقم سے نہیں، یوں بھی اجرت زکوٰۃ سے نہیں دی جاسکتی۔

کاروبار کا نظام و انصرام بالعموم صاحب نصاب لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا، کیونکہ انتظامی لحاظ سے وہی لوگ کاروبار کے اہل ہوتے ہیں، اس طرح اصل رقم زکوٰۃ صاحب نصاب لوگوں کے قبضہ اور تصرف میں ہی شمار ہوگی۔

یہ بھی ممکن نہیں ہے، صرف مستحقین زکوٰۃ ہی اس میں ملازم رکھے جائیں، کیونکہ بالعموم غرباء بہت سے کاروباری اور تکنیکی اہلیوں سے محروم ہوتے ہیں۔

☆ کاروبار کا منافع، سرمایہ، محنت، منتظمین کا حوصلہ اور آلات و عمارت کی مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس میں:

☆ سرمایہ کا حصہ علیحدہ نکالنا ہوتا ہے جس میں سے ٹیکسیز ادا کئے جاتے ہیں۔

☆ محنت کا حصہ ملازمین کی اجرت، تنخواہوں کے تناسب سے بونس، پراویڈنٹ، پینشن فنڈ، مستقبل کے لئے گرپوٹی فنڈ وغیرہ ہوتا ہے۔

آلات کے لئے حسب قواعد انکم ٹیکس Depreciation fund نکال کر محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔

ان سب کے بعد منافع بچنے گا وہ درج ذیل طریقہ پر تقسیم ہوگا۔

مستقبل کے کاروبار میں مزید سرمایہ کاری کی ضرورت کے لحاظ سے Capital

Reserve Fund

مستقبل کے امکانی نقصان سے بچنے کے لئے سرمایہ محفوظ، اب سوال ہوگا کہ باقی رقم کس طرح تقسیم کی جائے جو صرف زکوٰۃ ہی کی رقم کا نتیجہ نہیں۔

صرف مستحقین زکوٰۃ کو ادا نہیں کی جاسکتی، دوسرے ملازمین بھی دعوے دار ہوں گے۔

مستحقین کو اس لئے نہیں دی جاسکتی کہ یہ اصل زکوٰۃ کی رقم نہیں ہے۔

اس لئے زکوٰۃ کی رقم سے کوئی کاروبار کرنا جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نیز یہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کہ تملیک ضروری ہے، اور مندرجہ بالا صورت میں تملیک

کا شائبہ بھی نہیں ہے اس کی صرف ایک صورت ہے کہ:

آپ ایک کاروباری لمیٹڈ کمپنی قائم کریں، مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ ادا کر کے اس کمپنی

کے حصص خریدنے کی ترغیب دیں اور جو حضرات اپنی خوشی سے اس کے حصص خریدیں ان کو اس

کمپنی میں حسب تناسب حصص حق ملکیت حاصل ہو اور انتظامی امور میں بھی ان کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق ہو اور وہ اس کے منافع کے حسب تناسب حق دار ہوں، لیکن یہ ترغیب مستحقین اور غیر مستحقین دونوں کے لئے عام ہوگی۔

سوال (۲) زکوٰۃ کے مال سے اگر رہاشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور انہیں دکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب ہرگز نہیں، کیونکہ اس طریقہ میں تملیک اور خود مختارانہ اختیار تصرف اسے حاصل نہیں ہوا، اس لئے قبضہ کے باوجود تملیک شمار نہیں ہوگی، دلائل کے لئے تمہیدی حصہ ملاحظہ فرمائیں:

سوال (۳) فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے دوکانیں یا مکانات تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس کا کیا شرعی حکم ہے؟

اگر اس میں کوئی شرعی قباحت ہو تو اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب زکوٰۃ ادائیگی ہوگی، کیونکہ:

یہ اختیار مستحق زکوٰۃ کا تھا کہ زکوٰۃ کی رقم کو اپنی کس ضرورت پر خرچ کرتے، ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی ضرورت رہائش سے بھی مقدم ہو، مثلاً رہائش تو اس کی آج بھی کسی نہ کسی طرح کی موجود ہے، لیکن اسے فوری طور پر بیٹی کی شادی کرنی ہے یا گھر میں بچوں کے کھانے پینے کا سامان مہیا کرنا ہے وغیرہ جیسی ضرورتیں اس کے لئے رہائش سے زیادہ ضروری ہوں اور اگر اسے زکوٰۃ کی رقم پر قبضہ خود اختیارانہ تصرف حاصل ہوتا تو وہ ان حالات میں سے کسی پر خرچ کرنا ضروری سمجھتا بہر کیف اس طریقہ پر تملیک نہیں ہوئی۔

☆☆☆

اموالِ زکوٰۃ کا استثمار

☆ مولانا تنویر عالم، قاسمی

۱- (الف، ب، ج) زکوٰۃ کی رقم سے اس مقصد سے کارخانے فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا کہ ان سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے شرعاً صحیح اور درست نہیں، کیونکہ زیر بحث مسئلہ میں تملیک جو ادائیگی زکوٰۃ کے لئے رکن ہے، مفقود ہے، اموالِ زکوٰۃ سے استثمار کے ناجائز ہونے کے دلائل اور اسباب و وجوہ میں سے ایک دلیل اور وجہ فقدان تملیک کا پایا جانا ہے، باقی اور دلائل و اسباب کیا ہیں مجھے اس کا پتہ نہیں مل سکا۔

۲- زکوٰۃ کے مال سے اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے وقتی طور پر دے دیا جائے اور انہیں مکانات یا دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ یہاں پر صرف تملیک منفعت ہے، تملیک عین نہیں، جبکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک عین لازم و ضروری ہے۔

”شرعاً تملیک خرج الإباحة جزء مال، خرج المنفعة فلو أسکن فقیراً داره سنة ناویا للزکوٰۃ لا یجزئہ“ (درمختار ۲/۲-۳)۔

۳- فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے اگر ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے ان کی ملکیت میں دے دی جائیں تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس صورت میں کوئی شرعی قباحت نہیں، کیونکہ یہاں پر تملیک عین متحقق ہے۔

☆ استاذ شرف العلوم کنہواں، بیٹا مڑھی، بہار۔

ایک رائے: یہ امر واقعی ہے کہ قادیانی اور کرسچین مشنریاں روپے کی بارش کر کے غریب و بد حال مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ پر ڈاکے ڈال رہی ہیں، ہم سمجھوں گا ملی و اخلاقی فریضہ ہوگا کہ ایسے پرخطر اور سنگین حالات سے بچنے یا بچانے کے لئے مضبوط اور ٹھوس تدبیر اختیار کریں جس سے ہمارا ایمان و عقیدہ محفوظ اور سلامت رہ سکے۔

ضرورت ہے کہ ان مفلوک الحال اور مصیبت زدہ غریب مسلمان کی غربت کو ختم کرنے کی اجتماعی کوشش عمل میں لائی جائے اور ان کو اقتصادی اعتبار سے اوپر اٹھایا جائے، اس مقصد کے لئے اموالِ زکوٰۃ سے کارخانے وغیرہ کا قیام شراعتاً درست نہیں جس کی وجہ اوپر گزر چکی۔

ہاں البتہ میرے ذہن میں ایک صورت آرہی ہے کہ دیہات کے علاوہ ہر شہر میں اچھی خاصی جائیداد اور پراپرٹی اموالِ اوقاف کی موجود ہے وہ جائیداد کتنی ضائع ہو چکی اور کتنی ضائع ہونے کے دبانے پر ہے، متولیوں اور خاص طور پر حکومت کی بد نیتی کا شکار ہے خاص طور پر دہلی میں محکمہ آثار قدیمہ نے تو مسلمانوں کی ملی جائیداد کو برباد کر دیا، تاریخی مساجد کے تحت بڑے بڑے قطععات اراضی وقف ہیں جس کا حاصل کرنا اور اسے بار آور کرنا ہمارا ایمانی و دینی تقاضہ ہے اسی جائیداد سے فکٹریاں، کارخانے لگائے جائیں اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر روزگار فراہم کیا جائے اور اس کی آمدنی سے مسجد کی بھی حفاظت ہو اور بقیہ زائد آمدنی سے مفلس و غریب کی اقتصادی اصلاح بھی کیا جائے۔



اموال زکوٰۃ کا استثمار

مولانا مجیب الرحمن محمودی قاسمی

۱- زکوٰۃ کی رقوم کا استثمار درست ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں کتاب وسنت اور فقہاء کی بیان کردہ عبارت ”الایفاء هو التملیک“ سے واضح ہے کہ استثمار جائز نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں تملیک (جو کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے رکن اول کی حیثیت رکھتی ہے) نہیں ہو سکے گی، جب کہ تملیک کے ضروری ہونے پر قریب قریب ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، جیسا کہ مذاہب اربعہ کی کتابوں کے مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے، اور قیاس سے بھی اس کی کھلی تائید ہوتی ہے (الف) زکوٰۃ کی رقم چونکہ واجب التملیک ہے، اس لئے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنا شرعی نقطہ نظر سے نہ درست ہے اور نہ درست ہونا چاہئے، جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور تملیک کی بحثوں سے اندازہ ہوتا ہے

۲- زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات، یادگاہیں وغیرہ بنا کر فقراء و مساکین کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دینے کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا اصل رکن تملیک نہیں پائی جا رہی ہے، اس لئے اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (بدائع الصنائع ۲/۱۳۳)۔

مگر ضرورت و حاجت (جو کہ خود ایک حجت شرعی ہے) اور مصلحت کے پیش نظر اس کے جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں بندہ کی ناقص رائے یہ ہے کہ سوال میں مذکورہ دونوں مصارف پر اموال زکوٰۃ کو صرف کرنے کے لئے وہ حیلہ اختیار کیا جائے جسے علامہ حسکفی

نے بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ زکاۃ کی رقم فقراء پر صدقہ کر دیا جائے اور ان سے کہا جاوے کہ وہ خود ہی ان کاموں (مثلاً فیکٹری مکانات وغیرہ) میں صرف کر دیں تو یہ بہتر ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں ہے چنانچہ وہ اپنی ماہیہ ناز تصنیف ”در مختار“ میں لکھتے ہیں: ”الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء“ یا چند فقراء سے یہ کہہ دیا جائے کہ تم لوگ اتنی رقم کسی سے قرض لاؤ تم لوگوں کا قرض ادا کر دیا جائے گا اور پھر انہیں زکاۃ کی رقموں کا مالک بنا دیا جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ جاؤ قرض خواہ کے قرض ادا کر دو، یا پھر ان فقراء کی اجازت سے خود ہی ادا کر دیں تو اس طرح سے فیکٹری وغیرہ بنائی جاسکتی ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہ ہوگی اور اس سے فائدہ بھی زیادہ ہوگا، لہذا مستحقین زکاۃ کو چاہئے کہ وہ مذکورہ حیلوں پر عمل کریں تاکہ زکاۃ دہندگان کی زکاۃ بھی ادا ہو جائے اور انکی معاشی حالت بھی درست ہو جائے۔

۳۔ جیسا کہ سابقہ تحریر سے معلوم ہوا کہ فقراء کو اموال زکاۃ کا مالک بنانا ضروری ہے، اب خواہ عین رقم کا مالک بنایا جائے، یا اس رقم سے کوئی چیز خرید کر یا کوئی عمارت بنا کر ان کے حوالے کیا جائے۔

”لو عال یتیمان فجعل یکسوه و یطعمه و جعله من زکاۃ مالہ، فالکسوة تجوز لوجود رکنه وهو التملیک“ (المحررات ۲/۳۵۳)۔

البتہ اگر کوئی شخص زکاۃ دہندگان سے رقم وصول کرتا ہے تاکہ فقراء کے حوالے کرے اور وہ شخص ان رقموں کو عمارت یا دیگر اشیاء کی شکل میں فقراء کے حوالے کرتا ہے تو اسکا یہ وصول کرنا اور تصرف کرنا درست نہیں ہوگا، الا یہ کہ فقراء ان کو اپنا وکیل بنا دیں یا کوئی قریب ہو جس سے یہ رہنمائی ملتی ہو کہ فقراء نے وکیل بنا دیا ہے۔

”ولا یجوز قبض الا جنبی للفقراء البالغ الا بتوکیلہ، لأنه لا ولاية له علیہ فلا بد من آمره“ (بدائع الصنائع ۱/۱۳۳)۔

اس تفصیل کے بعد سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ زکاۃ دہندگان ہی اگر زکاۃ کی رقوم سے مکانات بنا کر فقراء کے حوالہ کر دیں تو یہ درست ہے) اور شرعا اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی کمیٹی ہو جو زکاۃ وصول کرتی ہو اسے اگر فقراء کی طرف سے تصرف کا اختیار ہو تو اس کمیٹی کا مکان و عمارت وغیرہ بنا کر فقراء کے حوالے کرنے سے بھی زکاۃ ادا ہو جائے گی اور اس میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں ہے۔



اموال زکوٰۃ کے مصارف اور سرمایہ کاری

مولانا محمد مظہر الدین شمیری

(الف) دور حاضر میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی کے خاتمہ کے لئے کچھ افراد اور جماعتوں کا یہ نقطہ نظر کہ زکوٰۃ کی رقم حاجت مندوں پر تھوڑی تھوڑی مقدار میں تقسیم کرنے کے بجائے ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ اس رقم سے کوئی کارخانہ یا فیکٹری قائم کر دی جائے، یا اسے کسی نفع آور کاروبار میں لگا دیا جائے، اور اس سے حاصل ہونے والے منافع کو مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم کیا جائے، اور ان کارخانوں میں فقراء کو ملازمت دے کر ان کے لئے روزگار فراہم کر دیا جائے، شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے، کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ مال زکوٰۃ مالک کی ملکیت سے نکل کر مستحقین زکوٰۃ کی ملکیت میں چلا جائے، خواہ وکالہ فقراء کا قبضہ ہو، چنانچہ علامہ کا سانی فرماتے ہیں۔

”هو ركن الزکوٰۃ هو إخراج جزء من النصاب إلى الله و تسليم ذلك إليه يقطع المالك يده عنه بتمليك من الفقير و تسليمه إليه“ (بدائع ۲/۱۳۲، فتح القدير ۲/۲۰۸)۔

نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”آتو الزکوٰۃ“ کے متعلق علامہ کا سانی فرماتے ہیں:

”الایثناء هو التسلیک“ (بدائع ۲/۱۳۲)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

”و يشترط أن يكون الصرف (تملیکاً)“ (رد المحتار ۳/۲۹۱)۔

مذکورہ صورت میں زکوٰۃ کے مال سے کارخانہ یا فیکٹریاں وغیرہ کا قیام اس اعتبار سے درست نہیں کہ مستحقین زکوٰۃ اس کے مالک نہیں ہوئے بلکہ انہیں صرف اس کا منافع دیا جاتا ہے، اسی وجہ سے جب ملکیت نہیں پائی گئی تو زکوٰۃ ہی ادا نہ ہوئی اور مستحقین زکوٰۃ کو بغیر ملکیت کے صرف منافع حاصل ہو تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں: ”فخرج به تملیک المنافع“ (رد المحتار ۱۴۲/۳)۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے صرف مالک کی ملکیت سے نکلنا کافی نہیں ہے، بلکہ مستحقین زکوٰۃ کی ملکیت میں پہنچنا بھی ضروری ہے، اسی لئے زکوٰۃ کے مال سے مساجد کی تعمیر، اور مسافر خانہ، آب خانہ، پل کی تعمیر وغیرہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع ۱۳۲/۲، بحر ۴۲۳/۲، ہندیہ ۱۷۰/۱، الدر مع الرد ۲۹/۳)۔

لیکن زکوٰۃ کے رقوم سے کارخانہ یا فیکٹری قائم کی جائے اور مختلف مستحقین زکوٰۃ کی طرف اس کی ملکیت منتقل کر دی جائے، مثلاً چھوٹی صنعتیں قائم کر کے حسب ضرورت پانچ یا چھ مستحقین زکوٰۃ کو اس کا مالک بنا دیا جائے تو ایسی صورت میں یہاں تملیک پائے جانے کی وجہ سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور مستحقین زکوٰۃ کی معاشی پسماندگی کا تدارک بھی ہوگا، اور ان کے لئے مستقل ذرائع آمدنی بھی وجود میں آئیں گے۔

(ب) اموال زکوٰۃ کے استثمار کے ناجائز ہونے کی دلیل، جیسا کہ مذکور ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”اتوا الزکوٰۃ“ ہے زکوٰۃ دے دی جائے، یعنی مستحقین کو اصل مال کا مالک بنانا ضروری ہے، صرف منافع کی ملکیت منتقل کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، چنانچہ شامی فرماتے ہیں: ”قوله (فلوأسکن عزاء فی البحر إلی الکشف الکبیر وقال قبله: والمال کما صرح به أهل الأصول ما يتمول وید خیر للحاجة وهو خاص بالأعیان فخرج به تملیک المنافع“ (رد المحتار ۱۴۲/۳)۔

(ج) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک (مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا) ضروری ہے

، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے مساجد، مسافر خانہ، پل وغیرہ کی تعمیر کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کافی قرار نہیں دیا ہے، کیونکہ ان صورتوں میں تملیک نہیں پائی جاتی۔

”و يشترط أن يكون الصرف (تمليکاً) لا إباحة كما مر (لا) يصرف إلى بناء نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت و قضاء دينه)“ (رد المحتار ۲۹۱/۳)۔

اسی طرح کوئی شخص مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی نیت سے کھانا کھلائے تو کافی نہ ہوگا، یعنی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، بشرطیکہ وہ کھانا یا کھانے کی دوسری چیز بطور ملکیت اس مسکین کو دے دی جائے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی، ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، تملیک ادائیگی زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے (دیکھئے: شامی ۱۷۲/۳)۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی مسکین کو ایک سال تک گھر میں بغیر کرایہ کے زکوٰۃ کی نیت سے رکھا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ اس میں تملیک نہیں پائی جا رہی ہے، بلکہ صرف اسے منفعت کا مالک بنایا گیا ہے (شامی ۱۷۲/۳)، ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک بہر صورت ضروری ہے۔

لہذا اس مسئلہ میں چونکہ تملیک نہیں پائی جا رہی ہے، اس لئے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر تملیک کی شرط پوری کر دی جائے تو ظاہر ہے کہ تملیک پائے جانے کی وجہ سے یہ صورت درست ہوگی۔

۲۔ زکوٰۃ کے مال سے رہائشی مکانات و دکانات تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دیا جائے اور ملکیت انہیں نہ دی جائے تب بھی ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۳۔ فقراء میں زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے بجائے ان کے لئے زکوٰۃ کے مال سے دکان یا مکان تعمیر کر کے ان کے حوالے کر دی جائیں اور اس کی ملکیت بھی انہیں کے سپرد کر دی جائیں تو جائز ہے، کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری ہے اور اس میں تملیک کی شرط پائی جا رہی ہے، جیسا کہ کسی فقیر و مسکین کو زکوٰۃ کی نیت سے کھانا اس کے حوالے کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے (الدرع الرد ۱۷۱/۳) نیز حضرت مفتی رشید صاحب (احسن الفتاویٰ ۳۰۰/۳) رقم طراز ہیں: کہ کسی بھی فقیر و مسکین کو گھریا مکان بنا کر مالک بنا دینا بلا کراہت جائز ہے۔

زکوٰۃ کے نئے مسائل

سید شفیع مشہدی

میں سمجھتا ہوں کہ زکوٰۃ کے است شمار کی اجازت ہونی چاہئے۔ اس رقم سے کارخانے قائم کر کے لوگوں، فقیروں کو روزگار مہیا کرنا اور اس کے نفع میں انہیں حصہ دار بنانا، بے حد مفید ہوگا، ایک طرف یہ معاشی مسئلہ کو بھی حل کرے گا اور دوسری جانب ان سے مستفیض ہونے والے افراد کو عزت نفس بھی عطا کرے گا۔ خلافت راشدہ میں زکوٰۃ کی رقم بیت المال میں لی جاتی تھی اور اسے فلاحی کاموں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ آج کے دور کا تقاضا ہے کہ ایسے اقدامات کئے جائیں، تاکہ مسلمانوں کی معاشی بد حالی کا مداوا ہو سکے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کی تسلیک یا فقراء کو رہائشی مکانا ت و دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے، جیسے سوالات کی موٹوگافیاں توفیقہ کے ماہرین بھی کر سکتے ہیں، ایک عام مسلمان کی حیثیت سے میں یہ سوچتا ہوں کہ زکوٰۃ کا نظام اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ غرباء اور کمزور افراد کی کفالت ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جو اقدامات کئے جائیں اور جن کا مقصد نیک ہو وہ جائز ہونے چاہئیں تو اس سلسلے میں اگر اجتہاد کی ضرورت ہو تو پس و پیش نہیں ہونا چاہئے، یہ معاملہ وقت کی ہمہ ترین ضرورت ہے، اور اس پر جتنی جلد فیصلہ کیا جائے احسن

ہے۔

☆☆☆

زکوٰۃ سے متعلق نئے مسائل

عمر افضل امریکہ

۱۹۷۸-۷۹ میں زکوٰۃ کے مسائل پر ایک عالمی کانفرنس آرگنائز کرنے اور اس کے لئے ایک موضوع پر مضمون لکھتے وقت اندازہ ہوا کہ علماء امت نے متعلقہ مسائل پر نہ تو غور کیا ہے اور نہ ہی ان کے مجوزہ حل بہت صحیح ہیں، یہاں میں ان مسائل کو نہیں چھیڑنا چاہتا، صرف چند باتیں مختصر عرض ہیں:

(۱) علماء متقدمین نے اموال زکوٰۃ کی تملیک اور دوران سال ہی تقسیم وغیرہ کے فقہی اصول اس مقصد کے پیش نظر بنائے تھے کہ اموال زکوٰۃ میں تصرف کو انسانی شخص اور بد عنوانیوں سے بچایا جاسکے، بیسویں صدی کے نصف اول تک اموال زکوٰۃ میں عموماً نقد میں اجناس، پھل اور جانور ہوتے تھے، سکوں کا رواج نقل کی حیثیت سے تھا، نہ کہ کرنسی کی طرح، کرنسی اور نوٹ کا تصور دونوں بہت جدید الاصل ہیں اور مسلسل تبدیل ہو رہے ہیں۔

(ب) اموال زکوٰۃ کی تقسیم عہد عثمانی سے ایک انفرادی عمل بن گیا تھا، اسلامی حکومت کے بیت المال میں سارے اموال زکوٰۃ کو جمع کرنے اور مرکزی سرکاری سطح سے تقسیم کرنے کا عمل رک گیا تھا، ریاستی سطح پر کسی مرکزی ادارے کا تصور اب بھی شاذ ہے، پاکستان میں اس کا تجربہ کیا جا رہا ہے اور اس کی ناکامی واضح ہے، عوام کو سرکاری اداروں پر اعتماد نہیں، ناکارہ بد عنوان اہل کار اور صندوق الاموال نے جمع تقسیم کا کام اپنے ذمے لے لیا ہے، مگر ان کی بھی حیثیت نجی مشترکہ اداروں کی طرح ہے، اموال زکوٰۃ کی جمع و تقسیم اسلامی معاشرہ کی اجتماعی

ذمہ داری ہے۔

(ج) اقتصادی حالات میں تبدیلیوں اور منافع بخش غیر تجارتی رضا کارانہ اداروں کے ذریعہ ناداروں اور ضرورت مندوں کے اصلاح حال میں پیش رفت نے سوچنے کا انداز بدل دیا ہے، ان کی کارکردگی کو پیش نظر رکھ کر اسلامی استحسان کا اصول اپنایا جاسکتا ہے، وغیرہ ان حالات میں اموال زکوٰۃ کے بارے میں بھی نئے سرے سے غور و خوض کی ضرورت ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں اموال زکوٰۃ کے بنیادی مستحق سائل اور محروم ہیں، اگرچہ دوسری چھ اور بھی مدت میں زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

تملیک کی بہت سی نئی شکلیں ہیں، مگر وہ اتنی درد رفقہ نہیں ہونی چاہئیں کہ ملکیت کا جزء ایمان بھی ختم ہو جائے، نصاب سے زیادہ کی ملکیت کا جواز بھی زیر غور آنا چاہئے، مختصراً میرے جوابات درج ذیل ہیں:

۱- زکوٰۃ کا استثمار درست ہے، مگر اقتصادی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مالیاتی ماہرین یہ مشورہ دے سکتے ہیں کہ جمع شدہ اموال کا کتنا حصہ تقسیم کے لئے مختص رہے اور کتنا برنسز میں لگایا جائے، استثمار ملکی خزانے میں اضافے کے لئے نہیں، بلکہ مستحق زکوٰۃ کے فائدے کے لئے ہوگا، استثمار کی جائز صورتوں کا فیصلہ بھی اقتصادی ماہرین پر چھوڑ دیا جائے گا۔

تملیک کی شرط پورا کرنے کے لئے حیل کا استعمال عرصے سے فقہ اسلامی کا جزء رہا ہے، اگر استثمار سے بالواسطہ فائدہ بھی مستحقین کو پہنچ رہا ہے تو اس کے عدم جواز کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، مثلاً عطلین کی تحوا ہیں اضافہ میں سے دی جائیں وغیرہ۔

۲- رہائشی مکانات کا رخانے اور دکانوں وغیرہ کی تعمیر کے لئے اموال زکوٰۃ کا استعمال محل نظر ہے، کسی کی کتنی ملکیت ہے اور اس کی تقسیم ملکیت کا انتقال اور ایسے کتنے سوال جواب طلب ہیں جو اب بہت سیدھا سادا ہے اور نہ آسان، اسلامی معاشرے (ریاست) کو اس کے

جز کی قوانین منضبط کرنے ہوں گے، منافع بخش غیر تجارتی رضا کارانہ تنظیموں نے ضرورت مندوں کے مسائل حل کرنے میں خاصی پیش رفت کی ہے، ان سارے تجربات سے فائدہ اٹھا کر استثمارِ اموالِ زکوٰۃ کے لئے بھی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ :

اموال زکوٰۃ سے سرمایہ کاری

وحید صاحب :

اموال زکوٰۃ کے استثمار کے بارے میں جو گفتگو ہو رہی ہے، مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس پر غور کیا جائے کہ زکوٰۃ کا مال کونسا ہے، کیا زکوٰۃ ادا کرنے والے زکوٰۃ کی نیت سے مال کا ایک حصہ الگ کر لیتے ہیں، اس کو ہم زکوٰۃ کہہ سکتے ہیں، اگر ہم اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں تو کیا زکوٰۃ حاصل کرنے والے کی تعدی اور کوتاہی کے بغیر اگر وہ مال ضائع ہو جائے تو کیا زکوٰۃ ان سے ساقط ہو جائے گی، اسی طرح کے فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں جو لکھا ہوا ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے، یا زکوٰۃ کے مال سے میت کو کفن دینا جائز نہیں ہے یا میت کے قرض کو ادا کرنا صحیح نہیں ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے اگر ان کا کفن دے دیا گیا تو کیا وہ دینے والا گنہگار ہوگا، یا یہ مطلب ہے کہ اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اگر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ظاہر بات ہے کہ جو میت کے کفن میں مال دیا گیا ہے وہ زکوٰۃ نہیں ہے تو اس طرح اگر زکوٰۃ ادا کرنے والے اپنے مال کا کچھ حصہ یہ کہہ کر کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اس سے فیکٹری قائم کر لیتے ہیں، تو کیا ہم یہ کہیں گے کہ وہ کارخانہ زکوٰۃ کے مال کا بنایا ہوا ہے، یا جب تک وہ فقیر کے حوالہ نہیں کرتے ہیں اس وقت تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کارخانہ زکوٰۃ کے مال کا بنایا ہوا ہے، یا جب تک وہ فقیر کے حوالہ نہیں کرتے ہیں اس وقت تک اس کو ہم زکوٰۃ نہیں کہیں گے یا کیا اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی نیت سے اپنے مال کا کچھ حصہ الگ کر لیا ہے اور اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنی ذات میں اس پیسہ کو خرچ

کر لے یا اپنی بیوی، بال بچوں کی ذات میں خرچ کر لے تو کیا اس کو گنہگار کہا جائے گا یا ہم کہیں گے کہ اس کی زکوٰۃ ابھی ادا نہیں ہوئی، اس وقت زکوٰۃ کی ادائیگی سے وہ بری ہوگا جب وہ فقیر کے حوالہ کر دے، اس لئے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی طرف سے اپنے زکوٰۃ کے مال سے کارخانہ قائم کرنے کا کوئی تصور ابھی فی الحال میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، اس لئے کہ جس مال کے وہ کارخانہ قائم کریں گے اس کو زکوٰۃ کا مال کہنا یہ خود قابل غور ہے اس پر غور کر لیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرض مسئلہ میں آگے ایک تجویز پیش کی گئی ہے کہ اگر کارخانہ قائم کیا جائے اور شیئرز کا مالک فقراء کو بنا دیا جائے اس میں ایک سوال یہ ہے کہ اگر یہ فقراء کو شیئرز کا مالک بنانے کے لئے، ان کو سرٹیفکٹ دے دیں تو صرف اس سے ان کی ملکیت ثابت ہو جائے گی؟، اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ اگر فقیر کو صرف بینک کا چیک دے دیا جائے تو جب تک وہ بینک سے رقم نہیں برآمد کر لے تو اس رقم کا وہ مالک ہو جائے گا اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

اسی طرح اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ (ب) میں بھی ایک تجویز دی گئی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی ذمہ دار شخص کو یا ذمہ دار ادارے کو یا کمرے کی دی جائے اور وہ اس سے فیلٹری قائم کریں، پھر اس کی آمدنی سے زکوٰۃ کی رقم کسی ذمہ دار شخص کو یا ذمہ دار ادارے کو یا کمرے کو دی جائے اور وہ اس سے فیلٹری قائم کریں، پھر اس کی آمدنی سے زکوٰۃ کی مد میں خرچ کریں تو اگر ہم اس بات پر غور کر لیں کہ جو رقم کارخانہ قائم کرنے میں لگائی گئی ہے، وہ تو اصل زکوٰۃ کی رقم ہی نہیں ہے، جب تک کہ پھر اس کی آمدنی سے زکوٰۃ کی نیت سے ہم رقم غرباء اور مساکین کو نہیں دیدیں گے، اس وقت تک زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی تو پھر اس صورت کو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ کسی کمپنی یا ذمہ دار شخصیتوں کو دیا جائے پھر وہ زکوٰۃ ادا کریں، بلکہ زکوٰۃ ادا کرنے والے خود اپنی رقم سے جب کارخانہ قائم کریں گے، تو جب تک کہ اس کی آمدنی کے رقم ادا نہیں کر دیتے ہیں غرباء کو، فقراء کو اس وقت تک وہ زکوٰۃ کی ذمہ داری سے فارغ نہیں ہوں گے وہ خود بھی

ادا کر سکتے ہیں، تو انہوں نے جو کارخانہ قائم کیا ہے وہ کارخانہ زکوٰۃ کی رقم کا یا ان کی ذاتی رقم کا ہے البتہ اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں جو تاخیر ہو سکتی ہے اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں، البتہ اگر بیت المال کا نظام قائم ہو اور بیت المال کو موسمی زکوٰۃ کی رقم دے دیا جائے تو فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے برئی الذمہ ہو جائیں گے ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی تو البتہ وہ رقم جو بیت المال میں ہے اس کو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم ہے اور اس کے بارے میں یہ غور کیا جاسکتا ہے کہ اس رقم سے کوئی کارخانہ قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

جیسا کہ مولانا نے عرض میں پیش کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے کے اب تک اس کی کوئی نظیر نہیں کی زکوٰۃ کی جمع شدہ رقم اس کے مصارف کے علاوہ کوئی دوسری جگہ میں خرچ کیا جائے قرآن نے خود اس کا مصرف بیان کر دیا ہے، اس لئے استثمار اس مصرف میں داخل نہیں ہے، اس لئے بیت المال کے لئے اور حکام کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ زکوٰۃ کی رقم کو استثمار کے لئے استعمال کریں، یہ بات مجھے کہنی تھی اس پر غور کر لیا جائے۔

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی:

زکوٰۃ کے استثمار سے متعلق عرض مسئلہ میں اس بات پر بہت شدت سے زور دیا گیا ہے کہ استثمار کے سلسلہ میں تملیک کی شرط کا ہونا یا نہ ہونا اور اس پر رائے ظاہر کی گئی ہے، تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جتنے بھی استثمار کے قائل لوگ ہیں ان کا بھی یہ کہنا ہے کہ یہ کام انفرادی یا زکوٰۃ ادا کرنے والے پر نہ چھوڑا جائے، بلکہ جو مسلمانوں کے ارباب حل و عقد ہوں یا ان کا کوئی ادارہ ہو ان کے سپرد کریں جو پورے طور پر اس پر غور کر کے اس کا فیصلہ کریں وہ اس کا بھی قائل نہیں ہے کہ فقراء اور مساکین کی فوری ضرورتوں کو نظر انداز کر کے استثمار کیا جائے، ظاہر ہے کہ فقراء اور مساکین کے علاوہ چھ اور بھی مستحقین زکوٰۃ ہیں، اگر برابر حصوں میں بانٹا جائے تو صرف ایک

۳ حصہ فقراء اور مساکین کو ملے گا اور ۳ حصہ زکوٰۃ کا دوسری مدت میں ہے اس میں خاص طور سے چار میں تو لام تملیک تو لگا بھی نہیں ہے، گویا پچاس فی صد ایسے ہی جن پر تملیک، میں سمجھتا ہوں کہ شاید تملیک کے قائلین بھی قائل نہیں ہوں گے، اس لئے کہ ان کا ذکر ”فی“ کے ذریعہ آیا ہوا ہے اور ضروری نہیں کہ یہ اصحاب موجود بھی ہوں کہ آپ فوری طور پر انہیں ان کے حوالہ کیا جائے ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ استثمار کی گنجائش نفعی ہے، لیکن اس سے الگ خاص طور سے اس چیز کی طرف قائلین تملیک کی توجہ چاہوں گا یہ ہے کہ عام طور سے ایسا ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ کی تحصیل اور کلکیشن سے لے کر اس کی تقسیم تک کچھ سرمایہ ہمیشہ پڑا رہے، مثال کے طور پر سال میں دس کروڑ زکوٰۃ جمع ہوتی ہے کسی ادارے کے پاس ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک کروڑ ہر وقت اس بیت الزکوٰۃ میں موجود رہتی ہو، تو کیا اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے کہ اس رقم کو کثیر المدت سرمایہ کاری، یعنی مرابحہ کے طور پر یا فوری طور پر جس کے ثمرات ایک سال کے اندر یا تین چار ماہ کے اندر دیکھے جاسکتے ہوں، کیا ایسا بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں کیا سکتا ہے، خاص طور سے میں ایک مسئلہ کے طور پر ان کی توجیہ چاہوں گا جو تملیک کی وجہ سے استثمار کے قائل نہیں ہیں، باقی جو لوگ قائل ہیں ان کے لئے میں سمجھتا ہوں کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

مولانا ابوالعاص و حیدی:

زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں جو بحث ہے تملیک کی وہ اصل میں تملیک ذاتی کی بحث ہے، یعنی کیا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ذاتی طور پر کسی فقیر، مسکین کو مالک بنانا ضروری ہے یا نہیں، اسی لئے جو مختلف سوالات اس سے متعلق ہیں، ایک سوال یہ بھی ہے کہ عامل علی الصدقہ، یعنی جو صدقہ کے وصول کرنے اور جمع کرنے کا ذمہ دار ہو تو کیا عامل علی الصدقہ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوئی یا نہیں ہوئی، تو اس سلسلہ میں بعض چیزیں قرون اولیٰ میں ملتی ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر عامل علی الصدقہ کو یا موجودہ ہندوستان میں جو لوگ محصلین ہیں زکوٰۃ

وصول کرتے ہیں ان مصلین کو اگر زکوٰۃ کو دینے والا زکوٰۃ دیدے تو اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جاتی ہے، اس سلسلہ میں ایک روایت ہے، مسند احمد کی جس کے راوی ہیں حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا..... فقد برئت من الی اللہ ورسولہ یہ سوال کیا آنے والے شخص نے آپ ﷺ نے جواب دیا: نعم إذا..... الی سول فقد برئت فی الی اللہ ورسولہ فلک اجرہا واتمہا علی من بدلا، مسند احمد کی روایت ہے، اور اس روایت کے راوی کو میں نے دیکھا ہے اسماء الرجال کی کتابوں میں یہ روایت درست ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عامل علی الصدقہ کو اگر زکوٰۃ دینے والے نے زکوٰۃ دے دی، اس کے حوالہ کر دی تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہو گئی، حالانکہ زکوٰۃ دینے والے نے کسی فقیر کو کسی مسکین کو ذاتی طور پر مالک نہیں بنایا، بس یہ حسن ظن رہا کہ عامل علی الصدقہ چون کہ حکومت کا نمائندہ آیا لہذا وہ صدقہ اور زکوٰۃ کی رقم لے جائے گا، بیت المال جمع کرے گا اور اسلامی نظام حکومت اسے فقراء اور مساکین میں خرچ کرے گا تو اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ براہ راست تملیک ذاتی ضروری نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

انشاء اللہ مولانا عتیق احمد صاحب ابھی آپ حضرات کے سوالات کے بارے میں وضاحت کریں گے، بعد نماز مغرب انشاء اللہ ہمارے عرب مہمان اس پر اظہار خیال فرمائیں گے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ابھی ہمارے بعض علماء نے بعض نکات پیش کیے ہیں، اس مسئلہ کے تعلق سے تین حضرات کی گفتگو ہمارے سامنے رکھی گئی، ایک بات تو یہ ہے کہ استثماری جو بات چل رہی ہے اس

کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ نکالنے والے خود زکوٰۃ نکال کر گویا اس سے کارخانہ قائم کر رہے ہیں، اور اس اضافہ کے منافع کو وہ فقراء پر تقسیم کریں گے، بلکہ مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی ادارہ کوئی اجتماعی نظم ایسا قائم ہو اور کچھ ایسے حضرات جو دیانت دار اور صاحب تقویٰ ہوں ان کے ذمہ یہ کام کیا جائے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم حاصل کر کے اس سے بڑے پیمانہ پر کوئی کارخانہ قائم کرے، کوئی فیلٹری قائم کرے اور اس کے منافع کو فقراء پر تقسیم کرے، ظاہر بات ہے کہ جب اجتماعی نظم بڑا بنتا ہے تو پھر اس صورت میں ہر آدمی کو باخبر رہنا کہ یہ زکوٰۃ کہاں گئی، کیا اس کا نظام بنا، کہاں تک پہنچی، یہ مسئلہ بہت مجمل رہتا ہے۔

ایک دوسری بات جو مولانا نے اٹھائی ہے اور بہت اہم بات ہے کہ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی، زکوٰۃ کی نیت سے رقم ہم نے نکالی، الگ کی اس کے بعد ہم نے اس سے کارخانہ قائم کر دیا، مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اور یہ رائے ہونے کی بنیاد پر کہ زکوٰۃ سے مال سے استعمار درست ہے، تو مسئلہ یہ ہے کہ کیا زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی یا ایسے کرنے سے وہ آدمی گنہگار ہو، ظاہر بات ہے کہ زیر بحث سوال یہی ہے کہ کسی نے زکوٰۃ کی رقم کسی ایسے ادارہ کو دی جو استعمار کا عمل کرتا ہے وہ زکوٰۃ کی رقمیں جمع کر کے اور اس مال سے کارخانہ قائم کرتا ہے اور اس کے منافع کو فقراء پر تقسیم کرتا ہے، گفتگو یہی ہے کہ اس کی زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں ہوئی، جبکہ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ زکوٰۃ میں ادا کر رہا ہوں، زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت سے رقم کسی ادارہ کو ادا کرتا ہے درست ہے کہ نہیں، تو جو حضرات اس کو ناجائز کہتے ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ زکوٰۃ ان کی ادائیگی نہیں ہوئی اس کو دوبارہ زکوٰۃ نکالنی پڑے گی اور اگر مسئلہ غلط معلوم ہے یا جواز کی بات کسی نے بتادی ہے تو پھر اس کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ سامنے آئی کہ اسلامی حکومت قائم ہو اور امام یا سلطان کی طرف سے باقاعدہ مصلحین ہوں جو زکوٰۃ وصول کرتے ہوں، یہ بات تو تقریباً متفق علیہ ہے کہ جب سلطان

کے عامل کو، محصل کو زکوٰۃ دیدی گئی تو زکوٰۃ دینے والے کا ذمہ فارغ ہو گیا، اب اس کی ذمہ داری یہ نہیں ہوتی ہے کہ وہ اس تجسس میں رہے کہ یہ زکوٰۃ کہاں گئی، کہاں خرچ ہوئی وہ اعتماد کرے اجتماعی نظام پر، حالانکہ یہ بات بھی ہمارے ذہن پر رکھنے کی ہے کہ اس مسئلہ میں بعض فقہاء نے اس کو افضل قرار دیا ہے کہ آدمی اپنی زکوٰۃ خود ادا کرے، تاکہ یہ بات یقینی ہو کہ زکوٰۃ مستحق تک پہنچی، خاص کر جب نظام میں کچھ گڑبڑی پیدا ہوئی اس طرح کے سلاطین اور حکمراں ہوئے جو بیت المال میں احتیاط سے کام نہیں کرتے تھے تو بہت سے فقہاء نے یہ رائے اختیار کی کہ اس میں خود ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اب یہ الگ مسئلہ ہے کہ اس میں کئی آراء سامنے آتی ہیں، لیکن بہر حال جب اجتماعی نظام قائم ہو اور بیت المال کا، خلیفہ اور اس کا عمل موجود ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے دینے والے کا ذمہ فارغ ہو گیا، لیکن اب بیت المال کے جو ذمہ دار ہیں خلیفہ یا سلطان ان کی کیا ذمہ داری ہونی چاہئے کیا ان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم سے مستحقین کو دینے کے بجائے ایسا کوئی کام کرے اور جو منافع اس سے حاصل ہو اس منافع کو فقراء اور مستحقین کو پہنچائے تو اس بارے میں مجھے عرض کرنا ہے کہ فقہاء کے یہاں اس کی بہت سی صراحتیں موجود ہیں اور مصارف زکوٰۃ کی جو آیت ہے اس کے اصل مخاطب حکومت اسلامیہ ہیں، اسی لئے اس میں عاملین کا ذکر ہے، جب اس طرح کا نظام ہوگا تو اس میں ایک اچھی خاصی رقم عمال پر خرچ ہوگی جو بیت المال کی ذمہ داری بنتی ہے، لیکن یہاں جو صورت حال ہندوستان میں ہے یا دنیا کے اکثر ملکوں میں ہے کہ اسلامی نظام تو قائم ہے نہیں، ہمارے یہاں مدارس قائم ہیں، تو کچھ لوگوں نے بیت المال قائم کیا، سوال یہ ہے کہ ان کے نمائندوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ دینے والے کا ذمہ فارغ ہو گیا یا نہیں؟ اصحاب علم کو معلوم ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے علماء کے یہاں دو موقف ہے، ایک موقف تو یہ ہے کہ جس طرح کے سلطان کے زمانے میں، سلطان کی موجودگی میں اس کے نمائندے کو زکوٰۃ دینے سے

زکوٰۃ دینے والے کا ذمہ فارغ ہو جاتا تھا ایسے ہی اس دور میں بھی اجتماعی یا دینی کام کر رہے ہیں یا زکوٰۃ کے مستحقین کے لئے بہت سے کام کر رہے ہیں، ان کی طرف سے مقرر کردہ محصلین کو زکوٰۃ دینے سے گویا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، لیکن دوسرا موقف یہ ہے کہ نہیں، ہاں سلطان کے عامل کی بات اور ہے، بڑے پیمانے پر یا چھوٹے پیمانے پر جو لوگ اپنا اپنا ادارہ قائم کر لیتے ہیں، اور اگر ان کے نمائندے کو زکوٰۃ آپ دے دیں، اس کے نمائندے سے مال ضائع ہو گیا یا آپ کو معلوم ہے کہ وہ مصرف میں صرف نہیں ہوا تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی۔

اب یہ مسئلہ خود مفصل ہے اس میں دورائے ہے، حضرت تھانویؒ کا موقف ہے جو آپ کے علم میں ہے پھر حضرت سہارنپوری کا موقف ہے، دو الگ الگ موقف ہے، یہ گفتگو طویل ہو چکی ہے، زیر بحث مسئلہ یعنی استثمار کے تعلق سے یہی بات عرض کرنی ہے کہ جب زکوٰۃ کی رقم کسی نے کسی ایسے ادارہ کو دیدی جو استثمار کرتا ہے تو اس صورت میں اگر ہم سلطان کا نائب اس کو مان لیں یا خلیفہ اس کو مان لیں، اس کے باوجود بھی چونکہ ہم کو معلوم ہے کہ رقم اس طور پر خرچ نہیں کی جا رہی ہے کہ باقاعدہ فقراء کو دے دی جائے، بلکہ اس کا ادارہ قائم کر دیا گیا جس کا نفع صرف فقراء کو پہنچانا ہے تو میں نے جو عرض کیا ہے تفصیل کے ساتھ کہ سلطان کو بھی اختیار نہیں ہے کہ زکوٰۃ دینے کے بعد اس کا صرف اس انداز سے کرے کہ مالک نہ بنایا جائے مستحقین زکوٰۃ کو، بلکہ ان کے منافع صرف پہنچتے رہیں تو پھر عام آدمی کو کیسے اس کا حق حاصل ہو جائے گا؟

اور دوسری بات جو ڈاکٹر عبدالعظیم صاحب اصلاحی نے بتائی کہ استثمار کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ موقوف ہے تملیک پر، حالانکہ عرض میں ایسی بات نہیں ہے، جو لوگ استثمار کو جائز کہتے ہیں، ان کے چند دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بہت اہم اور بنیادی چیز ہے، لیکن بہر حال دلائل اس کے علاوہ بھی موجود ہیں اور تملیک کا لزوم و عدم لزوم اس کی بھی بہت اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی دلائل پائے جاتے ہیں، اور یہ بات بڑی

اچھی انہوں نے اٹھائی ہے، پر میں سمجھتا ہوں کہ اس پر سب کو اتفاق ہوگا اور ہے، جو لوگ گنجائش کی بات کر رہے ہیں، ان کے یہاں گنجائش کے لئے شرط یہی ہے کہ اجتماعی نظم ہو، اجتماعی نظم نہ ہونے کی صورت میں تماشہ بن جائے گا، جیسا کہ آج بہت سے ادارے تماشہ بنے ہوئے ہیں، اس وقت جو موجودہ صورت حال چل رہی ہے ہمارے ملک میں اور بہت سے ملکوں میں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں کوئی ایسا اجتماعی نظم قائم نہیں ہے اور قائم کرنا آسان بھی نہیں ہے، کنٹرول مشکل ہے، جس میں غلط کام کرنے کے جرائم ہوں وہ کچھ بھی کر سکتا ہے، ادارے قائم کیے اور رقیب کہیں بھی خرچ کر دی، اس لئے اجتماعی نظم کے بغیر اگر اس کی گنجائش دی جاتی ہے تو یہ بہت خطرناک عمل ہے، اور اجتماعی نظم کا قیام ایک مستقل عمل ہے، اور ایک آخری بات جو انہوں نے فرمائی تھی کہ زکوٰۃ کی رقیب جمع رہتی ہیں بسا اوقات ایک کروڑ ڈو کروڑ جمع ہو جاتی ہے، اس کی فوری ضرورت نہیں ہے تو کیا اس کو مراجمہ میں لگانا یا کسی ایسی شکل میں جس سے نفع پیدا ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ جو گفتگو ہم نے کی ہے اس مسئلہ پر اس میں سوال خود بخود آ گیا، مراجمہ پر آپ دیں یا مضاربت پر یا کسی طور پر بھی آپ دیں وہ آخر استثمار ہی ہے اور جو خوبیاں اور خرابیاں وہاں ہیں وہی یہاں بھی ہوں گی۔

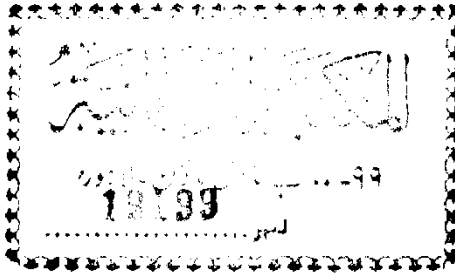
مولانا ابو العاص وحیدی صاحب نے جو بات فرمائی ہے کہ تمملیک ذاتی کی گویا کوئی اہمیت نہیں ہے اس بارے میں، میں نے عرض کیا کہ اس پر اتفاق ہے کہ اگر واقعی اسلامی حکومت قائم ہو اور اس کے عامل کو ہم نے زکوٰۃ دیدی تو دینے والے کا ذمہ فارغ ہو گیا، لیکن خود وہ لوگ جو سلطان ہیں، ان کی ذمہ داری کیا بنتی ہے؟ وہ کس طرح کریں کیا وہ پابند ہیں اس کے کہ نہیں؟ کہ زکوٰۃ کو باقاعدہ مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کریں، ان کے حوالہ کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں جو تصریحات فقہاء کی ہیں اور کتاب و سنت کے جو دلائل ہیں وہ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ جس طرح ایک فرد اس کا پابند ہے، ایسے ہی وہ حکومت کے وزراء بھی پابند ہیں جو زکوٰۃ جمع

کرتے ہیں کہ زکوٰۃ بھی اسی انداز سے دیئے جائیں کہ فقراء اس کے مالک ہو جائیں اور جہاں چاہیں اپنی ضروریات میں صرف کریں، کسی کو نفع پہنچانا دوسری چیز ہے اور مالک بنانا دوسری چیز ہے، مالک بنانے میں اور اس کو نفع پہنچانے میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے، ایک آدمی نے کسی کی شاندار دعوت کر دی، وہ آیا اور کھا کر چلا گیا، جبکہ عین ممکن ہے کہ گھر میں اس کے بچے بھوکے ہوں، ممکن ہے اور کوئی ضرورت ہو کپڑا خریدنا ہو، اس میں وہ صرف کر سکتا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ نکات بہت سارے ہمارے سامنے آگئے اور انشاء اللہ کمیٹی ترتیب دی جائے گی اس میں تمام نکات کو سامنے رکھتے ہوئے اور آپ کے مناقشات اور مقالوں کو سامنے رکھتے ہوئے انشاء اللہ کوئی اچھی تجویز جو متفق علیہ ہو وہ سامنے آئے گی۔

مفتی شیر علی گجراتی:

استثمار باموال الزکوٰۃ اس میں جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے اقوال مفصل موجود ہیں، ”تؤخذ من أغنياهم و ترد علی فقراہم“ (ترمذی ۳۶۲۲)، ان اغنیاء سے لیا جائے اور فقراء پر واپس کیا جائے اور قرآن مجید کے عام الفاظ: ”خذ من أموالہم صدقة“ اور کہیں ”نحلة“ یا کہیں اور: ”یؤتون الزکوٰۃ“ وغیرہ وغیرہ عام الفاظ ہی ہے کہ ان سے زکوٰۃ کا مال لے لو اور غربا پر تقسیم کر دو، حضور ﷺ سے لے کر آج تک یہی چلا آ رہا ہے کہ اپنے زکوٰۃ کا مال کسی غریب کو دیا، یا زیادہ سے زیادہ کسی ادارے کے سفیر یا کوئی ادارہ کا آدمی آ کر بولا اسے، دریافت کیا آپ کے یہاں زکوٰۃ کا مصرف اور مد ہے اس نے جواب دیا، تو لوگ اس کو زکوٰۃ دے دیتے ہیں، کوئی کارخانہ قائم کرنا، کوئی اور کام کرنا اس کی کہیں مثال میرے خیال میں نہیں ہے، ایک بات تو یہ ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جو کارخانے قائم کریں گے، دکان لگائیں گے، اس کی نگرانی کون کرے گا، یہ کرے گا کون؟ اور موجودہ دور کی جو حالت ہے کہ دیانت داری کم اور حکومت کی طرف سے پابندیاں بہت — اول تو فائدہ مشکل ہے۔

نیز یہ بات بھی ہے کہ دیانت داری کا مسئلہ بھی ہے، اب ظاہر بات ہے کہ مالک مال تو یہ نہیں کر سکتا وہ تو دیدیتے ہیں، تو اب یہ ادارے کا کام ہے کہ وہ مال جمع ہو گیا اور کوئی مکان خرید لیا اور اب اس کا کرایہ ہے یا کوئی اور چیز کمپنی قائم کر دی تو اس بارے میں موجودہ دور میں تو یہی ہے کہ لوگوں میں بدیانتی ہے، جس کو دیا جائے وہی قبضہ کر کے کھاجائے گا، اور صحیح غرباء اور مستحقین تک زکوٰۃ نہیں پہنچ پائے گی، ان تمام مضمرات پر ہمیں باریک بینی سے غور کرنا ہوگا۔





IFA Publications

161 - F, Basement, Joga Bai, Post Box No - 9708, Jamia Nagar, New Delhi - 110025

Tel : 26981327, 26983728 Email: ifapublications@gmail.com